کیا آپ NET-JRF میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

تو پھر دیر کس بات کی! لیجیے آپ کی کامیابی کی ضمانت حاضر ہے

"Subjective اور Objective"

دونوں حصوں کی تیاری میں معاون بہترین کتاب

# گوہرِ ادب

ادبستان پبلی کیشنز دہلی ۶

# گوہرِ ادب

نایاب ظہیر

ادبستان پبلی کیشنز دہلی ۹۵

Gauhar-e-Adab
by: Nayab Zaheer
Ist Edition : October 2011
ISBN : 978-93-81029-34-3
Price : Rs. 208/-

© حافظ سید عبدالرافع ظہیری

نام کتاب : گوہرِ ادب
اصل نام : عبدالباسط حمیدی
قلمی نام : نایاب ظہیر
پتا : 108۔ ماںڈوی ہاسٹل، جے۔ این۔ یو، نئی دہلی۔ 110067
موبائل : 08826308468
ای میل : nayab.zaheer786@gmail.com
مطبع : کلاسک آرٹ پریس، دہلی
سرورق : اظہار احمد ندیم
ناشر : ادبستان پبلی کیشنز

اس کتاب کا کوئی حصہ مؤلف/ ادبستان پبلی کیشنز سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کمرشیئل استعمال خصوصاً آڈیو، ویڈیو، انٹرنیٹ وغیرہ کے لیے نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتِ حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

ADABISTAN PUBLICATIONS
A-170, Ground Floor-3, Surya Apartment,
Dilshad Colony, Delhi - 110095 (INDIA)
Mob. (0) 9899706640, 9971775969 Email: arshiapublicationspvt@gmail.com

# انتساب

پیاری امّی جان اور میرے Ideal ابّا جان کے نام
جن سے میں نے زندگی اور زبان دونوں کے قواعد سیکھے
مادرِ علمی ''پٹنہ یونی ورسٹی'' کے نام
جس نے مجھے اپنی آغوش میں پھلنے پھولنے کا موقع دیا
اُن تمام نوجوان دوستوں کے نام
جن کی محبتوں الفتوں اور دعاؤں کی بدولت میں اس لائق ہوا

# مناجات

مجھے اپنا بنا لے یا الٰہی تو سدا اپنا
رہوں قائم سنت پہ کہ ہو جائے بھلا اپنا

یہی حکمِ نبیؐ اور یہی فرمان ہے تیرا
وہی ہو گا ترا جو ہے ترے محبوبؐ کا اپنا

سدا حق ہے تو ہی وارث اور رافع بھی
تو رفعت کر عطا کوئی نہیں تیرے سوا اپنا

اِسے خوشبو کی طرح پھیلا دے تو ہر سُو
یہی ہے آرزو اپنی یہی ہے مدعا اپنا

مجھے علم و عمل دونوں کی توفیق دے مولا
رہوں ایسے کہ ہو راستہ سب سے جدا اپنا

سدا الفت و محبت کا قاصد رہے نایابؔ
یہی ہے التجاء تجھ سے یہی ہو مشغلہ اپنا

# اس کتاب کی چند نمایاں خصوصیات

(1) اس کتاب میں صرف وہی سوالات شامل کیے گئے ہیں جو نٹ Exam میں پوچھے جاتے رہے ہیں

(2) زبان بے حد آسان اور قابلِ فہم استعمال کی گئی ہے

(3) استناد کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے

(4) Objective اور Subjective دونوں حصوں کے تقاضے کو حتی الامکان پوری طرح سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے

(5) ہر صفحے پر جوابات درج ہیں تا کہ کوئی دشواری نہ ہو

(6) کتاب کو ممکن حد تک غیر ضروری تفصیلات سے محفوظ رکھا گیا ہے

(7) مطلوبہ نشانے کے حصول کے تقاضوں کو ذہن میں رکھ کر یہ کتاب تیار کی گئی ہے

(8) Exam دینے کی تکنیک کے تعلق سے دلچسپ اور قابلِ قدر مشورے دیے گئے ہیں

# اپنی تلاش میں

## (کچھ مؤلف کے بارے میں)

| | | |
|---|---|---|
| نام | : | عبدالباسط حمیدی |
| قلمی نام | : | نایاب ظہیر |
| تخلص | : | نایاب |
| والد کا نام | : | سید ظہیرالدین (ریٹائرڈ اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر سائنس ٹیچر وگیم سپرٹنڈنٹ اسلامیہ ہائی اسکول سمری بختیار پور سہرسہ) |
| والدہ کا نام | : | سیدہ بتول |
| برادران:3ر | : | 1۔سید عبدالحق (Land Surveyor) |
| | | 2۔سید عبدالوارث (B.tech) |
| | | 3۔حافظ سید عبدالرافع (متعلم کلاس:ix) |
| خواہران:2ر | : | 1۔سیدہ عائشہ صدیقہ: زوجہ قاری سید منظرالحسن (امام جامع مسجد سمری بختیار پور سہرسہ) |
| | | 2۔سیدہ اسماء خاتون: زوجہ سید مستقیم احمد (ویلڈنگ انجینئر رانی باغ سمری بختیار پور سہرسہ) |
| مذہب | : | اسلام |

وطن : ہندستان

مستقل پتا : مخدوم چک (نزد مسجد) پی۔او: سمری بختیار پور
پی۔ایس: بختیار پور ضلع: سہرسہ ریاست: بہار
پن کوڈ: 852127

عارضی پتا : 108۔ مانڈوی ہاسٹل جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی نئی دہلی۔ 110067

تعلیمی لیاقت : 1۔حافظ قرآن 2- رڑی پل قاری 3- رڑی پل فاضل
4۔ایم۔اے اردو پٹنہ یونی ورسٹی پٹنہ 5۔ایم۔فل اردو (جاری)
جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی نئی دہلی

اضافی صلاحیت : (i)DCA (ii) کتابت

حصول یابیاں : 1۔JRF کوالیفائڈ 2۔Gold Medal یافتہ

موجودہ ذمہ داری : حسینی مشن مخدوم چک سمری بختیار پور سہرسہ کے زیر اہتمام
زیڈ یو انٹرنیشنل اسلامک لاوٴز ڈیلنگ اینڈ ریسرچ سنٹر
کے اسلامک لاوٴز ڈیلر اینڈ ڈائریکٹر

تعلیمی تجربات : (i) مولانا آزاد نیشنل اوپن یونی ورسٹی میں بطور کاؤنسلر اردو زبان و
ادب اور اسلامیات کی چندروزہ تدریسی خدمات (بہ مقام کالج
آف کامرس پٹنہ)

(ii) اسلامیہ ہائی اسکول سمری بختیار پور سہرسہ میں سائنس، اردو اور
فارسی پڑھانے کا چندروزہ تجربہ

(iii) سن ٹریسا پبلک اسکول سمری بختیار پور سہرسہ میں I.sc
میں Biology اور انگلش پڑھانے کا تجربہ

(iv) عظیم آباد ہائی اسکول عظیم آباد اور ماڈرن ویلفیئر اکیڈمی سلطان گنج

پٹنہ میں کئی Subjects پڑھانے کا تجربہ

(v) مظفر پور کے کئی نامور کوچنگ چلانے اور اس میں پڑھانے کا تجربہ

جیسے: ثنا ایجوکیشنل پوائنٹ: آزاد روڈ مظفر پور، اقرا کوچنگ

سینٹر: تین کوٹھیا مظفر پور باغِ جنت کوچنگ سینٹر: پکی سرائے

چوک مظفر پور

(vi) BPSC کے ایک کوچنگ میں اردو اور فارسی

Optional پڑھانے کا کامیاب تجربہ

اردو تالیفات : 1۔نایاب تقریریں (جس میں ساری تقریریں انعام یافتہ ہیں)

2۔بچوں کے ناموں کا نایاب تحفہ

(کئی دوسرے ممالک میں بھی بے حد مقبول)

مضامین ومقالات: ☆ بیشتر مضامین روزنامہ قومی تنظیم سبزی باغ پٹنہ میں شائع

☆ کئی ایسے مقالات شائع ہوئے جن میں چند انعامات کے مستحق بھی قرار پائے

☆ کئی مقالے ہندو بیرونِ ہند کے مقابلہ میں شرکت کی نیت سے ارسال کئے گئے۔

سمینار : (i)NCPUL کے ذریعہ ملکی پیمانے پر کیے گئے سمینار

بہ عنوان ''اردو ناول میں بہار کے سماجی مسائل'' میں ملک کی نامور

ہستیوں کے ساتھ شرکت کا حسین موقع (22-Feb-2010)

(ii) ریاستی پیمانے پر پٹنہ یونی ورسٹی پٹنہ کے ذریعہ منعقد سمینار

بہ عنوان ''ابوالکلام آزاد'' میں شرکت اور تیسری پوزیشن سے

سرفراز (22-Dec-2008)

بحث ومباحثہ : 1۔علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے ذریعہ منعقد کیے گئے دو روزہ National Debate بہ عنوان ''کیا موجودہ تعلیم انسانیت سے دور ہوتی جارہی ہے'' میں شرکت کے لیے منتخب اور آل انڈیا سکنڈ ٹاپر ہونے کا اعزاز (28&29-Jan-2009)

خط وکتابت کا پتا : عبدالباسط حمیدی 108۔ مانڈوی ہاسٹل جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی۔110067

رابطہ نمبر : 08826308468

ای میل ایڈریس : nayab.zaheer786@gmail.com

اپنے دوستوں کے نام: ؎ سدا الفت ومحبت کا پیغام دو نایاب
جنت تو نہیں جنت نما بن جائے گی دنیا

# مشمولات


پیش لفظ : ہے یہ الفت کا آئینہ: اسے بھی پڑھیے — 17

مقدمہ 21

JRF کوالیفائی کرنے کے لیے کیا کریں؟ 23

عموماً کہاں سے کتنے سوالات آتے ہیں: خاکہ دیکھیں 32

پوچھے گئے سوالات کا تجزیہ: 2008ء تک کے سوالات کی روشنی میں 33

پچھلے چند سالوں میں آئے ہوئے سوالوں میں سے کچھ منتخب سوالات 42

دسمبر 2009ء تک کے سوالات کا Pattern 46

اب سوالات کا Pattern 48

نصاب Paper-1 49

G.S (Ist) پیپر کے حوالے سے 49

اب ہر Section پر طائرانہ نظر 50

نصاب Paper-2 54

نصاب Paper-3 56

چند چیزیں تعریفات کے آئینے میں 60

Objective میں زیادہ سوالات: مندرجہ ذیل کتابوں کے متعلق رہتے ہیں 61

Objective میں زیادہ سوالات: مندرجہ ذیل شخصیتوں کے متعلق رہتے ہیں 62

مندرجہ ذیل سوالات: سب سے زیادہ پوچھے جاتے ہیں 63

مندرجہ ذیل سوالات: زیادہ پوچھے جاتے ہیں 68

| | |
|---|---|
| مندرجہ ذیل سوالات: پوچھے جا سکتے ہیں | 70 |
| مندرجہ ذیل سوالات: متوقع ہیں | 76 |
| ان سوالوں کی فہرست: جن کے ذریعہ ابہام پیدا کیا جا سکتا ہے | 78 |
| چند اہم سوالات: سنہ کے حوالے سے | 81 |
| اہم کتابوں کے حوالے سے: چند سوالات | 83 |
| کچھ ایسے شعراء جن کا کبھی کبھی پورا نام پوچھا جاتا ہے | 85 |
| کچھ ایسے شعراء جن کا کبھی کبھی اصل نام پوچھا جاتا ہے | 86 |
| کسے کیا کہا جاتا ہے؟ | 86 |
| شعراء وادباء کے اسمائے گرامی: پیدائش و وفات کے سلسلے سے | 88 |
| پیدائش کہیں اور......وفات کہیں اور | 91 |
| کرداروں کی دنیا | 92 |
| اخبار نویسی کی تاریخ | 93 |
| رسالہ / اخبار کے حوالے سے | 94 |
| عام معلومات | 95 |
| اختلافی دنیا | 101 |
| (i) کچھ اختلافات: شخصیات کے حوالے سے | 101 |
| (ii) کچھ اختلافات: تصانیف کے حوالے سے | 104 |
| غزل | 106 |
| مثنوی | 108 |
| قصیدہ | 114 |
| مرثیہ | 119 |
| نظم | 122 |

| | |
|---|---|
| افسانوی نثر | 128 |
| غیرافسانوی نثر | 134 |
| تنقید: اصول اورنظریات | 135 |
| عروض وبلاغت | 138 |
| لسانیات کے گوشے سے | 143 |
| اردو کی پیدائش سے متعلق: چند اہم نظریات | 145 |
| سوانحی انسائیکلوپیڈیا | 146 |
| مختلف فنون کی دنیا | 163 |
| مختلف اصناف ادب کی دنیا | 172 |
| غزل گوشعراء: | |
| ولی دکنی، میرتقی میر، غالب، آتش، شاد عظیم آبادی، یگانہ چنگیزی، | |
| فراق گورکھپوری، اصغر گونڈوی، مجروح سلطان پوری | 172-214 |
| نظم گوشعراء: | |
| نظیرا کبرآبادی، اکبرالہ آبادی، جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، میراجی، | |
| اختر الایمان، مخدوم محی الدین | 215-231 |
| میرانیس کی مرثیہ نگاری | 232 |
| سودا کی قصیدہ نگاری | 236 |
| قرۃ العین حیدر بحیثیت ناول نگار | 238 |
| پریم چند | 240 |
| سعادت حسن منٹو | 242 |
| راجندر سنگھ بیدی | 243 |
| آغا حشر کاشمیری بحیثیت ڈراما نگار | 244 |

رشید احمد صدیقی 245
سحرالبیان 246
گلزار نسیم 247
زہر عشق 249
باغ و بہار 251
فسانۂ عجائب 253
امراؤ جان ادا 254
فسانۂ آزاد 255
انارکلی 256
غبار خاطر 257
علی گڑھ تحریک (سرسید تحریک) 258
ترقی پسند تحریک: ادب کے حوالے سے 261
آثار الصنادید 263
اسباب بغاوت ہند 265
انتخاب مضامین سرسید 266
مسدس حالی 268
مقدمہ شعر و شاعری 270
فورٹ ولیم کالج 273
زبانوں کا ہند آریائی خاندان (قدیم ہند آریائی، وسطی ہند آریائی، جدید ہند آریائی) 274
کھڑی بولی 279
مغربی ہندی 281

# Elective Papers

(i)دکن: 284-313

(دکن میں اردو کی ابتداء اوراس کا ارتقاء، دکنی اردو کی لسانی خصوصیات، کدم راؤ پدم راؤ گلشن عشق، علی نامہ، دیوان ریختی، کلیات شاہی، محمد قلی قطب شاہ کی شاعری، سب رس قطب مشتری، سیف الملوک وبدیع الجمال، پھول بن، ولی کی شاعرانہ عظمت، سراج اورنگ آبادی)

(ii)سرسید: 314-328

(شخصیت اور سوانح، تاریخ نگاری، بہ حیثیت مضمون نگار، مذہبی، سیاسی اور تہذیبی افکار و نظریات، صحافتی خدمات، سیرت نگاری، اسلوب تحریر، تصور تعلیم، خطوط نگاری، سرسید اور سائنٹی فک سوسائٹی، اردو نثر کے ارتقاء میں سرسید کا حصہ، معاصرین اور رفقاء، علی گڑھ کی سماجی اور ادبی خدمات)

(iii)اقبال: 329-346

(بحیثیت غزل گو، بحیثیت نظم نگار، اقبال کی زندگی کے مختلف ادوار، فکری سرچشمے، وطنی قومی ملی اسلامی اور سماجی شعور، فلسفۂ خودی، اقبال کی شاعری میں مرد کامل، بانگ درا، بالِ جبریل، ضرب کلیم، ارمغان حجاز، مسجد قرطبہ، ساقی نامہ، طلوع اسلام، ذوق وشوق، لینن خدا کے حضور میں)

(iv) (a) اردو تنقید: 347-364

(تنقید کی تعریف واہمیت، تنقید کے مختلف دبستان، نظریاتی تنقید اور عملی تنقید، تذکروں کی تنقیدی اہمیت، علامہ شبلی نعمانی احتشام حسین، کلیم الدین احمد، آل احمد سرور، شمس الرحمٰن فاروقی)

(b) اردو تحقیق: 365-394

(تحقیق کی اہمیت وافادیت، اصول تحقیق اور طریق کار، تحقیق اور تنقید کا باہمی رشتہ، متنی تنقید کے بنیادی اصول، اعلیٰ تنقید کے مدارج، حافظ محمود شیرانی)

نایاب تحفہ: ادبی تنقید کیسے کریں؟ 395-399

# ہے یہ اُلفت کا آئینہ: اِسے بھی پڑھیے!

جب میں نے ایم۔اے اردو میں ایڈمیشن لے کر اردو زبان و ادب کی حسین و خوش نما وادی میں قدم رکھا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی لیکن یہ خوشی زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی بلکہ کچھ ہی دنوں بعد مایوسی اور حسرت نے آگھیرا ایں طور کہ ذہن میں یہ باتیں بار بار آنے جانے لگیں کہ اس Subject میں کیا رکھا ہے؟ اور اِس سے مستقبل میں کیا فائدہ پہنچے گا؟ خیر! یہ باتیں آئی گئیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ آج مفکرین Career کے Safe کرنے کی باتیں کرتے ہیں جب کہ خود ان کی Life ہی Safe نہیں ہے۔ یہ تو خدا کا فیصلہ ہے کہ وہ کس کو کس وادی میں لے جائے۔ معاً یہ بات بھی ذہن میں آئی کہ کوئی بھی Subject بُرا نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے آپ میں وہ Oriented ہی ہوا کرتا ہے شرط یہ ہے کہ اُسے اچھی طرح پڑھا جائے۔ یہ تمام باتیں جیسے ہی دل میں گھر کر گئیں ویسے ہی اردو کو اپنا رفیق بنا لیا اور چھ ماہ میں ایم۔اے اردو تک کی ساری مشہور و مستند کتابوں کا مطالعہ بحسن و خوبی کر لیا۔ یہ باتیں کسی شخص سے مخفی نہ تھیں چنانچہ میرے مشفق اساتذۂ کرام اور میرے کچھ ہمدرد دوستوں نے Net-JRF کی تیاری کرنے کا مشورہ دیا اور اِس کے لیے اپنا ذاتی نوٹس بنانے کی تلقین بھی کی چنانچہ میں نے وہی کیا جو اس وقت کا مطالبہ تھا۔

میں نے انتہائی عرق ریزی اور جاں فشانی کے ساتھ Notes تیار کیا اور آگے چل کر اتنے Notes تیار ہو گئے کہ انبار لگ گیا۔ یہ یاد رہے کہ دورانِ مطالعہ کم و بیش ضخیم و بسیط 100 مستند کتابیں میرے ارد گرد رہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ کئی اردو رسالے میگزنس بھی نظر

جہاں تک Objective کے حصول کی بات ہے تو یہ کہنے میں ذرہ برابر تامل نہیں کہ تقریباً ہزاروں Objectives خود اپنی محنت و کاوش سے حاصل کیے۔ لیکن ضروری Objectives اُن میں تھوڑے ہی تھے جو اس کتاب ''گوہر ادب'' میں شامل ہیں۔

As a appearing candidate میں نٹ امتحان میں شامل ہوا۔ محنت رنگ لائی چنانچہ میں نے JRF کو الیفائی کرلیا۔ JRF کوالیفائی کرنا ہی تھا کہ مبارک بادی کا سلسلہ عام ہو گیا۔ اُسی دوران اساتذہ کرام اور دوستوں کی یہ خواہش سامنے آئی کہ اپنے بنائے ہوئے Notes کو از سر نو دیکھنے کے بعد ترتیب دے کر شائع کرا دیا جائے اور ان لوگوں نے اس کی وجہ بھی بیان کی کہ اردو میں خواہ Objective کی کتاب ہو یا Subjective کی، دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ آج کے Pattern کے مطابق نہیں ہیں یا یہ کہ وہ کتابت کی غلطیوں سے پاک نہیں ہیں بلکہ غیر ضروری باتوں سے پُر ہیں۔

میرا M.A کا رزلٹ JRF کے بعد آیا اس میں بحمد اللہ Top رہا۔ اب اساتذہ اور دوستوں کی خواہش، خواہش نہ رہ کر حکم کے زمرے میں داخل ہو گئی۔ اب میں نے پوری طرح عزم کرلیا کہ کتاب ایسی پیش کی جائے کہ جس کے ذریعہ اردو کے طلبہ و طالبات بھی JRF کوالیفائی کر کے اپنے دوسرے دوستوں کے شانہ بہ شانہ چل سکیں۔

کتاب کو قابلِ اشاعت بنانے کے باوجود بھی منظر عام پر نہ لا سکا۔ اس کی دو وجہیں تھیں ایک تو UPSC کا امتحان تو دوسری طرف JNU میں ایم فل داخلۂ امتحان کا Tension۔ خیر! خدا کے فضل اور اساتذہ کی دعاؤں سے JNU ایم فل انٹرنس امتحان میں بھی Top رہا۔ اب کچھ اطمینان سا محسوس ہوا تو اپنے اساتذہ اور دوستوں کی خواہشوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تیار ہوا اور جو ہو سکا میں نے خدا کے فضل سے پیش کر دیا۔ اب فیصلہ آپ جیسے قارئین کے ہاتھوں میں ہے کہ میں کہاں تک اس میں کامیاب رہا۔ اگر اس میں مجھے کامیابی ملی تو صرف اور صرف اِسے خدا کا فضل سمجھا جائے اور اگر میں ناکام رہا تو اسے میری کم علمی پر محمول کیا جائے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے مخلص اساتذہ پروفیسر اعجاز علی ارشد، پروفیسر اسرائیل رضا، ڈاکٹر عظیم اللہ، ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی اور محترمہ زرنگار یاسمین کا شکریہ نہ ادا کروں جنہوں نے مجھے ہمیشہ محبت کی نظر سے دیکھا۔

NET-JRF کی تیاری کے حوالے سے میں اپنے مشفق استاد جناب ڈاکٹر صفدر امام قادری صاحب کے احسانات کو کبھی نہیں بھول سکتا جنہوں نے نہ صرف پڑھایا بلکہ اپنے بیٹے کی طرح مجھ سے برتاؤ کیا اور ہمیشہ نصیحتوں سے بھی نوازا۔ ان کے علاوہ بیشتر حضرات نے صرف مشورے ہی دیئے۔

اپنے محسن کرم فرما جہاں نظیر کی بے نظیر شخصیت اور استادِ من جناب ڈاکٹر سید محمد انوار عالم (انور پاشا) کا شکریہ ادا کرنا مناسب سمجھتا ہوں جنہوں نے نہ صرف اپنی بیش قیمت تحریر سے میری حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ انہوں نے ہی میرا قلمی نام 'نایاب ظہیر' اور اس کتاب کا نام ''گوہرِادب'' منتخب فرمایا۔

اس کتاب کی تیاری میں موجودہ تمام مستند کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور زیادہ سے زیادہ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اردو کے Objectives وہی دیئے جائیں جو عام طور پر پوچھے جاتے ہیں جہاں تک Subjectives کی بات ہے تو وہاں بھی یہی بات پیش نظر رہی کہ صرف وہی Topics دیئے جائیں جو عموماً امتحان میں آتے ہیں کیوں کہ **میرا مقصد کتاب کی ضخامت بڑھانا نہیں بلکہ JRF......Candidates میں اضافہ ہی نہیں بلکہ حددرجہ اضافہ کرنا ہے** انشاءاللہ یقین ہے کہ اس میں کامیابی ملے گی۔

مسودہ کی صفائی میں پیارے ہردے بھانو نے حسبِ گنجائش ہاتھ بٹایا۔ اس کے علاوہ چند حضرات آشنا اور حبیبۂ نایاب، ڈاکٹر سیدہ ثمینہ فاطمہ، مسیحائے من محترمہ مسرت فاطمہ برونی بیگوسرائے، پیاری ہما مظفرپوری، رفیقۂ درس نائلہ قمر، شاہدہ خاتون عزیزی سید عبدالعزیز اشرف اور ڈاکٹر جاوید عبدالعزیز جن کی دعاؤں کے طفیل ہی یہ کام مکمل ہوسکا۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مقبولِ خاص و عام بنائے۔ ملت اسلامیہ کے بچوں

اور بچیوں کو اِس کے وسیلے سے JRF کوالیفائی کرنے کی توفیق دے، اچھی سے اچھی نوکری عطا کرے اور اسے میرے، میرے Ideal والدین اور اساتذہ کرام کے لیے دخولِ جنت کا وسیلہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

بندۂ صغیر ابنِ ظہیر

نایاب ظہیر

ری سرچ اسکالر جے این یو

نئی دہلی۔110067

# مقدمہ

ڈاکٹر انور پاشا
ایسوسی ایٹ پروفیسر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

مقابلہ جاتی امتحانات عصر حاضر کی ایک ایسی حقیقت ہیں جن سے چشم پوشی ممکن نہیں۔ آج زندگی کے ہر شعبے میں نئی نسل کو روز بروز شدید سے شدید تر مسابقتوں کا سامنا ہے اور آنے والے دنوں میں مسابقتی تگ و دو میں مزید اضافہ ہی ہوگا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر لازمی ہے کہ معاشرے کا ہر طبقہ اور اس طبقے سے تعلق رکھنے والی نسلیں اس تگ و دو میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے خود کو ان ممکنہ کیل کانٹوں سے لیس کریں جو مسابقتی امتحانات میں بہتر سے بہتر کارکردگی کی ضمانت دے سکیں۔

مقابلہ جاتی یا مسابقتی امتحانات بنیادی طور پر امیدواروں کی ذہانت (Intellect) کی آزمائش پر مرکوز ہوتے ہیں اور اس آزمائش کے لیے وقت اور فارمیٹ دونوں متعین ہوتے ہیں مثلاً اگر آپ کے پاس معلومات کا خزانہ موجود ہے لیکن آپ اس متعینہ وقت اور فارمیٹ کے تحت ان معلومات کو بروئے کار لانے سے قاصر رہتے ہیں تو ممکن ہے آپ دوسروں سے بہتر معلومات رکھنے کے باوجود مسابقتی ریس میں پیچھے رہ جائیں۔ یہیں پر ذہانت کی اہمیت فوقیت حاصل کر لیتی ہے کیوں کہ متعینہ وقت کے تحت اپنی معلومات کو فارمیٹ کے عین مطابق صد فی صد منتقل کر دینا آپ کی ذہانت پر منحصر ہوتا ہے۔ غرض کہ مسابقتی امتحانات میں کامیابی کے لیے معلومات کے ساتھ ساتھ ذہانت اور حاضر دماغی

لازمی شرائط ہیں اگر آپ نے ان دونوں کے درمیان مطابقت قائم کر لی تو پھر سمجھیے آپ نے چاند پر کمند ڈال دیا۔

عموماً مقابلہ جاتی یا مسابقتی امتحانات کے لیے جو کتابیں تیار کی جاتی ہیں ان میں زیادہ زور معلومات فراہم کرنے پر ہوتا ہے۔ ان تکنیکی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو امیدواروں کو امتحانات کی تیاری اور بہتر کارکردگی میں معاون ہوتے ہیں ان تکنیکی پہلوؤں کی اہمیت سے وہ لوگ زیادہ واقف ہوتے ہیں جنہیں خود مختلف مسابقتی امتحانات کی تیاری کے مراحل سے گزرنے کا تجربہ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر مسابقتی امتحانات میں معاون کتابوں کی تیاری میں ان تجربوں کو بروئے کار لایا جائے تو ایسی کتابیں اور گائڈز زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ عزیزی نایاب **ظہیر** نے اس سمت میں اپنی کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کتاب کو مسابقتی امتحانات کے امیدواروں کے لیے کارآمد بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ عزیزی نایاب ظہیر نے چونکہ خود یو۔ جی۔ سی کے جے۔ آر۔ ایف اور نیٹ کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے اور مختلف قسم کے مسابقتی امتحانات کی تیاریوں سے وابستہ ہیں اس لیے انہوں نے اپنے تجربوں کو بخوبی بروئے کار لانے کی سعی کی ہے۔ ان کی یہ کتاب ان تکنیکی پہلوؤں کا خاطر خواہ طور پر احاطہ کرتی ہے جن سے مسابقتی امتحانات کے امیدواروں کی رہنمائی ہو سکے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب ایسے ان تمام امیدواروں کے لیے بہتر رہنمائی کی کتاب ثابت ہوگی جو یو۔ جی۔ سی اور دیگر مقابلہ جاتی امتحانات میں اردو کو اختیاری مضمون کے طور پر منتخب کرتے ہیں۔

□ □ □

# ''JRF'' کوالیفائی کرنے کے لیے کیا کریں؟

## ''NET'' کے متعلق کب سے سوچنا شروع کریں؟

جیسے ہی ایم۔اے میں داخلہ مل جائے، اس کے بعد ہی ''NET'' کے متعلق سوچنا شروع کر دیں اور ''NET'' کے متعلق اُن تمام باتوں کی جانکاری حاصل کریں جن سے آپ کو تیاری میں مدد مل سکتی ہے

## پہلا قدم

ایم۔اے کرتے وقت اپنا سارا دھیان اور اپنی ساری محنت اسی پر خرچ کریں۔اور ہر پڑھائے ہوئے اسباق و دروس کو یاد کرتے رہیں بلکہ ہفتہ میں جس دن بھی آپ کو فرصت ملے، اُس دن پچھلے ہفتے کے پڑھائے ہوئے تمام اسباق پر نظر ثانی کر لیں اور اگر کوئی رفیق جو پڑھائی زیادہ کرتا ہو اس کے ساتھ 24 گھنٹے میں کسی وقتِ متعینہ پر کسی خاص موضوع پر گفتگو کریں بلکہ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ایک دن پہلے ہی موضوع متعین کر لیں کہ کل فلاں موضوع پر باتیں ہوں گی، ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھیں کہ دونوں رفیق ایک ہی موضوع کا مطالعہ کریں اور دوسرے دن ایک دوسرے سے پوچھیں۔ انشاءاللہ بہت مفید یہ عمل رہے گا بشرطیکہ تسلسل باقی رہے۔

## دوسرا قدم

ایم۔اے کرنے کے دوران جہاں پڑھائی پر دھیان دیں وہیں تھوڑی دیر اپنی تحریر پر

بھی توجہ دیں کیوں کہ تحریر، اگر جاذبِ نظر ہوگی تو ممتحن اس سے متاثر ہوں گے بلکہ یہ خود دامِ فریب بن کر ممتحن کو اپنی گرویدہ بنا لے گی اِسے ہرگز ہلکے میں نہ لیں چنانچہ کسی نے کہا ہے "الکلام الحسن مصاید القلوب و الخط الحسن نُزھة العیون" کہ **"خوش کلامی"** دلوں کو شکار کرنے والی اور **"اچھی تحریر"** آنکھوں کے لیے فرحت ہے۔

## "تحریر" کی اہمیت

دانش مندوں نے کہا ہے: قلم ذکاوت کا چلمن ہے۔ "تحریر": عقل کا بندھن ہے حافظ شیرازی نے کہا ہے تحریر ہاتھ کی زبان، دل کا ایلچی، اسرار و رموز کا مخزن، خبروں کا مرکز اور آثارِ قدیمہ کا محافظ ہوتا ہے۔

مجمع البحرین میں ایک حدیث ہے، جس کا مفہوم یہ ہے: **"حفظ و کتابت"** اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اُن نعمتوں میں سے ہے، جس کے ذریعہ انسان ماضی کو حال سے اور حال کو مستقبل سے مربوط کر دیتا ہے۔

ایک بزرگ نے کہا ہے کہ دین و دنیا کے کام دو چیزوں سے طے کیے جاتے ہیں **"تلوار"** اور **"تحریر"** سے لیکن تلوار کا درجہ تحریر سے نیچا ہے۔ غرض کہ تحریر کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔

## فضیلتِ خوشنویسی

اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "الخط الحسن یزید الحق وضحاً" کہ **خوبصورت تحریر** حق کو روشن کرتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا "علیکم بحُسنِ الخط فاِنّهٗ من مفاتیح الرزق" کہ لکھائی میں حسن پیدا کرو کیوں کہ یہ رزق کی کنجیوں میں سے ایک ہے۔ ایک عربی کا مقولہ ہے "الخط الحسن للفقیر مال و للحکیم کمال" کہ خوبصورت تحریر، فقیر کے لیے مال ہے اور حکیم کے لیے کمال اور خوبی ہے۔ اس لیے اس کا خیال رکھنا فوائد سے خالی نہیں۔

## کیا کمپیوٹر کے زمانے میں تحریر کی اہمیت ہے؟

تحریر کی اہمیت اور خوش خطی کی مقبولیت نہ کبھی کم تھی نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ ہاں! کمپیوٹر نے کچھ آسانیاں اس حوالے سے ضرور پیدا کر دی ہیں

## گمراہ کن قول

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ کمپیوٹر کا عہد ہے۔ جب چاہو Type کرالو، پیسے ہی تو خرچ ہوتے ہیں لیکن شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ تحریر کی جو رونق اور دلکشی ہے، کمپیوٹر اس سے عاری ہے لہٰذا ہمیں تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھی تحریر کے لیے مشق بھی کرنی چاہیے۔

## تیسرا قدم

جو بھی پڑھیں، فرصت کے اوقات میں اسے لکھنے کا مشق کریں کیوں کہ کیسا بھی امتحان ہو، وہاں وقت کی کمی محسوس ہوگی لہٰذا اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ خوب لکھیں اور متعینہ وقت کے اندر لکھنے کی مشق کرتے رہیں یہ عمل امتحان ہال میں فائدہ پہنچائے گا۔

## چوتھا قدم

ایم۔اے یا ذاتی مطالعہ کے دوران، آپ کو کوئی بھی ایسی بات معلوم ہوئی جو آپ نہ جانتے تھے اور وہ اہم معلوم ہو تو اسے لکھ لینا چاہیے۔ مثال کے طور پر ''ابوالکلام آزاد مکّہ میں پیدا ہوئے۔'' یہ کہیں آپ نے پڑھا جو پہلے سے آپ کو معلوم نہ تھا۔ لہٰذا اسے لکھ لیں۔ اگر آپ نے اسی طرح مطالعہ اور لکھنے کا عمل جاری رکھا تو امتحان دینے میں آپ کو کوئی دشواری نہ ہوگی اس کے واسطے ایک ڈائری کا استعمال سودمند ثابت ہوگا۔

## Elective Paper کے انتخاب کا معیار کیا ہو؟

(1) پیپر کا چھوٹا ہونا (2) آپ کا اس پیپر سے لگاؤ (3) اس پیپر پر Command

(4)اس پیپر کے حوالے سے تشفی بخش تیاری

## نایاب نکتہ

میری ذاتی رائے کے مطابق: طالب علم اس پیپر کا انتخاب کرے جو چھوٹا ہو، آسانی سے اس پر پکڑ بنائی جا سکے اور نمبرات کے حوالے سے بھی زیادہ Scoring والا ہو

اس حوالے سے ''دکنیات'' اور ''سر سید'' زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے ویسے یہ بات اپنی اپنی انفرادی چاہت اور Interest سے تعلق رکھتی ہے۔

## امتحان سے چند ماہ قبل

امتحان سے چند ماہ پہلے خود کا جائزہ لیں اور خود سے پوچھیں کہ اب آپ کہاں تک پہنچے؟ اور اب آپ کی جانکاری کا معیار کیا ہے؟ اسی کو خود احتسابی کہتے ہیں۔ یہ عمل بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ چند ماہ پہلے اُس صنف یا اُس حصے کو مضبوط کریں جو آپ کا کمزور ہے۔ مثال کے طور پر ''غزل'' اور اس کے ارتقاء کے بارے میں ہمیں خوب اچھی طرح معلوم ہے، لیکن ڈراما کا ارتقائی سفر تو کیا، ڈراما کے متعلق کچھ خاص جانکاری نہیں ہے تو اس حصے کو مضبوط کریں۔

## Net کا فارم بھرنے کے بعد کیا کریں؟

آپ کوئی ایسی کتاب جو Net کی تیاری کے حوالے سے لکھی گئی ہو، اسے لے لیں اور ایک کاپی ساتھ رکھیں۔ جس شخصیت یا صنف کو پڑھ رہے ہوں اس کے درمیان میں آنے والے تمام Objectives کو ترتیب کے ساتھ لکھ لیں جب آپ پڑھ کر اٹھنے لگیں تو اٹھنے سے پہلے ان تمام Objectives کو ایک نظر دیکھ لیں پھر اس کاپی کے ورق کو پھاڑ کر سونے کی جگہ چسپاں کر دیں اور دوسرے دن صبح کے وقت، اسے ذہن نشیں کر لیں پھر دوسرے دن بھی یہ عمل جاری رکھیں۔ امتحان آتے آتے آپ کو ہزاروں Objectives یاد ہو جائیں گے اور

امتحان آپ کے لیے چٹکی کا کھیل ہو جائے گا۔ راقم الحروف کا بھی یہی طریقہ رہا ہے

## Net کے امتحان سے ایک ہفتہ پہلے کا عمل

اردو کے ہر صنف پر خاص توجہ دیں اور جو جس صنف کا نمائندہ ہو، صرف اسے ہی اچھی طرح دیکھیں۔ مثال کے طور پر ''قصیدہ'' ہم دیکھ رہے ہیں تو ہمیں سودا کی قصیدہ نگاری پر توجہ دینی چاہیے۔ مثنوی دیکھ رہے ہیں تو میر حسن اور سحر البیان کو نہ بھولیں، ڈراما دیکھ رہے ہیں تو انارکلی کو فراموش نہ کریں۔ ناول یا افسانہ دیکھ رہے ہیں تو پریم چند، منٹو، قرۃ العین حیدر، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر اور ان کی چند اہم تخلیقات پر نظر رہنی ہی چاہیے۔ مرثیہ پڑھتے وقت میر انیس کو فراموش نہ کریں۔

## Net امتحان سے ایک دن پہلے کیا کریں

24 گھنٹہ پہلے Objective کو پڑھنا پوری طرح بند کر دیں اور آپ نے جو بھی Objectives یاد کیا ہے اسے نظر ثانی کر لیں۔ الگ سے اب نیا کوئی Objective یاد نہ کریں۔ ورنہ نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اس طور پر کہ اللہ نے دماغ کو ایک محدود تعداد تک کسی بھی چیز کو رکھنے کی Capacity دی ہے۔ اگر اس سے زیادہ ہو گا یا آپ دینا چاہیں گے تو اسے کمپیوٹر کی طرح باہر کر دے گا اور آپ کو یاد کیے ہوئے Objectives کے Recall میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

## Net امتحان کے دن کیا کریں

جیسے ہی آپ کو 'GS' کا پرچہ ملے، ادھر ادھر دیکھے بغیر پورے سوالات پر ایک سرسری نظر ڈالیں پھر اُس کے بعد اُن تمام سوالات کو حل کریں جس کا جواب آپ بہ آسانی دے سکتے ہوں۔ جن سوالات کو آپ نے حل کر لیا ہے اُس کے بغل میں Pen یا Pencil سے ہلکا سا

کے بعد اُن سوالوں کوحل کریں جس کا جواب آپ 75% جانتے ہوں پھر اس کے بعد ان سوالوں کوحل کریں جس کا جواب آپ کو 50% معلوم ہے۔

یاد رہے کہ آپ ایسے سوال میں نہ الجھ جائیں، کہ نہ تو وہ سوال ہی حل ہو اور نہ دوسرے سوال کوحل کرنے کا وقت ہی مل سکے کیوں کہ کچھ سوالات طلبہ کو الجھانے اور اُن کے قیمتی وقت کوضائع کرنے کے لیے ہی دیئے جاتے ہیں اس لیے یہ شعر ہمیشہ ذہن نشیں رکھیں

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے گہر سے ، نہ صدف سے

'GS' کے وہ سوالات جو آپ سے بہ خوبی حل ہو گئے ہوں اُس کے بعد وقت دیکھیں اگر G.S کے لیے کچھ وقت باقی ہے تو پھر چند سوالات According to heart حل کریں اگر غلط بھی ہوگا تو چنداں فکر کی ضرورت نہیں چوں کہ اب Negative Marking نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہ لیں کہ جیسے بھی چاہیں Solve کریں، کوئی فرق نہیں پڑتا اس وقت تو فرق کچھ بھی نہیں پڑنے والا۔لیکن بعد میں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے

ع لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

## Objective حل کرتے وقت کیا کریں

Objective حل کرتے وقت ہرگز جلد بازی نہ کریں۔اس پیپر میں اکثر طلبہ وطالبات جلد بازی کرتے ہیں کیوں کہ وہ کچھ زیادہ ہی خوش فہمی کے شکار ہوتے ہیں اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ میرے ایک شناسا نے دورانِ امتحان ایک ہلکے سوال کو ہلکے میں لے کر خود کو ہلکا کر دیا مطلب یہ کہ اسے غلط کر دیا وہ سوال یہ تھا کہ ''اردو کی کون سی طبع زاد داستان ہے؟ چار options تھے جن میں ''فسانۂ عجائب'' اور ''سب رس'' بھی تھا۔اُس نے اِس سوال کا جواب ''سب رس'' Tick کر دیا جب کہ صحیح جواب ''فسانۂ عجائب'' ہے۔ ویسے یہ نکتہ یاد رکھیے کہ جو

زیادہ اچھلتا ہے یا اوپر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے، اسے چوٹ بھی اتنی ہی شدید لگتی ہے۔ اس لیے سوالات حل کرتے وقت مزاج کو بھی Cool رکھیں اور قلم کو بھی۔ جہاں یہ لگے کہ ذہن میں صحیح جواب نہیں آرہا ہے تو سب سے بڑے اور صحیح مفتی یعنی دل کا حکم مان کر سوالات حل کریں اور زیادہ سے زیادہ حل کریں یہی Objective پیپر آپ کو Net کے عام گلشن سے نکال کر JRF کے حسین اور خوش نما وادی میں پہنچا سکتا ہے اسی لیے اسے ہلکے میں نہ لیں۔

## Subjective حل کرتے وقت کیا کریں

آپ سب سے پہلے "Section"B کو حل کریں کیوں کہ یہی Section آپ کو Select کرانے میں زیادہ مددگار ہوگا پھر "Section"A کے دونوں سوالات کو آدھا آدھا لکھ کر چھوڑ دیں پھر "Section"C جو Elective پیپر ہے اس کو حل کریں پھر اس کے بعد "Section"D کے اُن سوالات کو حل کریں جس کا جواب آپ جانتے ہوں۔ جو نہ جانتے ہوں، اُس کو اُس وقت چھوڑ دیں پھر بقیہ جوابات "Section"A کا لکھ لیں۔ اب "Section"D کے ان سوالات پر غور کریں جو آپ نے اب تک نہیں لکھے تھے۔ یاد آئے یا نہ آئے، اُس کا مثبت انداز میں کچھ جواب لکھ دیں کیوں کہ یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ "نہ ہونے سے کچھ ہو جانا بہتر ہے۔"

## Subjective حل کرتے وقت یہ ہرگز نہ بھولیں

☆ جواب صاف صاف، خوش خط انداز میں لکھیں، املے اور جملے کا خاص خیال رکھیں

☆ املا میں غلطی سے بچنے کے لیے ہلکا پھلکا لفظ استعمال کریں

☆ جملے کی غلطی سے بچنے کا آسان اور واحد علاج یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملے لکھیں۔ غلطی سے بچ جائیں گے

☆ جتنا Space......Booklet میں دیا رہتا ہے، پورے کو بھرنے کی کوشش نہ کریں

☆ صرف Elective کو رَچ رَچ کر لکھنے میں نہ رہ جائیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں وقت کی کمی کی شکایت کرنی پڑے

☆ Subjective حل کرتے وقت ایک ایسی گھڑی سامنے رکھیں جس پر کبھی کبھی آپ کی نظر بھی پڑے

☆ اگر آپ کی تحریر صاف نہ ہو تو کچھ زیادہ Gap رکھیں

☆ تحریر میں ادبی شان کا لحاظ رکھیں اور ادبی انداز استعمال کریں

☆ سوال کا کیا Demand ہے؟ وہی لکھیں

☆ سوالات اس طرح سے پوچھے جاتے ہیں کہ

فلاں کے فکروفن سے واقفیت ظاہر کریں؟

فلاں کے ادبی خدمات کا جائزہ لیں؟

فلاں کا ادبی مقام متعین کریں؟

فلاں کی شاعرانہ عظمت بیان کریں؟

جواب لکھتے وقت سوال کے Nature کو نہ بھولیں یہ ٹھیک اسی طرح ہے جیسے ایک ڈاکٹر نے ایک مریض کی صحیح تشخیص کر دی اگر آپ نے بھی سوال کے Nature کی صحیح تشخیص کر لی تو تصور سے زیادہ نمبرات آئیں گے اس کی کئی زندہ مثالیں میری نظروں کے سامنے ہے۔ اس لیے ہمیں بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

لفاظی نہ کریں مثال کے طور پر یہ لکھیں ''غالب کا مقام میرے نزدیک اتنا ہی ہے جتنا رُوح کا مقام کسی جسم میں ہوتا ہے'' وغیرہ وغیرہ

آپ Star مار کر بھی اپنا جواب ایک ایک لائن میں لکھ سکتے ہیں بشرطیکہ آپ کے پاس اُس سے متعلق اچھا خاصا مواد ہو۔

جواب دیتے وقت کسی بھی شخصیت کی تعریف میں حد سے زیادہ گزرنے کی کوشش نہ کریں اور تنقیص سے بھی اپنا دامن بچائے رکھیں۔

''تنقیدی جائزہ'' کسی بھی فن پارہ شخصیت کا لیتے وقت پہلے محاسن بیان کریں اور خلاصہ (ماحصل) پیش کرنے سے پہلے دو چار جملے میں اس کی کمی اور خامی لکھنا ہرگز نہ بھولیں۔ ہر سوال کے آغاز میں یہ نہ لکھیں کہ ''فلاں کی شخصیت محتاج تعارف نہیں'' ہوسکتا ہے کہ وہ محتاجِ تعارف ہو۔ دوسرے یہ کہ ممتحن سمجھ جائے گا کہ آپ کا دامن تنگ ہے۔

سوال کے آخر میں کہیں کہیں جہاں محسوس ہو، اپنا مثبت نظریہ پیش کرنا نہ بھولیں جیسے ''غالب کی شاعرانہ عظمت'' پر سوال آئے تو آخر میں لکھ سکتے ہیں کہ میرے فہم وادراک کے مطابق شاعری میں غالب کا کوئی ثانی نہیں وغیرہ وغیرہ

جوابات لکھنے کے بعد نظر ثانی کرلیں کیوں کہ املے اور جملے کی غلطی ممکن ہے۔

ہمیشہ یادرکھیں کہ محنت+قسمت: کامیابی کا صحیح ترین فارمولہ ہے۔ اسے کبھی نہ بھولیں

## EMERGENCY CASE

اگر آپ نے کسی اور شخصیت کے متعلق پڑھا ہے اور وہ نہ آکر کسی دوسری شخصیت کے متعلق سوال پوچھا گیا ہے تو ایسی صورت میں اُن تمام باتوں کو لکھیں جو ایک شاعر یا ادیب کے حوالے سے ممکن ہوسکتی ہے مثال کے طور پر آپ نے ''منٹو کی افسانہ نگاری'' پڑھا ہے اور سوال ''عصمت چغتائی'' کے حوالے سے آیا ہے تو یہاں پر اُن Facts کو جو دونوں میں Common ہیں لکھ ڈالیں لیکن ایسا ہرگز نہ کریں کہ سوال ''ناول'' کے متعلق ہے اور جواب آپ ''افسانے'' کے حوالے سے دے رہے ہوں مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک مرتبہ سوال آیا کہ ''فسانۂ آزاد'' کیا ہے اور اس کے حوالے سے اپنی معلومات ظاہر کیجئے؟ ایک معصوم طالب علم کو جواب معلوم نہ تھا اس نے یوں لکھا ''فسانۂ آزاد'' ایک بہترین افسانہ ہے اور یوں ہی اندھیرے میں تیر پھینکتا رہا۔ لہٰذا پہلے ہمیں اس صنف کے متعلق جانکاری ہونی چاہیے پھر اُن تمام باتوں کو لکھنا چاہیے جو عام ہو ورنہ امتحان کے بعد اس کا خمیازہ بھگتنا پڑسکتا ہے۔

''ہمیشہ آپ کے ساتھ...... میری نیک خواہشات''

# عموماً کہاں سے کتنے سوالات آتے ہیں

## خاکہ دیکھیں!

TOTAL QUESTIONS:50 50×2=100 Marks

(1) دکن=5/سوالات

(2) دہلی=6/سوالات

(3) لکھنؤ=5/سوالات

(4) بہار=3/سوالات

(5) سرسید اور ان کے رفقاء (حالی، محمد حسین آزاد، نذیر احمد)=6/سوالات

(6) اقبال، فیض، جوش، مخدوم، مجاز، خلیل الرحمٰن اعظمی=5/سوالات

(7) پریم چند، منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، قرۃ العین حیدر، حیات اللہ انصاری
=5/سوالات

(8) سید احتشام حسین، آل احمد سرور، کلیم الدین احمد، شمس الرحمٰن فاروقی=3/سوالات

(9) ڈراما=1/سوال

(10) لسانیات=3/سوالات

(11) عروض و بلاغت=4/سوالات

(12) اشعار=2/سوالات

(13) رشید احمد صدیقی=1/سوال

(14) پطرس بخاری=1/سوال

rekhta

# پوچھے گئے سوالات کا تجزیہ

## 2008 تک کے سوالات کی روشنی میں

پچھلے 18 رسالوں میں UGC-NET میں جو بھی سوالات آئے ہیں۔ اس کا بہ نظر غائر مطالعہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے؛

دکن اسکول یعنی دبستانِ دکن کے حوالے سے یہ سوال بار ہا آیا ہے کہ اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر کون ہے؟ (Dec-2006) یا کبھی یہ سوال آتا ہے کہ سب سے زیادہ تخلص دکن کے کس شاعر نے استعمال کیا؟ یا کبھی یہ سوال آتا ہے کہ دکنی شعراء میں وطنی شاعری، کس کے یہاں زیادہ ہے؟ یا کبھی یہ سوال آتا ہے کہ اُس شاعر کا نام بتائیں؟ جس کے یہاں دکن میں موضوعات کی کثرت ہے۔ یا یہ سوال آئے کہ دکن کا کون بادشاہ جو قادر الکلام شاعر تھا؟ یا یہ سوال آئے کہ وہ دکنی بادشاہ جو صرف اشعار کے حوالے سے بات کرتا تھا، وہ کون ہے؟ ان تمام سوالات کا صرف ایک ہی جواب ہے: (محمد قلی قطب شاہ)

قلی قطب شاہ کا درباری شاعر ملا وجہی کے متعلق یہ سوال آتا ہے کہ ''قطب مشتری'' کس کی تصنیف ہے؟ (N-2006) اسی طرح یہ سوال آتا ہے کہ ''سب رس'' کس نے لکھا؟ اور ان دونوں کا سنہ تصنیف کیا ہے؟ کبھی یہ سوال آتا ہے کہ ''قطب مشتری''، کیسی مثنوی ہے؟ کبھی سوال آتا ہے کہ ''قطب مشتری'' میں کس کے عشقیہ قصے کو بیان کیا گیا ہے؟ ''سب رس'' کے حوالے سے یہ سوال بار بار آیا ہے کہ ادبی نثر کا پہلا نمونہ کون ہے؟ یا کبھی یہ سوال آتا ہے کہ کون تمثیلی داستان ہے؟ یا کبھی یہ سوال آتا ہے کہ ''سب رس'' کس کی

تصنیف ہے؟

دکن کے دوسرے شاعر نُصرتی کے تعلق سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ نُصرتی کس بادشاہ کا درباری شاعر تھا؟ کبھی یہ آتا ہے کہ نُصرتی کی مثنوی کا نام کیا ہے؟ کبھی اس طرح پوچھا جاتا ہے کہ ''گلشن عشق'' کس کی مثنوی ہے؟ کبھی سوال یہ آتا ہے کہ ''گلشنِ عشق'' کا موضوع کیا ہے؟ کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ اس مثنوی میں کس کے داستان عشق کو بیان کیا گیا ہے؟ یا کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ دکن کا وہ پہلا شاعر جسے حاسدوں نے حسد کی وجہ کر قتل کردیا؟ (Dec-2008) کبھی یہ سوال آتا ہے کہ نُصرتی کی مثنوی ''علی نامہ'' کیسی مثنوی ہے؟ کبھی یہ سوال آتا ہے کہ نُصرتی نے ان دونوں مثنویوں کو کب لکھا؟

دکن کا ایک مشہور شاعر غواصی ہے، اس کے متعلق دوتین طرح کے سوالات آتے ہیں۔ پہلا سوال یہ آتا ہے کہ غواصی کی مثنوی کا کیا نام ہے؟ دوسرے یہ کہ یہ مثنوی کس سنہ میں لکھی گئی؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ یہ کیسی مثنوی ہے؟ اوراس میں کس کے عشق کو بیان کیا گیا ہے؟ یہ سوال بھی آتا ہے کہ غواصی، کس کا درباری شاعر تھا؟ یہ بھی آسکتا ہے کہ غواصی نے ''سیف الملوک وبدیع الجمال'' میں کس کے عشق کے قصے کو بیان کیا ہے؟

'ابن نشاطی' کے حوالے سے یہ سوال آتا ہے کہ ابن نشاطی نے کون سی مثنوی لکھی؟ کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''پھول بن'' کس سنہ میں تصنیف ہوئی؟ غرض کہ ابن نشاطی سے متعلق سوالات نُصرتی، وجہی اور قلی قطب شاہ کے مقابلے کم پوچھے جاتے ہیں۔

یادرہے کہ دکن کے حوالے سے زیادہ تر سوالات قلی قطب شاہ، نُصرتی، غواصی اور ابن نشاطی سے نہیں بلکہ ملاوجہی کے تعلق سے پوچھے جاتے ہیں۔

سراج اورنگ آبادی کی مثنوی کے متعلق سوال آتا ہے کہ ان کی مثنوی کا کیا نام ہے؟ یا ایسا دکنی شاعر جس نے کم عمری ہی میں شعرگوئی سے مکمل اجتناب کرلیا؟ ولی کے متعلق ہر سال کوئی نہ کوئی سوال ضرور آتا ہے کہ دکن کے کس شاعر کے دیوان نے دلّی میں دھوم مچائی؟ (Dec-2006) اسی طرح یہ سوال بھی آتا ہے کہ محمد حسین آزاد نے کسے اردو شاعری کا بابا آدم

کہا ہے؟(Dec-2006) کبھی ولی کے حوالے سے یہ سوال بھی آتا ہے کہ کس شاعر کے وطن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے؟ کبھی یہ سوال بھی آتا ہے کہ ولی کا دیوان دلی کب آیا؟ یا ولی خود دلی کب آئے؟

فورٹ ولیم کالج کے تعلق سے 4/5 سوالات آتے ہیں مثال کے طور پر فورٹ ولیم کالج کب قائم ہوا؟ یہاں کے ہندستانی شعبے کے صدر کا نام کیا تھا؟ یا کبھی یہ آتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کی سب سے مشہور کتاب کا کیا نام ہے؟ یا یہ آتا ہے کہ میر امن کی ''باغ و بہار'' کا اسلوب کیسا ہے؟ یا یہ آتا ہے کہ ''باغ و بہار'' کب شائع ہوئی؟ یا یہ آتا ہے کہ ''باغ و بہار'' کس کی تصنیف ہے؟(Dec:2004-2006) کبھی کبھی یہ سوال آتا ہے کہ حیدر بخش حیدری کون تھے؟ یا انہوں نے کس مشہور کتاب کا ترجمہ کیا؟ یا یہ سوال آتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کہاں ہے؟ یا کہاں قائم کیا گیا حاصل یہ کہ اسے ضرور دیکھنا چاہیے۔

ماسٹر رام چندر کا تعلق کس ادارے سے تھا؟ یا یہ کہ دلی کالج کب قائم ہوا؟ یا ابھی اُسی جگہ کون سا کالج ہے؟ غرض کہ ایک دو سوال یہاں سے بھی اکثر آتا ہے۔

دبستانِ دہلی کے ابتدائی شعراء کا تخلص پیش کر کے، ان کے ناموں کے حوالے سے سوال کیا جاتا ہے جیسے فائز کا پورا نام کیا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح دوسرے ابتدائی شعرائے دہلی کو ضرور دیکھیں۔

میرؔ کے حوالے سے کئی طرح کے سوالات آتے ہیں، ہر سال کسی نہ کسی طرح یہ سوال آتا ہے کہ 'خدائے سخن' کسے کہتے ہیں؟(Dec-2006) یا یہ سوال آتا ہے کہ تذکرہ ''نکات الشعراء'' کا مصنف کون ہے؟ (June-2006) کبھی یوں پوچھا جاتا ہے کہ اردو شاعری کی پہلی تاریخ کس نے لکھی؟ یا یہ کہ کس شاعر کا کلام اس کے عہد کا مرثیہ ہے؟(Dec-2004) یا یہ پوچھا جاتا ہے کہ مثنوی ''دریائے عشق'' کے مصنف کا نام کیا ہے؟(Dec-2007)۔ سودا کے متعلق [illegible]

کس نے پہنچادیا؟

خواجہ میر درد کے بارے میں اکثر ایک ہی سوال آیا کرتا ہے کہ اردو کا سب سے بڑا صوفی شاعر کون ہے؟

ذوق، غالب، مومن میں سے ذوق کے متعلق دو تین طرح کے سوالات بنتے ہیں پہلا یہ کہ ذوق، کس بادشاہ کے استاد تھے؟ یا یہ کہ خاقانیٔ ہند کسے کہا جاتا ہے؟ یا یہ کہ غالب اور مومن کا ہم عصر قصیدہ گوشاعر کون ہے؟

غالب کے متعلق کبھی یہ سوال آتا ہے کہ غالب کس شہر میں پیدا ہوئے؟ (Dec-2004) یا یہ کہ ''عود ہندی'' کے مصنف کا نام بتائیں؟ (Dec-2004) یا یہ کہ مرزا غالب نے کلکتہ کا سفر کس مقصد سے کیا؟ (Dec-2004) یا یہ کہ ''عود ہندی کا تعلق کس صنف سے ہے؟ (Dec-2004) کبھی کبھی یہ سوال آتا ہے کہ مرزا نوشہ کس شاعر کا لقب ہے؟ کبھی یہ سوال آتا ہے کہ ''امراؤ بیگم'' کس کی رفیقۂ حیات کا نام ہے؟ کبھی یہ سوال آتا ہے کہ غالب کے خطوط کے پہلے مجموعے کا کیا نام ہے؟ (June-2005) کبھی یہ سوال آتا ہے کہ غالب کا ابتدائی تخلص کیا تھا؟ (June-2006) کبھی یہ سوال آتا ہے کہ غالب کی نثری خدمات، کس صنفِ ادب سے تعلق رکھتی ہیں؟ (June-2006) کبھی یہ سوال آتا ہے کہ غالب کا کس سنہ میں انتقال ہوا؟ (Dec-2006) کبھی یہ سوال آتا ہے کہ ''دستنبو'' کیا ہے؟ یا یہ کہ ''دستنبو'' کس زبان میں لکھی گئی ہے؟ (Dec-2007) کبھی یہ آتا ہے کہ 'نصراللہ بیگ' غالب کے کون تھے؟ (June-2008) غرض کہ غالب کے متعلق 2/3 سوالات کا آنا تقریباً طے ہے۔

مومن کے بارے میں دو ہی طرح کے سوالات اکثر آتے ہیں، پہلا یہ کہ مکرِ شاعرانہ کے لیے کون مشہور ہے؟ (June-2005) یا یہ کہ مکرِ شاعرانہ، سب سے زیادہ کس شاعر کے یہاں ہے؟ (June-2008) یا یہ آسکتا ہے کہ مومن کی مثنوی کا نام کیا ہے؟

نظیر اکبرآبادی کے حوالے سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اردو کا عوامی شاعر کون ہے؟ یا کوئی نظم دے دی جاتی ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ یہ کس کی نظم ہے؟ کبھی کبھی نظیر کا پورا نام

پوچھا جاتا ہے اور کبھی کبھی ان کی پیدائش کہاں ہوئی ہے؟ یہ بھی سوال آتا ہے۔ یا یہ بھی آتا ہے کہ جمہوری شاعر کون ہے؟ ایک سوال تو آنا تقریباً طے ہے۔

دبستانِ لکھنؤ میں سے آتش کے متعلق کبھی ان کے نام کے حوالے سے سوال ہوتا ہے کہ ان کا پورا نام کیا ہے؟ کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ آتش لکھنوی کے استاد کا نام کیا ہے؟ کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ لکھنؤ اسکول کا نمائندہ شاعر کون ہے؟ ناسخ کے حوالے سے صرف یہی سوال آتا ہے کہ لکھنؤ اسکول میں اصلاحِ زبان کے حوالے سے کسے جانا جاتا ہے؟

''فسانۂ عجائب'' کے متعلق کم وبیش 1/2 سوال ہر سال رہتا ہی ہے کبھی یہ سوال آتا ہے کہ ''فسانۂ عجائب'' کس تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے؟ کبھی یہ سوال آتا ہے کہ مقفی و مسجع عبارت کے لیے کون سی داستان مشہور ہے؟ یا یہ آتا ہے کہ ''فسانۂ عجائب'' کس کی تصنیف ہے؟ یا یہ سوال آتا ہے کہ طبع زاد داستاں کون ہے؟ (Dec-2000) اسی طرح یہ یاد رہے کہ تمثیلی داستان کے حوالے سے ''سب رس'' کے متعلق سوال آتا ہے۔

سرسید کے تعلق سے کبھی یہ سوال آتا ہے کہ خطباتِ احمدیہ کس کی تصنیف ہے؟ (June-2008) کبھی یہ آتا ہے کہ خطبات احمدیہ کا موضوع کیا ہے؟ (Dec-2004) کبھی یہ آتا ہے کہ ''تہذیب الاخلاق'' کی اشاعت کی ابتداء کس شہر میں ہوئی؟ کبھی یہ آتا ہے کہ ''اسباب بغاوتِ ہند'' کا موضوع کیا ہے؟ (Dec-2004) کبھی یہ آتا ہے کہ سائنٹفک سوسائٹی، کس نے قائم کی؟ (June-2006) کبھی یہ آتا ہے کہ ''تہذیب الاخلاق'' کا اجراء کس مقصد سے ہوا؟ (June-2006) یا کبھی یہ سوال آتا ہے کہ سرسید نے کون سا رسالہ جاری کیا؟ (Dec-2006) کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''حیاتِ جاوید'' کس کی سوانح عمری ہے؟ کبھی یہ بھی پوچھ لیا جاتا ہے کہ ''تہذیب الاخلاق'' کا اجراء کس سنہ میں عمل میں آیا؟ (Dec-2008)

حالی کے متعلق اس امتحان میں تقریباً کم وبیش 4/5 سوالات آتے ہیں کیوں کہ حالی Multi-Dimentional تھے۔

حالی کے متعلق 1995 سے پہلے پوچھا جاتا تھا کہ ''مسدسِ حالی'' کس کی فرمائش پر لکھی

گئی؟اور اب یہ پوچھا جاتا ہے کہ غالب کا پہلا سوانح نگار کون ہے؟(Dec-2006)یا یہ کہ غالب کی موت پر مرثیہ کس نے لکھا؟ (Dec-2006) کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''مدّ وجزر اسلام'' کس کی نظم ہے؟(Dec-2004) کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''یادگارِ غالب'' کے مصنف کون ہیں؟(June-2005) کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ حالؔی کے نزدیک سب سے مقبول صنف کون ہے؟ (June-2006) کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''مقدمہ شعر وشاعری'' کے مصنف کا نام کیا ہے؟اور کچھ سالوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''مقدمہ شعر وشاعری'' میں کتنے اصناف سے بحث کیا گیا ہے؟غرض کہ ہر سال حالؔی کے حوالے سے کئی سوالات آتے ہیں۔ کبھی یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ ''مجالس النساء'' ناول کا مصنف کون ہے؟(June-2006)

محمد حسین آزاد کے حوالے سے دو تین سوالات ہی پوچھے جاتے ہیں۔کبھی پوچھا جاتا ہے کہ ''نیرنگِ خیال'' یا ''سخن دانِ فارس'' کس کی تصنیف ہے؟کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''اردو: برج بھاشا سے نکلی'' یہ کس کا نظریہ (view) ہے؟(June-2006) کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''آبِ حیات'' کو کتنے ادوار میں بانٹا گیا ہے؟(June-2006)

ڈپٹی نذیر احمد کے تعلق سے کبھی یہ سوال آتا ہے کہ مرزا ظاہر بیگ کا کردار، کس ناول میں ملتا ہے؟کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ سب سے پہلے تعلیم نسواں کو اپنے ناول کا موضوع کس نے بنایا؟(June-2006)یا یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''حجۃ الاسلام'' کس ناول کا کردار ہے؟(Dec-2004) کبھی یہ آتا ہے کہ نذیر احمد کا خاکہ کس نے لکھا؟(Dec-2004)

**نکتہ:-** ان کے مشہور ناولوں اوراس کے کرداروں کوذہن میں ضرور رکھنا چاہیے۔

علامہ شبلی نعمانی کے متعلق یہ سوال کبھی آتا ہے کہ سب سے پہلے تقابلی ادب کی بنیاد کس نے رکھی؟کبھی یہ آتا ہے کہ ''موازنۂ انیس ودبیر'' کس کی تصنیف ہے؟کبھی یہ سوال آتا ہے کہ ''سیرۃ النبیؐ'' کس کی تصنیف ہے؟اور یہ سوال اکثر آتا ہے کہ ''شعر العجم'' کس کی یادگار ہے؟اسی طرح یہ سوال بھی بار بار پڑھنے کو ملتا ہے کہ دارالمصنفین کا بانی کون ہے؟کبھی یہ سوال بھی آتا ہے کہ ''سیرۃ النبیؐ'' کی تکمیل کس شاگرد نے کی؟

علامہ اقبال کے متعلق یہ سوال آتا ہے کہ اقبال کی نظم ''مکالمۂ جبریل وابلیس'' کس مجموعے میں شامل ہے؟(June-2005) کبھی یہ آتا ہے کہ اقبال سان سے نوازنے والے شہر کا نام کیا ہے؟(June-2005) کبھی یہ آتا ہے کہ اقبال نے خودی کی تعریف کیا کی ہے؟ (June-2006) یا کبھی یہ آتا ہے کہ اقبال کے وہ استاد کون ہیں جن کو اقبال کی وجہ سے شمس العلماء کا خطاب ملا؟(Dec-2008) یا کبھی ان کے شعری مجموعے کا نام یا اس کی اشاعت کے حوالے سے سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ کبھی یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ اقبال یوروپ سے کب واپس آئے؟

فراق گورکھپوری کے سلسلے میں سوال آتا ہے کہ اردو ادب میں پہلا گیان پیٹھ ایوارڈ کسے ملا؟ یا یہ کہ ''روپ'' کس کی رباعیوں کا مجموعہ ہے؟(June-2005) یا انہیں کس شعری مجموعے پر گیان پیٹھ ایوارڈ دیا گیا؟

انشاءاللہ خاں انشاء کے متعلق صرف دو طرح کے سوالات آتے ہیں ایک یہ کہ ''رانی کیتکی کی کہانی'' کا اہم وصف کیا ہے؟ یا یہ کہ ''دریائے لطافت'' کا موضوع کیا ہے؟ (Dec-2004) یا یہ کہ ''دریائے لطافت'' کس کی تصنیف ہے؟ یا یہ کہ اردو کے پہلے قواعد کا نام کیا ہے؟

فانی بدایونی کے متعلق کوئی نہ کوئی ایک سوال ضرور رہتا ہے کہ ان کا اصل نام کیا تھا؟ جیسا کہ Dec-2008 میں پوچھا گیا کہ شوکت علی خاں کس شاعر کا اصل نام ہے؟

دبستانِ بہار سے شاؔد عظیم آبادی، کلیم الدین احمد اور یگاؔنہ چنگیزی کے متعلق بھی سوالات آتے ہیں۔ شاؔد عظیم آبادی کے متعلق یہ سوال آتا ہے کہ ان کا پورا نام کیا ہے؟(June-2008) کلیم الدین احمد کے متعلق سوالات ان کی تصانیف کے حوالے سے رہتا ہے۔ یگاؔنہ چنگیزی کے متعلق صرف یہی پوچھا جاتا ہے کہ غالب شکن کون کہلاتے ہیں؟(June-2006)

مثنوی کے حوالے سے سحرالبیان، گلزارِ نسیم، زہرِ عشق کے متعلق کوئی نہ کوئی سوال ضرور رہتا ہے۔ مرثیہ کے حوالے سے میر انیؔس کے متعلق یہ سوال آتا ہے کہ میر انیؔس نے لکھنؤ کے

علاوہ اور کہاں کہاں مرثیہ پڑھا؟

قصیدہ کے حوالے سے یہ سوال آتا ہے کہ نعتیہ قصیدہ، کس کے یہاں ایک مستقل صنف کی حیثیت اختیار کرلی؟

جدید نظم کے حوالے سے حالؔی اور حسین آزادؔ کے متعلق کوئی نہ کوئی سوال رہتا ہی ہے اور آج Net میں سب سے زیادہ Popular سوال فیض احمد فیضؔ اور مخدومؔ محی الدین کے حوالے سے آتا ہے۔ فیض احمد فیض کے شعری مجموعے ''زنداں نامہ'' کے حوالے سے کوئی نہ کوئی سوال ہر سال رہتا ہی ہے۔ Dec-2008 میں پوچھا گیا کہ ''زنداں نامہ'' کا تعلق کس صنف سے ہے؟ اسی طرح فیض کے کسی نظم کا نام دے کر سوال پوچھا جاتا ہے جیسے یہ کہ ''شیشوں کا مسیحا'' کس کی نظم ہے؟ (June-2006) غرض کہ فیض کی نظم یا شعری مجموعے کے حوالے سے کسی نہ کسی سوال کا آنا ضروری ہے۔

مخدوم محی الدین کے تعلق سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ 'اشتراکیت کا نقیب' کسے کہا جاتا ہے؟ یا یہ کہ ''بساطِ رقص'' کس کا مجموعہ کلام ہے؟ (Dec-2004) یا یہ کہ مخدوم محی الدین کا پہلا شعری مجموعہ کون سا ہے؟ یا یہ کہ ''سرخ سویرا'' کا خالق کون ہے؟

خلیل الرحمٰن اعظمی کے حوالے سے پوچھا جاتا ہے کہ ''مضامینِ نو'' کس کی تخلیق ہے؟ یا یہ کہ ''نئی نظم کا سفر'' کس نے لکھا؟

رشید احمد صدیقی کے حوالے سے کئی طرح کے سوالات آتے ہیں کبھی یہ کہ بغیر علی گڑھ کو سمجھے ہوئے کس کی تحریر کو سمجھنا مشکل ہے؟ کبھی یہ سوال آتا ہے کہ ''گنج ہائے گراں مایہ'' کس کی تصنیف ہے؟ (Dec-2006)

ناول کی دنیا سے ہر سال ''فسانۂ آزاد'' کے تعلق سے سوال پوچھا جاتا ہے بلکہ ہر سال ایک سوال اس کے متعلق ضرور آتا ہے۔ کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ ''فسانۂ آزاد'' کے مصنف کے متعلق سوال رہتا ہے۔ سوال بار بار آتا ہے کہ ''اودھ اخبار'' میں کس ناول کی اشاعت

پریم چند کے متعلق یہ پوچھا جاتا ہے کہ دیہی زندگی کو کس افسانہ نگار نے اپنے افسانوں میں سب سے زیادہ پیش کیا ہے؟ عبدالحلیم شرر کے ناول ''فردوس بریں'' کے حوالے سے ہر سال ایک سوال ضرور رہتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ناول ''آگ کا دریا''، ''چاندنی بیگم'' ''گردشِ رنگِ چمن'' میں سے کسی نہ کسی کے حوالے سے ایک سوال ضرور آتا ہے۔ خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' پر بھی ایک سوال رہتا ہے۔ حیات اللہ انصاری کا ناول ''لہو کے پھول'' کے متعلق بھی ایک سوال ضرور رہتا ہے۔ منٹو، راجندر سنگھ بیدی اور کرشن چندر کے مشہور افسانے کے متعلق سوالات قائم کیے جاتے ہیں۔

دبستانِ تنقید میں سے احتشام حسین کے متعلق یہ پوچھا جاتا ہے کہ اشتراکیت، کس نقاد کے یہاں سب سے زیادہ ہے؟ یا یہ کہ ''ساحل اور سمندر'' کا تعلق کس صنف سے ہے؟ آل احمد سرور کے متعلق یہ پوچھا جاتا ہے کہ جمالیاتی شعور، سب سے زیادہ کس نقاد کے یہاں ہے۔ کلیم الدین احمد کے متعلق یہ سوال آتا ہے کہ عملی تنقید کے حوالے سے کس کو جانا جاتا ہے؟ شمس الرحمٰن فاروقی کی تصانیف کے حوالے سے سوالات پوچھے جاتے ہیں جیسے کبھی یہ پوچھا جاتا ہے کہ جدیدیت کے حوالے سے کس نقاد کو جانا جاتا ہے؟

ڈراما کے حوالے سے انارکلی کے متعلق کوئی نہ کوئی سوال ضرور رہتا ہے۔ ڈراما کے حوالے سے اکثر یہ پوچھا جاتا ہے کہ اردو ڈراما کا شیکسپیئر کسے کہا جاتا ہے؟

انشائیہ کے حوالے سے خواجہ حسن نظامی اور مزاحیہ تحریر کے حوالے سے پطرس بخاری کے متعلق سوالات آتے ہیں۔ خودنوشت سوانح میں سے ''خواب باقی ہیں''، ''یادوں کی بارات''، ''اس آباد خرابے میں'' کے متعلق سوالات رہتے ہیں۔

اسی طرح ہیئت کے حوالے سے بھی سوال آتا ہے کہ مسدس کیا ہے؟ مخمس کیا ہے؟ وغیر وغیرہ، کبھی کردار کے حوالے سے، کبھی عروض و بلاغت اور کبھی لسانیات کے حوالے سے بھی 2/1 سوال رہتا ہی ہے۔ اس لیے ہر ایک عنوان (Topic) ضرور دیکھنا چاہیے۔ کبھی کبھی اخبار یا خطوط کے حوالے سے ابوالکلام آزاد کے متعلق سوالات آتے ہیں۔ غرض کہ ادب کے ہر پہلو پر نظر ہونی چاہیے۔

# پچھلے چند سالوں میں آئے ہوئے سوالوں میں سے کچھ منتخب سوالات

## جو اکثر و بیشتر آتے ہیں

**Dec-2004**

1۔ شعر الہند کے مصنف کا نام کیا ہے؟

2۔ امراؤ جان ادا کس کی تصنیف ہے؟

3۔ آل احمد سرور کی تنقید کی نوعیت کیا ہے؟

4۔ حجت الاسلام کس ناول کا کردار ہے؟

5۔ غالب کس شہر میں پیدا ہوئے؟

6۔ اردو زبان کی تاریخ پر محمود شیرانی کی کتاب کا نام کیا ہے؟

7۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار سے کس شاعر کا تعلق تھا؟

**June-2005**

1۔ ''روپ'' کس شاعر کی رباعیوں کا مجموعہ ہے؟

2۔ ''چہار مقالہ'' کس کی تصنیف ہے؟

3۔ ''سب رس'' (ماہنامہ) کس شہر سے نکلتا ہے؟

4۔ ارسطو کی کتاب Poetics کا ترجمہ بوطیقا کے نام سے کس نے کیا ہے؟

5۔ یادگار حالی کے مصنف کا نام بتائیں؟

6۔ مکر شاعرانہ کے لیے کون مشہور ہے؟

7۔ ''غالب شکن'' کہلاتے ہیں؟

8۔درج ذیل کتابوں میں کون سا خطوط کا مجموعہ نہیں ہے؟

9۔دکن میں لکھی گئی مشہور مثنوی کا نام بتائیں؟

10۔مسدس کے ایک بند میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

11۔عود ہندی کے مصنف کا نام بتائیں؟

12۔اردو میں تقابلی ادب کی ابتدا کس کتاب سے ہوتی ہے؟

13۔مرزا غالب نے کلکتہ کا سفر کس مقصد سے کیا؟

14۔مدو جزر اسلام، کس کی نظم ہے؟

15۔دریائے لطافت کا موضوع کیا ہے؟

8۔''خواب باقی ہیں'' کیا ہے؟

9۔امراؤ بیگم کس کی رفیقۂ حیات کا نام ہے؟

10۔حالی کی کس کتاب کو شبلی نے ''مکمل مداحی'' کہا ہے؟

11۔غالب کے خطوط کے پہلے مجموعے کا کیا نام ہے؟

12۔حلقۂ ارباب ذوق کا قیام کس شہر میں ہوا؟

**June-2006**

1۔تذکرہ ''نکات الشعراء'' کا مصنف کون ہے؟

2۔مغربی ہندی کی کتنی بولیاں ہیں؟

3۔اردو برج بھاشا سے نکلی ہے، کس کا نظریہ ہے؟

4۔دارالمصنفین کے بانی کون تھے؟

**Dec-2006**

1۔محمد حسین آزاد نے اردو شاعری کا باوا آدم کسے کہا ہے؟

2۔اردو شاعری کی پہلی تاریخ کس نے لکھی؟

3۔اردو میں عوامی شاعری کا نمائندہ شاعر کون ہے؟

4۔فسانۂ آزاد کس تہذیب کی نمائندگی کرتا ہے؟

5۔ناول ''مجالس النساء'' کا مصنف کون ہے؟

6۔سائنٹفک سوسائٹی کس نے قائم کی تھی؟

7۔مخمس میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

8۔فسانۂ آزاد کا مصنف کون ہے؟

9۔نظیر اکبر آبادی کا اصل نام کیا ہے؟

10۔غالب کا ابتدائی تخلص کیا تھا؟

11۔کس بولی سے اردو زبان کا خاص تعلق ہے؟

12۔''گردشِ رنگ چمن'' یا ''چاندنی بیگم'' کس کی ہے؟

5۔ولی، کہاں کے رہنے والے تھے؟

6۔سی پارہ دل، کس کی تصنیف ہے؟

7۔''دیوان غالب'' کو الہامی کتاب کس نے کہا ہے؟

8۔''غزل، ایک نیم وحشی صنفِ سخن ہے'' کس کا قول ہے؟

9۔''غزل، اردو شاعری کی آبرو ہے'' کس کا قول ہے؟

10۔''پنجاب میں اردو کا نظریہ'' کس نے پیش کیا؟

11۔سرسید نے کون سا رسالہ شروع کیا؟

12۔''ایک لڑکا'' کس کی نظم ہے؟

**Dec-2007**

1۔''سخن دان فارس'' کا مصنف کون ہے؟

2۔''ساحل اور سمندر'' کا کس صنف میں شمار ہوتا ہے؟

3۔''دکن میں اردو'' کا مصنف کون ہے؟

**June-2008**

1۔اردو کی پہلی تمثیلی داستان کون ہے؟

2۔خطبات احمدیہ، کس کی تصنیف ہے؟

3۔منٹو کے کس افسانے پر فحش نگاری کا مقدمہ چلا تھا؟

4۔فلسفۂ کلام غالب کے مصنف کا نام بتائیں؟

5۔فورٹ ولیم کالج کس شہر میں قائم ہوا؟

6۔ماسٹر رام چندر کا تعلق کس ادارے سے تھا؟

7۔قرآن پاک کا پہلا ترجمہ اردو میں کس نے کیا؟

8۔ترکی زبان سے افسانوں کا ترجمہ کس نے کیا تھا؟

9۔''چہرہ'' کس صنفِ سخن کا جزو ہے؟

10۔''اودھ اخبار'' میں کس ناول کی اشاعت قسط وار ہوئی ہے؟

11۔مثنوی ''دریائے عشق'' کے مصنف کا نام کیا ہے؟

12۔آل احمد سرور کی سوانح عمری کا نام ہے؟

4۔یوروپ سے اقبال کی واپسی کا سنہ کیا ہے؟

5۔مثنوی ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' کس کی تصنیف ہے؟

6۔آبِ حیات کو کتنے ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے؟

7۔''مکر شاعرانہ'' کس شاعر کے یہاں سب سے زیادہ ملتی ہے؟

8۔شاد عظیم آبادی کا پورا نام کیا ہے؟

9۔کاشف الحقائق کا موضوع کیا ہے؟

10۔نقاد کم، مورخ زیادہ تھے؟

11۔مصحفی کی مثنوی کا نام کیا ہے؟

12۔''بنتِ لمحات'' کس شاعر کا مجموعہ کلام ہے؟

**Dec-2008**

1۔ اردو زبان کی تاریخ پر مسعود حسین خاں کی کتاب کا نام کیا ہے؟

2۔ ادبی نثر کا پہلا نمونہ کون ہے؟

3۔ ''اندر سبھا'' کا تعلق کس صنف سے ہے؟

4۔ تہذیب الاخلاق کا اجرا کس سنہ میں عمل میں آیا؟

5۔ دکنی شعراء میں موضوعات کا تنوع کس کے پاس زیادہ ہے؟

6۔ شاہین کا استعارہ کس شاعر نے استعمال کیا؟

7۔ میر انیس کا ابتدائی تخلص کیا تھا؟

8۔ شوکت علی خاں کس شاعر کا اصل نام ہے؟

9۔ مخدوم محی الدین کا پہلا شعری مجموعہ کون سا ہے؟

10۔ ''زنداں نامہ'' کا تعلق کس صنف سے ہے؟

11۔ ماہرین لسانیات نے ہند آریائی زبانوں کو کتنے ادوار میں تقسیم کیا ہے؟

12۔ ناول ''لہو کے پھول'' کا مصنف کون ہے؟

## دسمبر 2009 تک کے سوالات کا Pattern

Section-A

5×5=25

اس میں کوئی نظم دے دی جاتی تھی اور اُسی نظم کے متعلق عموماً چار پانچ سوالات پوچھے جاتے تھے:

جیسے:۔ یہ کس کی نظم ہے؟

کس پس منظر میں کہی گئی ہے؟

نظم کے فلاں جملے/لفظ سے شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟

اس نظم کا مرکزی خیال کیا ہے؟

اس نظم میں استعارہ/کنایہ وغیرہ کی نشان دہی کیجئے؟

Section-B

15×5=75

اس Section میں عموماً 15/سوالات پوچھے جاتے تھے۔ اس Section میں عام

طور سے ہر صنف اوراس سے وابستہ مشہور شخصیتوں کے متعلق سوالات رہتے تھے۔

چند سوالات اس طرح آتے تھے جیسے:

انارکلی کے متعلق اپنے خیالات واضح کریں؟

غالب کی شاعرانہ عظمت کیا ہے؟

قصیدہ گوئی میں سودا کا مقام کیا ہے؟

انیسؔ کی مرثیہ نگاری پر روشنی ڈالیں؟

سحرالبیان کے امتیازات بیان کریں؟ وغیرہ وغیرہ

Section-C

20×3=60 یہ Elective پیپر ہے۔

نکتہ:

یہ Section تو ہر طالب علم کا ٹھیک ہی رہتا ہے کیوں کہ یہ اپنی پسند پر منحصر ہوتا ہے۔

Section-D

1×40=40

اس میں اس طرح کے سوالات آتے تھے مثال کے طور پر:

مثنوی کے ارتقاء پر روشنی ڈالئے؟

آزادی کے بعد نظم نگاری؟

غزل کے ارتقاء پر روشنی ڈالیے؟ وغیرہ وغیرہ

نکتہ

Section-D میں عام طور سے کسی نہ کسی صنف کے متعلق ہی پوچھا جاتا تھا۔

# اب سوالات کا Pattern

## Section-A

20 = 20×1 (2(a ر سوالات (دو میں سے ایک کرنا ہے)

20 = 20×1 (2(b ر سوالات (دو میں سے ایک کرنا ہے)

## Section-B

90 = 10×9 :۔9 ر سوالات (سارے سوالات کرنے چاہئیں)

## Section-C

45 = 3×15 :۔3 ر سوالات (Compulsory)

## Section-D

25 = 5×5 :۔کوئی نظم اور اس کے متعلق 5 ر سوالات۔

# پہلے اور اب کے Pattern میں فرق کیا ہے؟

گہرائی سے دیکھا جائے تو کوئی فرق نہیں ہے بلکہ

(i) صرف Section-A کو اب Section-D کی جگہ کر دیا گیا ہے

## یادرکھیں

Section-C ..... Elective ہوتا ہے جو سب کا ٹھیک ہی رہتا ہے اُسی طرح Section-A اور Section-D میں سارے طلبہ و طالبات کم و بیش ایک ہی طرح رہتے ہیں۔ وہ Section جو آپ کو اوروں پر فتح دلا سکتا ہے وہ Section-B ہے۔اس لیے Section-B کے کسی سوال کو نہ چھوڑیں۔اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ دوسرے Section کے سوالات کو چھوڑ دیں بلکہ زیادہ سے زیادہ سوالات حل کریں اور اپنی کامیابی کا پرچم لہرائیں

## نصاب Paper-1(SYLLABUS)

1-Teaching Aptitude

2-Research Aptitude

3-Reading Comprehension

4-Communication

5-Reasoning (Including Mathematical)

6-Logical Reasoning

7-Data Interpretation

8-Information and Communication Technology(ICT)

9-People and Environment

10-Higher Education System:-Governance,Polity and Administration

## "GS" فرسٹ (Ist) پیپر کے حوالے سے

☆ اس پیپر میں 60/سوالات اب آنے لگے ہیں جن میں سے 50/سوالات کے جوابات طلب کیے جاتے ہیں جب کہ پہلے 50/سوالات ہی TOTAL آتے تھے

☆ اس پیپر میں مجموعی طور پر مذکورہ بالا "Sections" سے ہی سوالات آتے ہیں

☆ یہ بھی واضح رہے کہ طلبہ اپنی آسانی سے کسی بھی Section کا جواب دے سکتے ہیں

☆ مذکورہ بالا Sections میں سے کوئی بھی Section لازمی یعنی Compulsory نہیں ہے

☆ ہر سوال کے جواب پر "2" نمبر ملتا ہے۔

☆ تمام سوالات کے نمبر برابر ہوتے ہیں۔

☆ اب Negative Marking نہیں ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے چار غلط ہونے پر ایک صحیح جواب بھی غلط کر دیا جاتا تھا لیکن اب ایسی بات نہیں ہے۔

☆ کسی کسی Section سے زیادہ سوالات آتے ہیں اور کسی Section سے بہت کم۔

## اب ہر Section پر: ایک طائرانہ نظر

### Teaching Aptitude ـ 1

اس Section میں Teaching کے حوالے سے سوالات پوچھے جاتے ہے وہ اس طور پر کہ

☆ Teaching میں کون سا طریقہ زیادہ مفید ہوتا ہے؟

☆ Teaching میں کون سے Method کے استعمال سے تعلیم وتعلم کا معیار بلند ہوتا ہے؟

☆ Teaching کا جائزہ کیسے لیا جا سکتا ہے؟ یا یہ اچھی Teaching ہے یا نہیں؟ یا اس میں اصلاح کی ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ

### Researh Aptitude ـ 2

ریسرچ (تحقیق) کیا ہے؟ اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ ریسرچ کرنے کے کتنے Methods ہیں؟ ریسرچ کے لیے کون کون سے Steps اٹھائے جاتے ہیں؟ اسی طرح Thesis کیسے لکھا جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ

اس طرح کے سوالات اس Section کے تحت پوچھے جاتے ہیں۔

## Reading Comprehension_3

Comprehension کا معنیٰ فہم اور سمجھ ہوتا ہے۔ اس Section میں انگریزی یا ہندی کا ایک پیراگراف پڑھنا ہوتا ہے اور اُس کے بعد اُسی کے مطابق چند جوابات دینے پڑتے ہیں۔

اس Section سے Question Setters صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ Examinee (طالب علم) کے فہم و ادراک کا معیار کیا ہے؟ اس کے علاوہ کچھ نہیں

## Communication_4

استاد اور شاگرد کے درمیان جو Interaction ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد ہی Communication ہے اس کے حوالے سے چند سوالات رہتے ہیں۔

## Reasoning(Mathematical)_5

Reasoning لفظ Reason سے بنا ہے معنیٰ وجہ، سبب، علت وغیرہ۔ اس Section میں کچھ Math کے ایسے سوالات رہتے ہیں جن میں علت اور وجہ ڈھونڈنا ہوتا ہے۔

## Logical Reasoning_6

پہلے یہ ذہن نشیں کرلیں کہ Reasoning عام طور سے دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک "Mathematical" جس کی بنیاد حساب (Math) پر ہوتی ہے اور دوسری قسم "Logical" ہوتی ہے یعنی ایسی Reasoning جہاں آپ کو Logic کے سہارے سوالات حل کرنے ہوتے ہیں۔

## Data Interpretation_7

اس Section کے تحت سوالات ایسے آتے ہیں جو Data سے متعلق ہوتے ہیں۔ Data کو Graph اور Map کے ذریعہ بھی واضح کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی Graph دیا رہتا ہے اور چند سوالات اُسی کے حوالے سے رہتے ہیں۔

نوٹ:۔ Interpretation کا معنی ہی ہوتا ہے، بدلنا یا کسی دوسرے Medium میں لے جا کر واضح کرنا۔ اسی سے Interpretation لفظ بنا ہے۔

## Reading Comprehension-3

Comprehension کا معنیٰ فہم اور سمجھ ہوتا ہے۔ اس Section میں انگریزی یا ہندی کا ایک پیراگراف پڑھنا ہوتا ہے اور اُس کے بعد اُسی کے مطابق چند جوابات دینے پڑتے ہیں۔

اس Section سے Question Setters صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ Examinee (طالب علم) کے فہم وادراک کا معیار کیا ہے؟ اس کے علاوہ کچھ نہیں

## Communication-4

استاد اور شاگرد کے درمیان جو Interaction ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد ہی Communication ہے اس کے حوالے سے چند سوالات رہتے ہیں۔

## Reasoning(Mathematical)-5

Reasoning لفظ Reason سے بنا ہے معنی وجہ، سبب، علت وغیرہ۔ اس Section میں کچھ Math کے ایسے سوالات رہتے ہیں جن میں علت اور وجہ ڈھونڈنا ہوتا ہے۔

## Logical Reasoning-6

پہلے یہ ذہن نشیں کرلیں کہ Reasoning عام طور سے دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ''Mathematical'' جس کی بنیاد حساب (Math) پر ہوتی ہے اور دوسری قسم "Logical" ہوتی ہے یعنی ایسی Reasoning جہاں آپ کو Logic کے سہارے سوالات حل کرنے ہوتے ہیں۔

## Data Interpretation-7

اس Section کے تحت سوالات ایسے آتے ہیں جو Data سے متعلق ہوتے ہیں۔ Data کو Graph اور Map کے ذریعہ بھی واضح کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی Graph دیا رہتا ہے اور چند سوالات اُسی کے حوالے سے رہتے ہیں۔

نوٹ:۔ Interpretation کا معنی ہی ہوتا ہے، بدلنا یا کسی دوسرے Medium میں لے جا کر واضح کرنا۔ اسی سے Interpretation لفظ بنا ہے۔

بلکہ ہمیں Exam کو Crack کرنا ہے۔

(1) سب سے زیادہ سوالات Research Aptitude اور Teaching Aptitude سے آتے ہیں۔اس کے بعد Net,Computer اور E-Mail کے حوالے سے سوالات پوچھے جاتے ہیں

(2) Teaching Aptitude اور Research Aptitude کے سوالات دیکھنے میں ایک ہی طرح کے ظاہر ہوتے ہیں۔اس کا بھی خیال رکھیں

(3) آپ کسی بھی Section کو مضبوط کر کے JRF بن سکتے ہیں

(4) کاربن،Oxygen کے متعلق بھی ایک دوسوال رہتا ہے

(5) پروٹین اور کیلشیم کی زندگی میں کیا اہمیت ہے؟اس کے متعلق بھی سوالات آتے ہیں

(6) احتیاط کے تقاضے کے پیش نظر چار Sections متعین کرلیں اور اُسی پر محنت کریں

(7) G.S میں وہی سوالات پوچھے جاتے ہیں جو روزمرہ کی ضرورت ہے۔اسے ہمیشہ یادرکھیں

(8) اخبار کا مطالعہ بھی G.S میں خوب فائدہ پہنچاتا ہے

(9) کمپیوٹر کے ظاہری اور باطنی حصے پر بھی کئی سوالات آتے ہیں

(10) یہ یادرکھیں کہ جس طرح Net امتحان لکچرر بننے کے لیے Iron-gate ہوتا ہے ٹھیک اُسی طرح اپنے Subject میں مہارتِ تامہ دکھانے کے لیے G.S کا پیپر بھی Iron-gate ہوتا ہے۔اسے کبھی نہ بھولیں

## ایک پتے کی بات:

کوئی بھی 'G.S' کی Book جو آپ کو پڑھنے میں اچھی لگے وہ لے لیں اور اُس سے Teaching Aptitude ، Research Aptitude اور ICT کی اچھی طرح تیاری کریں اسی طرح ایک اخبار جو کسی بھی زبان کا ہو، روزانہ مطالعہ کریں اور اخبار کے اُس حصے پر نظر رکھیں جہاں کوئی نئی تحقیق سائنس اور انسانی زندگی کے حوالے سے سامنے آئی ہو۔

# نصاب Paper-ii(syllabus)
## (Objective)

## A: شاعری

i۔ غزل: غزل گوشعرااوران کے کلام کافنی وتنقیدی مطالعہ:

ولی، درد، میر، آتش، غالب، مومن، شاد، حسرت، فانی، فراق، اصغر، جگر، یگانہ جذبی، مجروح، خلیل الرحمٰن اعظمی

ii۔ مثنوی: اہم مثنویوں کافنی وتنقیدی مطالعہ:

قطب مشتری، گلشن عشق، علی نامہ، پھول بن، خواب وخیال، سحرالبیان، گلزارِ نسیم زہر عشق۔

iii۔ قصیدہ: اردو کے چند اہم قصیدہ گوشعرا کافنی وتنقیدی مطالعہ:

سودا، ذوق، غالب، محسن کاکوروی

iv۔ مرثیہ: اردو کے مرثیہ گوشعرااوران کے کلام کافنی وتنقیدی مطالعہ:

انیس، دبیر، حالی، جوش

v۔ نظم: اردو کے نظم گوشعرااوران کے کلام کافنی وتنقیدی مطالعہ:

نظیر، حالی، حسین آزاد، اکبر، سرور جہاں آبادی، نظم طباطبائی، چکبست، اقبال، جوش میراجی، فیض، اخترالایمان، مخدوم محی الدین

## B: نثر

vi۔ افسانوی نثر (داستان، ناول، افسانہ، ڈراما)

**داستان**: اردو داستانوں کا فنی اور تنقیدی مطالعہ:

سب رس، باغ و بہار، فسانۂ عجائب، بوستانِ خیال، رانی کیتکی کی کہانی

**ناول**: اردو ناولوں کا فنی اور تنقیدی مطالعہ:

فسانۂ آزاد، توبۃ النصوح، فردوسِ بریں، امراو جانِ ادا، گئودان، لندن کی ایک رات، ٹیڑھی لکیر، ایک چادر میلی سی، آگ کا دریا

**افسانہ و ڈراما**: اردو کے اہم افسانوں اور ڈراموں کا فنی و تنقیدی مطالعہ:

پریم چند، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، خواجہ احمد عباس، حیات اللہ انصاری، امانت، آغا حشر، امتیاز علی تاج، حبیب تنویر، محمد حسن

vii۔ **غیر افسانوی نثر** (مضمون، انشائیہ، خطوط، سوانح، خودنوشت) کا فنی اور تنقیدی مطالعہ:

مقالاتِ سرسید، مقالاتِ شبلی، نیرنگِ خیال، سی پارۂ دل، مضامینِ رشید، مضامینِ پطرس، خطوطِ غالب، غبارِ خاطر، یادگارِ غالب، نذیر احمد کی کہانی: کچھ ان کی کچھ میری زبانی، یادوں کی بارات

viii۔ **تنقید**: اصول اور نظریات:

اردو تذکروں میں تنقیدی عناصر، ارسطو کا تنقیدی نظریہ، تنقید کے مختلف دبستان، تحقیق و تنقید کا باہمی رشتہ، حالی اور شبلی کا نظریۂ تنقید

ix۔ **عملی تنقید**: (درج ذیل نقادوں کا خصوصی مطالعہ)

احتشام حسین، کلیم الدین احمد، آل احمد سرور، محمد حسن، شمس الرحمٰن فاروقی

x۔ **تاریخِ زبانِ اردو**: ہند آریائی کی مختصر تاریخ، اردو کے بارے میں مختلف نظریات، اردو ساخت کے بنیادی عناصر، دکنی اردو کی لسانی خصوصیات، اردو اور اس کی اہم بولیاں (Dialects) اردو کی لسانی انفرادیت۔

# نصاب Papar-iii(Syllabus)
# (Elective—Optional)

## خصوصی پیپر:-

(1)دکنیات (2)اردو تنقید و تحقیق (3) سرسید اور ان کا عہد (4) اقبال اور ان کا عہد
(5)اردو ادب 1935ء کے بعد

نوٹ:- مذکورہ بالا پیپروں میں سے کسی ایک کا انتخاب لازمی ہے جو آپ کی خواہش پر منحصر ہے۔

## (1)دکنیات

i۔دکن میں اردو کی ابتدا اور ارتقاء

ii:۔دکنی اردو کی لسانی خصوصیات

iii:۔بہمنی اور عادل شاہی دور:

1۔نظامی بیدری: کدم راؤ پدم راؤ

2۔نصرتی: گلشنِ عشق

3۔ہاشمی بیجاپوری: دیوانِ ریختی

4۔علی عادل شاہ ثانی شاہی: کلیات شاہی

iv۔قطب شاہی دور:

1۔محمد قلی قطب شاہ: انتخابِ کلیات: مرتبہ اکبرالدین صدیقی

2۔ملا وجہی: سب رس، قطب مشتری

3۔غواصی: سیف الملوک وبدیع الجمال

4۔ابن نشاطی: پھول بَن

5۔ولی: دیوانِ ولی

6۔سراج اورنگ آبادی: کلیاتِ سراج

## (2) اردو تنقید و تحقیق

1۔تنقید کی تعریف اور اہمیت

2۔اردو تنقید کے اصول و نظریات: مشرقی و مغربی

(الف) مشرقی تنقید: عربی، فارسی اور سنسکرت

(ب) مغربی تنقید: ارسطو، لان جائنس، آئی۔اے رچرڈس اور ٹی۔ایس ایلیٹ

3۔تذکروں کی تنقیدی اہمیت

4۔تنقید کے مختلف دبستان: مارکسی، نفسیاتی، ہیئتی، اسلوبیاتی، تاثراتی اور جمالیاتی

5۔تحقیق کی اہمیت اور افادیت

6۔تحقیق اور تنقید کا باہمی رشتہ

7۔اصولِ تحقیق اور طریقِ کار

8۔متنی تنقید اور اس کے اصول و طریقِ کار

9۔اردو کے اہم نقاد اور ان کی تنقید: حالی، شبلی، محمد حسین آزاد، احتشام حسین، کلیم الدین احمد، آل احمد سرور، محمد حسن، شمس الرحمٰن فاروقی

10۔اردو کے اہم محققین اور ان کے تحقیقی کارنامے: محمود شیرانی، محی الدین قادری زور، قاضی عبدالودود، امتیاز علی عرشی، مسعود حسین خاں، رشید حسن خاں

11۔تنقید میں جدید تر رجحانات

12۔اردو میں لسانیاتی تحقیق

## (3) سرسید اور ان کا عہد

1۔سرسید کی شخصیت اور سوانح: ملکی اور قومی خدمات کی روشنی میں

2۔سرسید کی تاریخ نگاری

3۔سرسید بحیثیت مضمون نگار

4۔سرسید کے مذہبی افکار

5۔سرسید کے سیاسی اور تہذیبی نظریات

6۔سرسید کی صحافتی خدمات

7۔سرسید کی سیرت نگاری

8۔سرسید کا اسلوبِ تحریر

9۔اردو نثر کے ارتقا میں سرسید کا حصہ

10۔سرسید کے معاصرین اور رفقا (سرسید کے اثرات اردو ادب پر)

11۔علی گڑھ تحریک کی سماجی، علمی اور ادبی خدمات

12۔سرسید اور سائنٹفک سوسائٹی

13۔سرسید کی خطوط نگاری

14۔سرسید کا تصورِ تعلیم

## (4) اقبال اور ان کا عہد

1۔تاریخی، تہذیبی اور ادبی پس منظر

2۔اقبال کی زندگی کے مختلف ادوار اور ذہنی ارتقاء

3۔اقبال کے فکری سرچشمے: مشرقی اور مغربی

4۔اقبال کی فکر کے اساسی پہلو:

(الف) وطنی وقومی شعور

(ب) ملی واسلامی شعور

(ج) سماجی شعور

(د) مابعدالطبعی تصورات: خودی اور بے خودی

(ہ) فنی اور ادبی شعور

5۔اقبال کی اردو شاعری کا فنی وتنقیدی مطالعہ:

(a) بانگِ درا

(b) بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز

6۔اقبال کا فن (i) بحیثیت غزل گو (ii) بحیثیت نظم نگار

7۔اقبال کی نثر

8۔مندرجہ ذیل منظومات کا تجزیاتی مطالعہ:

شکوہ، شمع وشاعر، خضرِ راہ، طلوعِ اسلام، مسجد قرطبہ، ساقی نامہ، ذوق وشوق، لینن خدا کے حضور میں، ابلیس کی مجلسِ شوریٰ، لالۂ صحرا

## (5) اردو ادب 1935 کے بعد

1۔ترقی پسند تحریک کا سیاسی اور فکری پس منظر

2۔ترقی پسند تحریک کا ارتقائی سفر

3۔مندرجہ ذیل شعرا کے کلام کا فنی وتنقیدی مطالعہ:

جوش، فراق، مجاز، جذبی، میراجی، ن۔م راشد، مخدوم محی الدین، فیض، جان نثار اختر، سردار جعفری، اختر الایمان، مجروح سلطان پوری

4۔مندرجہ ذیل ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں کا فنی اور تنقیدی مطالعہ:

کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، منٹو، عصمت، عزیز احمد، قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو

5۔مزاح نگاروں کا تنقیدی مطالعہ:

رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، کنہیا لال کپور

6۔ جدیدیت: سماجی و فکری پس منظر

7۔ اردو شعر و ادب میں جدیدیت کے نمایاں رجحانات

8۔ عہد حاضر کے اہم نقاد اور ان کی تنقیدی خدمات

## چند چیزیں: تعریفات کے آئینے میں

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) حروفِ تہجی کے اعتبار سے جس کتاب میں شعراء کے حالات دیئے جاتے ہیں، وہ کیا کہلاتا ہے؟ | (1) تذکرہ |
| (2) ادوار کے اعتبار سے جہاں ادیبوں کے حالات کا بیان ہو، وہ کیا کہلاتا ہے؟ | (2) ادبی تاریخ |
| (3) تہذیب و روایت سے پرے جانے کا رجحان کیا کہلاتا ہے؟ | (3) معاملہ بندی |
| (4) اشعار میں الفاظ کی نشست و برخاست کچھ اس طرح ہو کہ اس کی نثر کرنا آسان نہ ہو تو اُسے کیا کہتے ہیں؟ | (4) سہلِ ممتنع |
| (5) ایسی کتاب جس میں کسی ادیب سے متعلق ساری چیزیں آجائیں، اُسے کیا کہتے ہیں؟ | (5) کلیات |
| (6) کسی بھی چیز کی تعمیر و تشکیل کی بنیادی نوعیت کو کیا کہتے ہیں؟ | (6) عناصرِ ترکیبی / اجزائے ترکیبی |
| (7) بارہ مہینے کے اتار چڑھاؤ اور اس کے متعلق جذبات کی پیش کش کس صنف میں کی جاتی ہے؟ | (7) بارہ ماسہ |

| | |
|---|---|
| (8) ایک دوسرے کے ضد اور حسد کو بیان کرنے والی صنف کا نام کیا ہے؟ | (8) واسوخت |
| (9) نظم کا کوئی حصہ جو اکائی کے طور پر پہچانا جا سکے، اُسے کیا کہتے ہیں؟ | (9) بند |
| (10) چار مصرعوں والی نظم کو کیا کہتے ہیں؟ | (10) دوبیتی |
| (11) اپنے یا کسی دوسرے شاعر کے شعر یا مصرعہ پر، مصرعہ لگانا کیا کہلاتا ہے؟ | (11) تضمین |

## Objective میں زیادہ سوالات

مندرجہ ذیل کتابوں کے متعلق رہتے ہیں

| | | | |
|---|---|---|---|
| سب رس | یادگارِ غالب | گردشِ رنگِ چمن | الفاروق |
| قطب مشتری | افکارِ غالب | چاندنی بیگم | سیرۃ النبیؐ |
| نوسرہار | گنج ہائے گراں مایہ | آگ کا دریا | دستنبو |
| کدم راؤ پدم راؤ | زنداں نامہ | شعرِ شور انگیز | عودِ ہندی |
| گلشنِ عشق | یادیں | ٹھنڈا گوشت | اردوئے معلے |
| علی نامہ | ارسطو سے ایلیٹ تک | سوزِ وطن | نکات الشعراء |
| سیف الملوک و بدیع الجمال | شعریات | غبارِ خاطر | حیاتِ جاوید |
| پھول بن | شعرالہند | یادوں کی بارات | مقدمہ شعر و شاعری |
| فسانۂ عجائب | باغ و بہار | خواب باقی ہیں | دریائے عشق |
| فسانۂ آزاد | ذوق ادب اور شعور | آبِ حیات | امراؤ جان ادا |
| مسدس حالی | سخنہائے گفتنی | دیوان غالب | دریائے لطافت |

| | | | |
|---|---|---|---|
| سحرالبیان | سرخ سویرا | بال جبریل | صلیبیں مرے دریچے میں |
| گلزارِنسیم | ذکرِ میر | گرم کوٹ | مسرت سے بصیرت تک |
| نیرنگِ خیال | | | آثار الصنادید |

**نکتہ:** مندرجہ بالا کتابوں کے متعلق سوالات ، ہر سال UGC-NET میں پوچھے جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ سب رس، قطب مشتری، باغ و بہار، فسانۂ آزاد اور مسدس حالی سے متعلق ہر سال کئی سوالات آتے ہی ہیں۔ یہ دھیان رہے کہ مصنف کا نام، سنہ تصنیف اور وہ کس صنف میں ہے؟ کتاب کے حوالے سے صرف یہ دیکھنا کافی ہوگا۔ اِسے ذہن نشیں کرلیں

## Objective میں زیادہ سوالات

مندرجہ ذیل شخصیتوں کے متعلق رہتے ہیں

| | | |
|---|---|---|
| ولی | سرسید | راجندرسنگھ بیدی |
| قلی قطب شاہ | اختر الایمان | ابوالکلام آزاد |
| ملاوجہی | نذیر احمد | شاد عظیم آبادی |
| میر تقی میر | مخدوم | میر انیس |
| الطاف حسین حالی | اکبر | آتش |
| شبلی | کلیم الدین احمد | ناسخ |
| رشید احمد صدیقی | آل احمد سرور | دیاشنکر نسیم |
| اقبال | احتشام حسین | شمس الرحمٰن فاروقی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| غالب | جوش ملیح آبادی | حیات اللہ انصاری |
| فیض | قرۃالعین حیدر | عبدالصمد |
| پریم چند | منٹو | آغا حشر کاشمیری |
| محمد حسین آزاد | کرشن چندر | رجب علی بیگ سرور |

**نوٹ:-** یہ یادرہے کہ مذکورہ بالا شخصیتوں سے متعلق ہر سال سوال آتا ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ سوالات غالب، الطاف حسین حالی، فیض، اقبال اور اختر الایمان کے حوالے سے پوچھے جاتے ہیں۔ اسے بھی یادرکھیں

## مندرجہ ذیل سوالات: سب سے زیادہ پوچھے جاتے ہیں

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) اردو شاعری کا باوا آدم کسے کہا جاتا ہے؟ | (1) ولی |
| (2) مرزا نوشہ کس کا لقب تھا؟ | (2) غالب |
| (3) فورٹ ولیم کالج کی سب سے مشہور کتاب کا نام کیا ہے؟ | (3) باغ وبہار |
| (4) اردو کی پہلی مثنوی کون سی ہے؟ | (4) کدم راؤ پدم راؤ |
| (5) قلی قطب شاہ کا درباری شاعر کون تھا؟ | (5) ملا وجہی |
| (6) مکرِ شاعرانہ، کس شاعر کے کلام کی خصوصیت ہے؟ | (6) حکیم مومن خاں مومن |
| (7) سب رس کا سنہ تصنیف کیا ہے؟ | (7) 1045 ہجری |
| (8) اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر کون ہے؟ | (8) محمد قلی قطب شاہ |
| (9) فورٹ ولیم کالج کا قیام کس سنہ میں ہوا؟ | (9) 10/جولائی 1800ء |
| (10) ''غزل اردو شاعری کی آبرو'' ہے یہ کس کا قول ہے؟ | (10) رشید احمد صدیقی |
| (11) نظم ''ایک لڑکا'' کا شاعر کون ہے؟ | (11) اختر الایمان |
| (12) خاقانیٔ ہند کا خطاب کس شاعر کو ملا؟ | (12) ذوق |
| (13) پریم چند کا آخری ناول کون ہے؟ | (13) گئودان |

(14) مجروح سلطان پوری کا اصل نام کیا ہے؟
(15) ''اردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔'' یہ کس کا قول ہے؟
(16) تقسیمِ ہند سے متعلق مشہور ناول کون سا ہے؟
(17) مسدس حالی کا دوسرا نام کیا ہے؟
(18) رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کا اجرا کس سنہ میں ہوا؟
(19) شبلی نعمانی نے کس کتاب کو ''مدلل مداحی'' کہا ہے؟
(20) ''شعرالعجم'' کا موضوع کیا ہے؟
(21) ''خطباتِ احمدیہ'' کا مصنف کون ہے؟
(22) ''سرخ سویرا'' کا مصنف کون ہے؟
(23) اردو میں جدید تنقید کا آغاز کس کتاب سے ہوا؟
(24) کس ڈراما نگار کو ''ہندستان کا شیکسپئر'' کہا جاتا ہے؟
(25) ''سیرۃ النبیؐ'' کی تکمیل کس نے کی؟
(26) ''زنداں نامہ'' کس کا شعری مجموعہ ہے؟
(27) نواب مرزا شوق کا اصل نام کیا تھا؟
(28) ''تقابلی تنقید'' کی بنیاد اردو میں کس نے ڈالی؟
(29) مقفی مسجع عبارت کا نمونہ کس کتاب میں ملتا ہے؟
(30) ''آگ کا دریا'' میں کس تکنیک کا استعمال ہوا ہے؟
(31) ''خدائے سخن'' کسے کہا جاتا ہے؟
(32) ''غزل نیم وحشی صنف شاعری ہے۔'' یہ کس کا قول ہے؟
(33) ''فانی بدایونی'' کا اصل نام کیا ہے؟
(34) یادگارِ غالب کا مصنف کون ہے؟

(14) اسرارالحسن
(15) محمد حسین آزاد
(16) آنگن
(17) مدوجزر اسلام
(18) دسمبر 1870ء
(19) حیاتِ جاوید
(20) فارسی شاعری
(21) سرسید
(22) مخدوم
(23) مقدمہ شعروشاعری
(24) آغا حشر کاشمیری
(25) سید سلیمان ندوی
(26) فیض احمد فیض
(27) حکیم تصدق حسین
(28) علامہ شبلی نعمانی
(29) فسانۂ عجائب
(30) شعور کی رو (تکنیک)
(31) میر تقی میر
(32) کلیم الدین احمد
(33) شوکت علی خاں
(34) مولانا الطاف حسین حالی

| | |
|---|---|
| (35) ''یادوں کی بارات'' کس کی خودنوشت ہے؟ | (35) جوش ملیح آبادی |
| (36) ''ہوری'' کا کردار کس نے پیش کیا ہے؟ | (36) پریم چند |
| (37) ''چاندنی بیگم'' کس کا ناول ہے؟ | (37) قرۃ العین حیدر |
| (38) ''کدم راؤ پدم راؤ'' کس نے لکھی؟ | (38) فخر دیں نظامی بیدری |
| (39) ''گردشِ رنگِ چمن'' کس کی تصنیف ہے؟ | (39) قرۃ العین حیدر |
| (40) میر تقی میر کی مشہور مثنوی کون سی ہے؟ | (40) دریائے عشق |
| (41) ''سخنہائے گفتنی'' کس کی تصنیف ہے؟ | (41) کلیم الدین احمد |
| (42) ''گنج ہائے گراں مایہ'' کس کی تصنیف ہے؟ | (42) رشید احمد صدیقی |
| (43) ''اداس نسلیں'' کس کا ناول ہے؟ | (43) عبداللہ حسین |
| (44) ''خدا کی بستی'' کس کا ناول ہے؟ | (44) شوکت صدیقی |
| (45) ''ٹیڑھی لکیر'' کس کا ناول ہے؟ | (45) عصمت چغتائی |
| (46) ''دوگز زمین'' کس کی تصنیف ہے؟ | (46) عبدالصمد |
| (47) ''گریز'' کس کا ناول ہے؟ | (47) عزیز احمد |
| (48) قرآن مجید کا اردو ترجمہ سب سے پہلے کس نے کیا؟ | (48) شاہ رفیع الدین ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ |
| (49) ''فسانۂ آزاد'' کس اخبار میں قسط وار شائع ہوا؟ | (49) اودھ پنچ لکھنؤ |
| (50) ذکرِ میر کیا ہے؟ | (50) میر کی سوانح عمری |
| (51) سعادت حسن منٹو کے کس افسانے پر مقدمہ چلا تھا؟ | (51) ٹھنڈا گوشت |
| (52) پریم چند کا اصل نام کیا تھا؟ | (52) منشی دھنپت رائے |
| (53) اردو نثر کا اولین غیر مذہبی ادبی کارنامہ کون سا ہے؟ | (53) سب رس |
| (54) انشاء اللہ خاں انشاء کی کتاب ''دریائے لطافت'' کا تعلق کس سے ہے؟ | (54) زبان وقواعد |

| | |
|---|---|
| (55)''شعر الہند'' کس کی تصنیف ہے؟ | (55)عبدالسلام ندوی |
| (56)''شیشوں کا مسیحا'' کس کی نظم ہے؟ | (56)فیض احمد فیض |
| (57)''گوتم نیلمبر'' کس ناول کا کردار ہے؟ | (57)آگ کا دریا |
| (58)''غالب شکن'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (58)یگانہ چنگیزی |
| (59)دارالترجمہ کہاں قائم ہوا؟ | (59)جامعہ عثمانیہ حیدرآباد |
| (60)''عودِ ہندی'' کیا ہے؟ | (60)غالب کے خطوط کا مجموعہ |
| (61)دستنبو کیا ہے؟ | (61)روزنامچہ (جس میں 1857 کے حالات درج ہیں) |
| (62)''شاعرِ فردا'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (62)غالب |
| (63)''حسرت موہانی'' کا اصل نام کیا ہے؟ | (63)سید فضل الحسن |
| (64)دہلی کی عمارتوں اور وہاں کی تاریخ سرسید کے کس کتاب میں ملتی ہے؟ | (64)آثار الصنادید |
| (65)''اسبابِ بغاوت ہند'' سرسید نے کب لکھا؟ | (65)1858ء |
| (66)ابوالکلام آزاد کا اصل نام کیا ہے؟ | (66)محی الدین احمد |
| (67)پریم چند کا ابتدائی قلمی نام کیا ہے؟ | (67)نواب رائے |
| (68)ولی کا پورا نام کیا تھا؟ | (68)ولی محمد |
| (69)غالب کا پہلے تخلص کیا تھا؟ | (69)اسدؔ |
| (70)آتش کے استاد کا نام کیا ہے؟ | (70)مصحفی |
| (71)آتش کے مشہور شاگرد کا نام کیا ہے؟ | (71)پنڈت دیا شنکر نسیم |
| (72)انیس کا ابتدائی تخلص کیا تھا؟ | (72)حزیں |
| (73)نظیر اکبرآبادی کی شاعری کا موضوع کیا ہے؟ | (73)مشترکہ تہذیب |

| | |
|---|---|
| (74)''فلسفۂ کلامِ غالب'' کا مصنف کون ہے؟ | (74)عبدالرحمٰن بجنوری |
| (75)''یادیں'' کس شاعر کا مجموعہ ہے؟ | (75)اختر الایمان |
| (76)اس نظم کو کیا کہتے ہیں جس کے ہر بند میں چھ مصرے ہوں؟ | (76)مسدس |
| (77)دہلی کالج کا قیام کب عمل میں آیا؟ | (77)1825ء |
| (78)''افکارِ غالب'' کا مصنف کون ہے؟ | (78)خلیفہ عبدالحکیم |
| (79)''صلیبیں مرے دریچے میں'' کس کی نثری تصنیف ہے؟ | (79)فیض |
| (80)''الحقوق والفرائض'' کس ناول نگار کی کتاب ہے؟ | (80)ڈپٹی نذیر احمد |
| (81)''سرسید اور اردو لٹریچر'' کس کا مضمون ہے؟ | (81)رشید احمد صدیقی |
| (82)''گلشنِ ہند'' کس کی تصنیف ہے؟ | (82)مرزا علی لطف |
| (83)فراق گورکھپوری کی رباعیوں کے مجموعے کا کیا نام ہے؟ | (83)روپ |
| (84)''ارسطو سے ایلیٹ تک'' کس کی تصنیف ہے؟ | (84)جمیل جالبی |
| (85)غالب کی وہ کتاب، جس پر بہت لے دے ہوئی؟ | (85)قاطع برہان |
| (86)اقبال کے کس مجموعہ کو ''گلِ سرسبد'' کہا جاتا ہے؟ | (86)بالِ جبریل |
| (87)جرأت کا اصل نام کیا ہے؟ | (87)قلندر بخش |
| (88)پریم چند کا کون سا افسانوی مجموعہ ضبط کر لیا گیا؟ | (88)سوزِ وطن |
| (89)اخبار ''اودھ پنچ'' کے ایڈیٹر کون تھے؟ | (89)سجاد حسین |
| (90)مصورِ غم کسے کہا جاتا ہے؟ | (90)راشد الخیری |
| (91)''لیلیٰ کے خطوط'' کس کا ناول ہے؟ | (91)قاضی عبدالغفار |
| (92)''دستنبو'' کس کا رسالہ ہے؟ | (92)غالب |

| | |
|---|---|
| (93) اردو کس زبان کا لفظ ہے؟ | (93) ترکی |
| (94) مثنوی سحر البیان کا دوسرا نام کیا ہے؟ | (94) مثنوی بدرِ منیر |

# مندرجہ ذیل سوالات: زیادہ پوچھے جاتے ہیں

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) اردو کا پہلا ناول کون سا ہے؟ | (1) مرأۃ العروس |
| (2) ''خاکِ ہند'' کس کی نظم ہے؟ | (2) چکبست |
| (3) اردو شاعری میں پہلا فارسی زبان میں لکھا جانے والا تذکرہ کون سا ہے؟ | (3) نکات الشعراء |
| (4) ''سب رس'' کس کی فرمائش پر لکھی گئی؟ | (4) قلی قطب شاہ |
| (5) ''کرشن چندر'' کی تصنیف ''ان داتا'' کا موضوع کیا ہے؟ | (5) قحطِ بنگال |
| (6) ن۔م راشد کا تعلق کس حلقۂ سے تھا؟ | (6) حلقۂ اربابِ ذوق |
| (7) ''امراؤ جانِ ادا'' ناول میں کس تہذیب کی عکاسی ہے؟ | (7) لکھنوی تہذیب |
| (8) ''لسان العصر'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (8) اکبرالہ آبادی |
| (9) نظم ''اس نظم میں'' کا شاعر کون ہے؟ | (9) میراجی |
| (10) کس نے اردو تنقید کو معشوق کی موہوم کمر بتایا ہے؟ | (10) کلیم الدین احمد |
| (11) رسالہ ''مخزن'' کس نے جاری کیا؟ | (11) سر عبدالقادر |
| (12) شاعرِ رومان کسے کہا جاتا ہے؟ | (12) اختر شیرانی |
| (13) مرزا ظاہر بیگ کا کردار کس ناول میں ہے؟ | (13) توبۃ النصوح |
| (14) دہلی کا پہلا اردو اخبار کس نے نکالا؟ | (14) محمد باقر |
| (15) اردو کا پہلا اخبار کس نے نکالا؟ | (15) آگسٹس ہکی |

(16) اردو کے پہلے اخبار کے مدیر کون تھے؟
(17) ''مسدس حالی'' کس کی فرمائش پر لکھی گئی؟
(18) ''حیات سعدی'' کا مصنف کون ہے؟
(19) ''دستِ صبا'' کس شاعر کا مجموعۂ کلام ہے؟
(20) غالب کی بیوی کا نام کیا ہے؟
(21) ''نورس'' میں کس فن سے متعلق چیزیں ہیں؟
(22) سراج اورنگ آبادی کی مثنوی کا نام کیا ہے؟
(23) ''نورس'' کیا ہے؟
(24) پریم چند کے نامکمل ناول کا نام کیا ہے؟
(25) سجاد حیدر یلدرم کے افسانوی مجموعے کا نام کیا ہے؟
(26) ''لاجونتی'' کس کا افسانہ ہے؟
(27) ''انارکلی'' کس کا ڈراما ہے؟
(28) ''طنزیات و مضحکات'' کس کی تصنیف ہے؟
(29) ''اپنی تلاش میں'' کس کی خودنوشت ہے؟
(30) تذکرہ ''خم خانۂ جاوید'' کس نے لکھی؟
(31) مثنوی ''بکٹ کہانی'' کس کی تصنیف ہے؟
(32) ایسی تصنیف جس میں صرف دیسی الفاظ ہی استعمال ہوئے ہیں وہ کون ہے؟
(33) مثنوی ''نوسرہار'' کس نے لکھی؟
(34) ''غزل'' کس شاعر کا مجموعۂ کلام ہے؟
(35) ''ناول'' کس زبان کا لفظ ہے؟
(36) ''نسخہ ہائے وفا'' کس کے کلیات کا نام ہے؟

(16) منشی سدا سکھ
(17) سرسید احمد
(18) الطاف حسین حالی
(19) فیض احمد فیض
(20) امراؤ بیگم
(21) فن موسیقی
(22) بوستانِ خیال
(23) گیتوں کا مجموعہ
(24) منگل سُتر
(25) خیالستان
(26) راجندر سنگھ بیدی
(27) امتیاز علی تاج
(28) رشید احمد صدیقی
(29) کلیم الدین احمد
(30) لالہ سری رام
(31) محمد افضل
(32) رانی کیتکی کی کہانی
(33) اشرف علی بیابانی
(34) مجروح سلطان پوری
(35) اطالوی (Italy)
(36) فیض احمد فیض

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (37) تذکرہ ''مجموعۂ نغز'' کس کی شاہکار تصنیف ہے؟ | (37) قدرت اللہ قاسم |
| (38) ''الفاروق''، ''المامون'' جیسی شاہکار تصانیف کس کی ہیں؟ | (38) شبلی نعمانی |
| (39) نصرتی کس بادشاہ کا درباری شاعر تھا؟ | (39) علی عادل شاہ ثانی |
| (40) عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر کا نام کیا تھا؟ | (40) غواصی |
| (41) کس صدی کو اردو کا عہد زریں کہا جاتا ہے؟ | (41) 18 ویں صدی |
| (42) کون ایسی شخصیت ہے جو ایک انقلاب (1857ء) میں پیدا ہوئی اور دوسرے انقلاب (1914ء) میں وفات پائی؟ | (42) شبلی نعمانی |
| (43) ''اردوئے معلیٰ'' کیا ہے؟ | (43) خطوطِ غالب کا مجموعہ |
| (44) آل احمد سرور کی تحریر ''سلسبیل'' کیا ہے؟ | (44) شعری مجموعہ |
| (45) ''دیوانِ غالب'' غالب کی زندگی میں کتنی بار شائع ہوا؟ | (45) چار بار |
| (46) اردو حروف تہجی کی صحیح تعداد کیا ہے؟ | (46) 36 |
| (47) ''بوستانِ خیال'' جو میر محمد تقی خیالؔ نے 1170ھ میں لکھا، یہ کیا ہے؟ | (47) داستان |

## مندرجہ ذیل سوالات: پوچھے جاسکتے ہیں

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) نظم ''آوارہ'' کا شاعر کون ہے؟ | (1) مجاز لکھنوی |
| (2) اردو کا باغی شاعر کسے کہا جاتا ہے؟ | (2) مجاز لکھنوی |
| (3) اردو کا پہلا اخبار کہاں سے نکلا؟ | (3) کلکتہ |

| | |
|---|---|
| (4)''نقش فریادی'' کس کا مجموعہ کلام ہے؟ | (4) فیض احمد فیض |
| (5) آل احمد سرور کی خودنوشت کا نام کیا ہے؟ | (5) خواب باقی ہیں |
| (6) میر حسن نے مثنوی ''سحرالبیان'' کے علاوہ دوسری کون سی مثنوی لکھی؟ | (6) گلزارِارم |
| (7)''فورٹ ولیم کالج'' میں ہندستانی زبان کے صدرِ شعبہ کا نام کیا تھا؟ | (7) جان ۔گل کرائسٹ |
| (8)''بساطِ رقص'' کس کا شعری مجموعہ ہے؟ | (8) مخدوم محی الدین |
| (9) اردو میں سب سے پہلے گیان پیٹھ ایوارڈ سے کون شاعر نوازے گئے؟ | (9) فراق گورکھپوری |
| (10) فراق، قرۃ العین حیدر اور علی سردار جعفری کے بعد اردو ادب میں گیان پیٹھ ایوارڈ اور کسے ملا ہے؟ | (10) شہریار |
| (11) شاعر بے دماغ کسے کہا جاتا ہے؟ | (11) میر تقی میر |
| (12) سائنٹفک سوسائٹی کے بانی کون تھے؟ | (12) سر سید احمد خاں |
| (13) دارالمصنفین اعظم گڑھ کے بانی کون تھے؟ | (13) شبلی نعمانی |
| (14)''گلِ نغمہ'' کس کا شعری مجموعہ ہے؟ | (14) فراق گورکھپوری |
| (15) علی نامہ کیسی مثنوی ہے؟ | (15) رزمیہ مثنوی |
| (16)''رانو'' کس ناولٹ کا کردار ہے؟ | (16) ایک چادر میلی سی |
| (17)''میاں خوجی'' کا کردار رتن ناتھ سرشار نے کہاں پیش کیا ہے؟ | (17) فسانۂ آزاد |
| (18)''پی کہاں'' کس کی تخلیق ہے؟ | (18) رتن ناتھ سرشار |
| (19) مرزا علی خاں لطفؔ نے کس نام سے تذکرہ لکھا ہے؟ | (19) تذکرۂ گلشن ہند |
| (20) اختر الایمان کی خودنوشت کا نام کیا ہے؟ | (20) اِس آباد خرابے میں |

| | |
|---|---|
| (21) ذوق کے استاد کا نام کیا ہے؟ | (21) شاہ نصیر |
| (22) ''قصۂ حسن ودل'' کس داستان کا نام ہے؟ | (22) سب رس |
| (23) ولی دلی کب آئے؟ | (23) 1700ء |
| (24) ولی کا دیوان دلی کب آیا؟ | (24) 1707ء |
| (25) سحرالبیان کی تکمیل کب ہوئی؟ | (25) 1785ء |
| (26) ''شاعری تخیل ہے''، یہ کس کا نظریہ ہے؟ | (26) ارسطو |
| (27) ''شیخ وجودی'' کس ناول کا کردار ہے؟ | (27) شریف زادہ |
| (28) امیر خسرو کی پیدائش کہاں ہوئی؟ | (28) پٹیالی ضلع ایٹہ (نئی تحقیق: دہلی) |
| (29) میر لکھنؤ کب گئے؟ | (29) 1782ء |
| (30) دہلی میں زیادہ وقت گزارا، لیکن لکھنوی شاعر مانے جاتے ہیں؟ | (30) مصحفی |
| (31) دبستانِ دہلی کا وہ شاعر کون ہے جس نے درباری شاعری نہ کی؟ | (31) مومن |
| (32) دبستانِ لکھنؤ کا وہ شاعر جسے درباری شاعری سے نفرت تھی؟ | (32) آتش |
| (33) ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعراء میں سب سے بڑے غزل گو شاعر کون تھے؟ | (33) مجروح سلطان پوری |
| (34) مجروح سلطان پوری کو اور کس نام سے جانا جاتا ہے؟ | (34) فلمی شاعر |
| (35) میر نے دہلی میں کتنے دواوین تیار کیے؟ | (35) دو |
| (36) لکھنؤ میں میر نے کتنے دواوین تیار کیے؟ | (36) چار |
| (37) امیر خسرو، کس سلسلے کے صوفی شاعر تھے؟ | (37) چشتیہ |

| | |
|---|---|
| (38) مرزا مظہر جانِ جاناں کس سلسلے سے تعلق رکھتے تھے؟ | (38) نقشبندیہ |
| (39) اردو کا سب سے بڑا صوفی شاعر کون ہے؟ | (39) خواجہ میر درد |
| (40) نالۂ درد، آہِ سرد جیسے رسالے کس نے لکھے؟ | (40) خواجہ میر درد |
| (41) دبستان لکھنؤ کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ | (41) آتش |
| (42) مومن نے فارسی خطوط لکھے، وہ کس کتاب میں ہے؟ | (42) انشائے مومن |
| (43) خطوطِ غالب کی مقبولیت کا سبب کیا ہے؟ | (43) مراسلے کا مکالمہ بن جانا |
| (44) ''جدید غزل'' کس کی کتاب ہے؟ | (44) رشید احمد صدیقی |
| (45) ''کربل کتھا'' کس کی تصنیف ہے؟ | (45) فضل علی فضلی |
| (46) ''شعلہ طور'' کس شاعر کا شعری مجموعہ ہے؟ | (46) جگر مرادآبادی |
| (47) ''مشعلِ جاں'' کس کا شعری مجموعہ ہے؟ | (47) مجروح سلطان پوری |
| (48) ''دیوان'' کس شاعر کا مجموعہ ہے؟ | (48) ناصر کاظمی |
| (49) ''مدرسۃ العلوم'' کی بنیاد کب پڑی؟ | (49) 1875ء |
| (50) ''اسمِ اعظم'' کس کا شعری مجموعہ ہے؟ | (50) شہریار |
| (51) ''لندن کی ایک رات'' کے مصنف کا نام کیا ہے؟ | (51) سجاد ظہیر |
| (52) غالب کس بادشاہ کے استاد تھے؟ | (52) بہادر شاہ ظفر |
| (53) اقبال کی کس تصنیف کا نصف حصہ اردو اور نصف حصہ فارسی ہے؟ | (53) ارمغانِ حجاز |
| (54) ''تاریخ سیارہ'' کس کی تخلیق ہے؟ | (54) اختر الایمان |
| (55) دکن میں کس مثنوی نگار کا قتل ہوا؟ | (55) نصرتی |
| (56) ''کلامِ شاد''، قاضی عبدالودود نے ترتیب دیا ہے تو کلیاتِ شاد کس نے ترتیب دیا ہے؟ | (56) کلیم الدین احمد |
| (57) فراق کی نظموں اور رباعیات کے مجموعے کا نام کیا ہے؟ | (57) روحِ کائنات |

| | |
|---|---|
| (58) فراق کی صرف رباعیوں کے مجموعے کا نام کیا ہے؟ | (58) روپ |
| (59) یگانہ چنگیزی کا ابتدائی تخلص کیا تھا؟ | (59) یاس عظیم آبادی |
| (60) یگانہ چنگیزی کی رباعیات کے مجموعے کا نام کیا ہے؟ | (60) ترانہ |
| (61) یگانہ کے پسندیدہ القابات کیا کیا تھے؟ | (61) ابوالمعانی، امام الغزل |
| (62) ''مجاہدالعصر''، ''غالب جنگ'' کون شاعر خود کو سمجھتا تھا؟ | (62) یگانہ چنگیزی |
| (63) یگانہ کے پہلے مجموعے کا نام کیا ہے؟ | (63) نشتر یاس |
| (64) ''حاشیے''، ''اندازے'' کس شاعر کی نثری تصانیف ہیں؟ | (64) فراق گورکھپوری |
| (65) فراق کے خطوط کے مجموعے کا کیا نام ہے؟ | (65) من آنم |
| (66) ''حالی کا سیاسی شعور'' ایک تحقیقی مقالہ ہے، کس نے لکھا ہے؟ | (66) معین احسن جذبی |
| (67) اردو میں ''ترقی پسند ادبی تحریک'' کس کی کتاب ہے؟ | (67) خلیل الرحمٰن اعظمی |
| (68) سائنٹفک سوسائٹی کا پہلے نام کیا تھا؟ | (68) ٹرانسلیشن سوسائٹی |
| (69) اردو میں رائج قافیہ بندی کا خاتمہ کس نے کیا؟ | (69) سرسید |
| (70) نیرنگِ خیال کیا ہے؟ | (70) انگریزی مضامین کا آزاد ترجمہ |
| (71) ابوالکلام آزاد کہاں پیدا ہوئے؟ | (71) مکہ معظمہ |
| (72) ''تذکرہ'' کس کی تخلیق ہے؟ | (72) ابوالکلام آزاد |
| (73) ''شاعر آخر الزماں'' خود کو کون شاعر لکھتا تھا؟ | (73) جوش ملیح آبادی |

| | |
|---|---|
| (77) اقبال کی شاعری میں کس چیز کو مرکزیت حاصل ہے؟ | (77) فلسفۂ خودی |
| (78) قطب شاہی دور کا تعلق کس علاقہ سے ہے؟ | (78) گولکنڈہ |
| (79) بیجاپور سے کس شاہی دور کا رشتہ ہے؟ | (79) عادل شاہی دور |
| (80) ''معراج العاشقین'' کا موضوع کیا ہے؟ | (80) تصوف |
| (81) ''بوطیقا'' کا اردو ترجمہ کس نے کیا؟ | (81) عزیز احمد |
| (82) پہلا ''تذکرہ'' جو اردو میں لکھا گیا وہ کون ہے؟ | (82) گلشن ہند |
| (83) پریم چند کے والد کا نام کیا تھا؟ | (83) منشی عجائب رائے |
| (84) پریم چند کی سوانح حیات کا نام کیا ہے؟ | (84) پریم چند: قلم کا سپاہی |
| (85) ''حاصل سیر جہاں'' کس کی تخلیق ہے؟ | (85) شہریار |
| (86) کس افسانے کے بعد ہی پریم چند، قلمی نام ہو گیا؟ | (86) بڑے گھر کی بیٹی |
| (87) غالب کا مدفن کہاں ہے؟ | (87) بستی حضرت نظام الدینؒ |
| (88) ''معاملہ بندی'' کا سب سے مشہور شاعر کون ہے؟ | (88) مومنؔ |
| (89) فانی کا پہلا تخلص کیا تھا؟ | (89) شوکتؔ |
| (90) ''گل بانگ'' کس کا شعری مجموعہ ہے؟ | (90) فراق گورکھپوری |
| (91) ''نیا عہد نامہ'' کس کا شعری مجموعہ ہے؟ | (91) خلیل الرحمٰن اعظمی |
| (92) ''عبرت الغافلین'' فارسی میں ایک رسالہ ہے، کس نے لکھا ہے؟ | (92) سوداؔ |
| (93) محسن کاکوروی کے استاد کا نام کیا ہے؟ | (93) امیر مینائی |
| (94) لکھنؤ سے باہر نکل کر پٹنہ، بنارس اور حیدرآباد کے علاوہ انیسؔ نے اور کہاں اپنا کلام سنایا؟ | (94) الہ آباد |
| (95) ''دبیر شکن'' کے نام سے کون جانا جاتا ہے؟ | (95) شبلی نعمانی |

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (96) شمالی ہند کی کس شخصیت نے ''بارہ ماسہ'' لکھا؟ | (96) افضل جھنجھانوی |
| (97) اردو کا عوامی شاعر کسے کہا جاتا ہے؟ | (97) نظیر اکبرآبادی |
| (98) ''ہماری باتیں ہی باتیں ہیں''، ''سید کام کرتا تھا'' سرسید کے متعلق کس نے کہا ہے؟ | (98) اکبرآلہ آبادی |
| (99) چکبست کے شعری مجموعے کا نام کیا ہے؟ | (99) صبحِ وطن |
| (100) اقبال کی ماں کا نام کیا تھا؟ | (100) امام بی بی |
| (101) گول میز کانفرنس میں دوبارہ شرکت کے لیے اقبال لندن کب گئے؟ | (101) 1931ء |
| (102) فضلی کی ''دہ مجلس'' کا موضوع کیا ہے؟ | (102) مذہب |
| (103) ''لکھنؤ کا عوامی اسٹیج'' کس کی کتاب ہے؟ | (103) مسعود حسن رضوی ادیب |
| (104) ''لکھنؤ کا شاہی اسٹیج'' کس کی تصنیف ہے؟ | (104) عابد حسین |
| (105) مولوی عبدالحق کی شہرت کا سبب کیا ہے؟ | (105) تحقیق |
| (106) ''ریختہ'' کس زبان کے لیے استعمال ہوتا تھا؟ | (106) اردو |
| (107) ''پطرس بخاری'' کس حیثیت سے مشہور ہوئے؟ | (107) مزاح نگار |
| (108) ''دربارِ اکبری'' کا مصنف کون ہے؟ | (108) محمد حسین آزاد |

## مندرجہ ذیل سوالات: متوقع ہیں

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کس رسالے کے طرز پر تھا؟ | (1) اسپکٹیٹر ٹیٹلر |
| (2) عبدالحی تاباں کے علاوہ اور کس شاعر کا نام عبدالحی ہے؟ | (2) ساحر لدھیانوی |
| (3) شاد عظیم آبادی کو کس لکھنوی شاعر سے Family Term تھا؟ | (3) مرزا دبیر |

| | |
|---|---|
| (4)''نکات الشعراء'' کس سنہ میں لکھی گئی؟ | (4)1752ء |
| (5)میرؔ سے پہلے کس شاعر کا تخلص میر تھا؟ | (5)سوز |
| (6)دردؔ کے بعد، اردو کا بڑا صوفی شاعر کون ہے؟ | (6)آتش |
| (7)دبستانِ لکھنؤ کا پہلا شاعر کون ہے جس نے صوفیانہ موضوعات کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا؟ | (7)آتش |
| (8)''دستنبو'' کا معنی کیا ہے؟ | (8)عطردان رگلدستہ |
| (9)کس فرضی شخص کو غالب نے اپنا استاد بتایا ہے؟ | (9)ملّا عبدالرحیم |
| (10)شیفتہ، غالب کے کون تھے؟ | (10)شاگرد |
| (11)چنگیزی النسل خود کو کون شاعر کہلاتے تھے؟ | (11)غالبؔ |
| (12)رام پور کے کس نواب کی طرف سے غالبؔ کو وظیفہ ملتا تھا؟ | (12)نواب کلب خاں |
| (13)غدر کے موقع پر کمرے میں غالب خود کتنے سال بند رہے؟ | (13)دوسال |
| (14)شیفتہ کے استاد غالب کے علاوہ اور کون تھے؟ | (14)مومن |
| (15)حضرتِ دہلی سے کیا مراد ہے؟ | (15)دہلی اور نواح دہلی کی بولیاں |
| (16)''مدرسۃ العلوم'' کا دوسرا نام کیا ہے؟ | (16)محمڈن اینگلو |
| (17)فورٹ ولیم کالج، میرامن کس کے توسط سے گئے؟ | (17)ابراہیم خاں خلیل |
| (18)''بہادر شاہ ظفر کا روزنامچہ'' نامی کتاب کس نے لکھی؟ | (18)خواجہ حسن نظامی |

یاد رکھیں: مذکورہ بالا سوالات، پچھلے کئی سالوں کے سوالات کی روشنی میں بنائے گئے ہیں اسے بھی یاد کرلیں

# اُن سوالوں کی فہرست جن کے ذریعہ ابہام پیدا کیا جاسکتا ہے

| سوالات | جوابات |
|---|---|

(i) نام کے حوالے سے

| | |
|---|---|
| (1) اسرارالحسن کس کا نام تھا؟ | (1) مجروح سلطان پوری |
| (2) اسرارالحق کس کا نام تھا؟ | (2) مجاز لکھنوی |
| (3) شیخ ولی محمد کس کا نام تھا؟ | (3) نظیر اکبرآبادی |
| (4) ولی کس کا نام تھا؟ | (4) ولی دکنی |

(ii) خطابات والقابات کے حوالے سے

| | |
|---|---|
| (1) خدائے سخن کسے کہتے ہیں؟ | (1) میر تقی میرؔ |
| (2) پہلوانِ سخن کسے کہتے ہیں؟ | (2) مرزا محمد رفیع سوداؔ |
| (3) مصورِ غم کسے کہا جاتا ہے؟ | (3) راشدالخیری |
| (4) مصورِ فطرت کسے کہا جاتا ہے؟ | (4) خواجہ حسن نظامی |
| (5) امام العصر کسے کہا جاتا ہے؟ | (5) اقبال |
| (6) لسان العصر کسے کہا جاتا ہے؟ | (6) اکبرالہ آبادی |
| (7) امام المتغزلین کسے کہا جاتا ہے؟ | (7) حسرت موہانی |
| (8) رئیس المتغزلین کسے کہا جاتا ہے؟ | (8) جگر مرادآبادی |
| (9) بابائے اردو سے کون مشہور ہیں؟ | (9) مولوی عبدالحق |
| (10) آقائے اردو سے کسے جانا جاتا ہے؟ | (10) محمد حسین آزاد |
| (11) ملک الشعراء کا خطاب دبستانِ دہلی میں کس کو ملا ہے؟ | (11) شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ |
| (12) کلیم الشعراء سے کون جانا جاتا ہے؟ | (12) امجد حیدرآبادی |

## (iii) تصانیف کے حوالے سے

| | |
|---|---|
| (1) ''لیلیٰ کے خطوط'' کس کا ناول ہے؟ | (1) قاضی عبدالغفار |
| (2) ''غبارِ خاطر'' کن چیزوں کا مجموعہ ہے؟ | (2) خطوط |
| (3) ''فسانۂ آزاد'' کیا ہے؟ | (3) ناول |
| (4) ''فسانۂ عجائب'' کیا ہے؟ | (4) داستاں |
| (5) ''بوستانِ خیال'' کس کی مثنوی ہے؟ | (5) سراج اورنگ آبادی |
| (6) ''خواب وخیال'' کس کی مثنوی ہے؟ | (6) میر اثر |
| (7) ''اردوئے معلےٰ'' کیا ہے؟ | (7) غالب کے خطوط کا مجموعہ |
| (8) ''اردوئے معلےٰ'' رسالہ کس نے جاری کیا؟ | (8) حسرت موہانی |
| (9) ''سخنہائے گفتنی'' کلیم الدین احمد کی کتاب ہے تو ''نسخہ ہائے وفا'' کیا ہے؟ | (9) کلیاتِ فیضؔ |
| (10) ''گلشنِ ہند'' ایک تذکرہ ہے، کس نے لکھا ہے؟ | (10) مرزا علی خاں لطفؔ |
| (11) ''شعرالہند'' کس کی تصنیف ہے؟ | (11) عبدالسلام ندوی |
| (12) ''گلِ نغمہ'' جو نظموں کا مجموعہ ہے، کس کا ہے؟ | (12) عظیم الدین احمد |
| (13) ''گلِ نغمہ'' جو فراق کی کاوش ہے، یہ کیا ہے؟ | (13) شعری مجموعہ |
| (14) ''نکات الشعراء'' کس کی شاہکار تصنیف ہے؟ | (14) میر تقی میر |
| (15) ''چمنستانِ شعراء'' کس سے یادگار ہے؟ | (15) لچھمی نرائن شفیق |
| (16) ''دریائے عشق'' میر کی مثنوی ہے تو ''دریائے لطافت'' کس کی تصنیف ہے؟ | (16) انشاءاللہ خاں انشاء |
| (17) ''نگار'' ایک رسالہ ہے تو ''نگارستان'' کیا ہے؟ | (17) نیاز فتح پوری کا مجموعہ |
| (18) ''خیالستان'' افسانوی مجموعہ ہے تو ''شعرستان'' کیا ہے؟ | (18) شعری مجموعہ |

| | |
|---|---|
| (19) ''نئے نام'' کس کی تصنیف ہے؟ | (19) شمس الرحمٰن فاروقی |
| (20) ''نئی نظم کا سفر'' کس نے لکھی ہے؟ | (20) خلیل الرحمٰن اعظمی |
| (21) ''پریم چند: قلم کا سپاہی'' سوانح حیات ہے یہ کس نے رقم کی ہے؟ | (21) امرت رائے |
| (22) ''خاکِ وطن'' کس کی نظم ہے؟ | (22) سرور جہاں آبادی |
| (23) ''خاکِ ہند'' کس شاعر کی تخلیق ہے؟ | (23) چکبست |
| (24) ''نقش و نگار'' کس کا مجموعہ ہے؟ | (24) جوش ملیح آبادی |
| (25) ''نقشِ فریادی'' کس کا مجموعہ ہے؟ | (25) فیض احمد فیض |

## (iv) اخبار کے حوالے سے

(1) ہندستان کا پہلا اردو اخبار کون ہے؟ — (1) ''جامِ جہاں نما'' مدیر: منشی سدا سکھ

(2) دہلی کا پہلا اردو اخبار کون ہے؟ — (2) ''دہلی اردو اخبار'' مدیر: مولوی محمد باقر

## سدا یاد رکھیں

مذکورہ بالا تمام سوالات بے حد اہم ہیں۔ ایسے ہی سوالات دے کر معصوم طالب علموں کو Question Setter گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسا اس لیے بھی ہو جاتا ہے کہ اکثر ناموں میں یا تو پہلے کا لفظ ایک جیسا ہے یا بعد والا لفظ ایک دوسرے کے مشابہ ہے یا بالکل اُسی طرح ہے۔ اس لیے سوالات Tick کرتے وقت ذہن و دماغ دونوں سے کام لیں ورنہ یہ جلد بازی آپ کے خواب کو مسمار کر سکتی ہے۔

# چند اہم سوالات: سنہ کے حوالے سے

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) سب رس کا سنہ تصنیف کیا ہے؟ | (1) 1045ھ/1632ء |
| (2) ناول ''گئودان'' کس سنہ میں لکھا گیا؟ | (2) 1935ء |
| (3) رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کب جاری ہوا؟ | (3) دسمبر 1870ء |
| (4) ''مسدس حالی'' یا ''مدوجزر اسلام'' کا سنہ تصنیف کیا ہے؟ | (4) 1889ء |
| (5) ''باغ و بہار'' کب شائع ہوئی؟ | (5) 1804ء/1217ھ |
| (6) ''دیوان غالب'' پہلی بار کس سنہ میں چھپا؟ | (6) 1841ء |
| (7) ''کفن'' کب شائع ہوا؟ | (7) 1935ء |
| (8) ''انگارے'' کس سنہ میں شائع ہوا؟ | (8) 1932ء |
| (9) ''نکات الشعراء'' کس سنہ میں لکھا گیا؟ | (9) 1752ء/1165ھ |
| (10) ''نئے نام'' کب تصنیف ہوئی؟ | (10) 1968ء |
| (11) ''بانگ درا'' کب شائع ہوئی؟ | (11) 1924ء |
| (12) ''بال جبریل'' کی اشاعت کب ہوئی؟ | (12) 1932ء |
| (13) ''ضرب کلیم'' کب شائع ہوا؟ | (13) 1935ء/1936ء |
| (14) فراق کا مجموعہ ''گل نغمہ'' کس سنہ میں شائع ہوا؟ | (14) 1959ء |
| (15) یگانہ کا مجموعہ ''نشتر یاس'' کب شائع ہوا؟ | (15) 1914ء |
| (16) یگانہ کا مجموعہ ''آیاتِ وجدانی'' کب شائع ہوا؟ | (16) 1927ء |
| (17) یگانہ کے رباعیوں کا مجموعہ ''ترانہ'' کب شائع ہوا؟ | (17) 1933ء |
| (18) ''مشعلِ جاں'' کب منظر عام پر آیا؟ | (18) 1986ء |
| (19) ''اسباب بغاوت ہند'' سرسید نے کب لکھا؟ | (19) 1858ء |

| | |
|---|---|
| (20)''اسباب بغاوت ہند'' رسالہ کب چھپا؟ | (20)1859ء |
| (21)افسانہ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' کب شائع ہوا؟ | (21)1907ء |
| (22)افسانہ''سیر درویش'' کب شائع ہوا؟ | (22)اپریل1908ء |
| (23)''سوز وطن'' کب شائع ہوا؟ | (23)جون1908ء |
| (24)''کاغذی پیرہن'' کس سنہ میں لکھا گیا؟ | (24)1955ء |
| (25)''نیا عہد نامہ'' کس سنہ میں وجود پذیر ہوا؟ | (25)1965ء |
| (26)''زندگی اے زندگی'' کب زیور طباعت سے آراستہ ہوا؟ | (26)1983ء |
| (27)جوش کا دوسرا مجموعہ''نقش ونگار'' کب شائع ہوا؟ | (27)1936ء |
| (28)اختر الایمان کا پہلا مجموعہ''گرداب'' کس سنہ میں شائع ہوا؟ | (28)1945ء |
| (29)اختر الایمان کی کلیات''سروسامان'' کس سنہ میں شائع ہوا؟ | (29)1983ء |
| (30)فیض کا پہلا مجموعہ کلام''نقش فریادی'' کس سنہ میں منظر عام پر آیا؟ | (30)1941ء |
| (31)فیض کا شعری مجموعہ''دستِ صبا'' کب شائع ہوا؟ | (31)1953ء |
| (32)مخدوم کا پہلا شعری مجموعہ''سرخ سویرا'' کس سنہ میں شائع ہوا؟ | (32)1944ء |
| (33)مخدوم کا دوسرا شعری مجموعہ''گلِ تر'' کب شائع ہوا؟ | (33)1961ء |
| (34)فورٹ ولیم کالج کا قیام کس سنہ میں ہوا؟ | (34) 10/جولائی 1800ء (کلکتہ) |
| (35)انجمن ترقی پسند مصنفین کا آغاز کس سنہ میں ہوا؟ | (35)1936ء |
| (36)فورٹ ولیم کالج کب بند کر دیا گیا؟ | (36)1854ء |
| (37)دہلی کالج کب قائم ہوا؟ | (37)1825ء |

| | |
|---|---|
| (38) ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام کب اور کہاں ہوا؟ | (38) 1862ء (غازی پور) |
| (39) سائنٹفک سوسائٹی کا قیام کب اور کہاں ہوا؟ | (39) 1864ء (دہلی) |
| (40) ولی کا دیوان دلی کب آیا؟ | (40) 1700ء |
| (41) غالب نے کب سے خطوط لکھنا شروع کیا؟ | (41) 1848ء |
| (42) اعلیٰ تعلیم کے لیے اقبال انگلینڈ کب گئے؟ | (42) 1905ء |
| (43) کس صدی کو اردو کا عہدِ زریں (Golden Age) کہا جاتا ہے؟ | (43) 18 رویں صدی |

## اہم کتابوں کے حوالے سے: چند سوالات

| اسمائے کُتب | اسمائے مصنفین |
|---|---|
| (1) سخن ہائے گفتنی | (1) کلیم الدین احمد |
| (2) فن داستان گوئی | (2) کلیم الدین احمد |
| (3) اردو تنقید پر ایک نظر | (3) کلیم الدین احمد |
| (4) اردو شاعری پر ایک نظر | (4) کلیم الدین احمد |
| (5) سوانح مولانا روم | (5) شبلی |
| (6) شہیدِ جستجو | (6) پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی |
| (7) مسرت سے بصیرت تک | (7) آل احمد سرور |
| (8) تنقیدی اشارے | (8) آل احمد سرور |
| (9) روایت اور بغاوت | (9) سید احتشام حسین |
| (10) ادب اور سماج | (10) سید احتشام حسین |
| (11) شعرالعجم | (11) علامہ شبلی نعمانی |

(12) کاشف الحقائق
(13) سخن دانِ فارس
(14) گنج ہائے گراں مایہ
(15) طنزیات و مضحکات
(16) آشفتہ بیانی میری
(17) ارسطو سے ایلیٹ تک
(18) پی کہاں
(19) صنوبر کے سایے
(20) نیا عہد نامہ
(21) ہندوستانی لسانیات
(22) اردو لسانیات
(23) تنقیدی جائزہ
(24) شعر شور انگیز
(25) صراطِ منزل
(26) اسباب بغاوت ہند
(27) آثار الصنادید
(28) الفاروق
(29) المامون
(30) سیرۃ النبیؐ
(31) تاریخ زبان اردو
(32) لسانی مطالعے
(33) اردو کا ابتدائی زمانہ

(12) امداد امام اثر
(13) محمد حسین آزاد
(14) رشید احمد صدیقی
(15) رشید احمد صدیقی
(16) رشید احمد صدیقی
(17) جمیل جالبی
(18) رتن ناتھ سرشار
(19) حجاب امتیاز علی
(20) خلیل الرحمٰن اعظمی
(21) محی الدین قادری زورؔ
(22) شوکت سبزواری
(23) سید احتشام حسین
(24) شمس الرحمٰن فاروقی
(25) عاشور کاظمی
(26) سر سید احمد
(27) سر سید احمد
(28) شبلی نعمانی
(29) شبلی نعمانی
(30) شبلی نعمانی
(31) رام بابو سکسینہ
(32) گیان چند جین
(33) شمس الرحمٰن فاروقی

| | |
|---|---|
| (34) اردو کی تنقیدی تاریخ | (34) سید احتشام حسین |
| (35) داستانِ تاریخ زبان اردو | (35) حامد حسن قادری |
| (36) تاریخ ادب اردو | (36) جمیل جالبی |
| (37) تاریخ ادب اردو | (37) وہاب اشرفی |
| (38) اردو ادب کی تاریخ | (38) تبسم کاشمیری |
| (39) مقدمۂ تاریخِ زبان اردو | (39) مسعود حسین خاں |
| (40) اردو کی لسانی تشکیل | (40) مرزا خلیل بیگ |

یاد رکھیں:۔ 'تاریخ ادب اردو' نام سے جمیل جالبی اور وہاب اشرفی دونوں نے لکھا ہے۔ اگر سوال یہی آئے تو Option دیکھیں اس میں دونوں نام میں سے کسی ایک کا نام رہے گا وہی Tick کریں دونوں نام کبھی بھی ایک سوال میں نہیں رہے گا۔ ہوشیاری سے کام لیں

## کچھ ایسے شعراء جن کا کبھی کبھی 'پورا نام' پوچھا جاتا ہے

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) شاہ حاتم کا پورا نام کیا ہے؟ | (1) شاہ ظہور الدین حاتم |
| (2) مظہر کا پورا نام کیا ہے؟ | (2) مرزا مظہر جانِ جاناں |
| (3) یقین کا پورا نام بتائیے؟ | (3) انعام اللہ خاں یقین |
| (4) یکرو کا پورا نام لکھیے؟ | (4) عبدالوہاب یکرو |
| (5) آبرو کا پورا نام کیا ہے؟ | (5) نجم الدین عرف شاہ مبارک آبرو |
| (6) آرزو کا پورا نام کیا ہے؟ | (6) سراج الدین علی خاں آرزو |
| (7) مضمون کا پورا نام کیا ہے؟ | (7) شیخ شرف الدین مضمون |
| (8) فائز کا پورا نام کیا ہے؟ | (8) نواب صدر الدین خاں فائز |

# کچھ ایسے شعراء جن کا کبھی کبھی "اصل نام" پوچھا جاتا ہے

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) جوش ملیح آبادی کا اصل نام کیا ہے؟ | (1) شبیر حسن خاں |
| (2) مجروح سلطان پوری کا اصل نام کیا ہے؟ | (2) اسرار الحسن |
| (3) نواب مرزا شوق کا اصل نام کیا ہے؟ | (3) حکیم تصدق حسین |
| (4) فانی بدایونی کا اصل نام کیا ہے؟ | (4) شوکت علی خاں |
| (5) پریم چند کا اصل نام کیا ہے؟ | (5) منشی دھنپت رائے |
| (6) فراق گورکھپوری کا اصل نام کیا ہے؟ | (6) رگھوپتی سہائے |
| (7) حسرت موہانی کا اصل نام کیا ہے؟ | (7) سید فضل الحسن |
| (8) ابوالکلام آزاد کا اصل نام کیا ہے؟ | (8) محی الدین احمد |
| (9) میر انیس کا اصل نام کیا ہے؟ | (9) میر ببر علی |
| (10) نظیر اکبر آبادی کا اصل نام کیا ہے؟ | (10) شیخ ولی محمد |
| (11) جگر مراد آبادی کا اصل نام کیا ہے؟ | (11) علی سکندر |

# کسے کیا کہا جاتا ہے؟

| سوالات | جوابات |
|---|---|

| | |
|---|---|
| (7)''باغی شاعر'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (7) مجازؔ لکھنوی |
| (8)''لسان العصر'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (8) اکبرالہ آبادی |
| (9)''شاعرِ رومان'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (9) اختر شیرانی |
| (10)''شاعرانقلاب'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (10) جوش ملیح آبادی |
| (11)''شاعرِ مشرق'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (11) اقبال |
| (12)''ریختی کا موجد'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (12) سعادت یار خاں رنگینؔ |
| (13)''شاعرِ بے دماغ'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (13) میر تقی میر |
| (14)''غالب شکن'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (14) یگانہ چنگیزی |
| (15)''دبستانِ دہلی'' کا آخری شاعر کسے کہا جاتا ہے؟ | (15) داغ دہلوی |
| (16)''شاعرِ فردا'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (16) غالبؔ |
| (17)''قنوطی شاعر'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (17) فانی بدایونی |
| (18)''یاسیات کا امام'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (18) فانؔی بدایونی |
| (19) اردو کا سب سے بڑا قادرالکلام شاعر کسے کہا جاتا ہے؟ | (19) مصحفؔی |
| (20)''جدید غزل کا معمار'' کن شعراء کو کہا جاتا ہے؟ | (20) شادؔ، اقبالؔ، حسرت موہاؔنی |
| (21)''شعورِ حیات'' کا شاعر کسے کہا جاتا ہے؟ | (21) یگانہ چنگیزی |
| (22)''دبیر شکن'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (22) علامہ شبلی نعمانی |
| (23)''شوکتِ الفاظ کا شہنشاہ'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (23) جوش ملیح آبادی |
| (24)''عوامی شاعر'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (24) نظیر اکبرآبادی |
| (25)''پیامی شاعر'' کسے کہا جاتا ہے؟ | (25) اکبرالہ آبادی |

| | |
|---|---|
| (26) "محنت کشوں کا شاعر" کسے کہا جاتا ہے؟ | (26) مخدوم محی الدین |
| (27) "اشتراکیت کا نقیب" کسے کہا جاتا ہے؟ | (27) مخدوم محی الدین |
| (28) "مصورِ فطرت" کسے کہا جاتا ہے؟ | (28) خواجہ حسن نظامی |

| شعراء، ادباء کے اسماء گرامی | سنہِ پیدائش صدی کی ترتیب کے ساتھ | وفات |
|---|---|---|
| (1) امیر خسرو | 1253ء | 1325ء |
| (2) محمد قلی قطب شاہ | 1566ء | 1611ء |
| (3) ولی دکنی | 1650ء | 1720-25ء |
| (4) جعفر زٹلی | 1653ء | 1713ء |
| (5) مرزا مظہر جانِ جاناں | 1701ء | 1780ء |
| (6) مرزا محمد رفیع سودا | 1710ء | 1781ء |
| (7) خواجہ میر درد | 1721ء | 1785ء |
| (8) میر تقی میر | 1722ء | 1810ء |
| (9) نظیر اکبر آبادی | 1735ء | 1830ء |
| (10) میر حسن | 1741ء | 1786ء |
| (11) غلام ہمدانی مصحفی | 1748ء | 1824ء |
| (12) انشاءاللہ خاں انشاء | 1756ء | 1818ء |
| (13) امام بخش ناسخ | 1772ء | 1837ء |
| (14) بہادر شاہ ظفر | 1775ء | 1862ء |
| (15) آتش لکھنوی | 1778ء | 1847ء |
| (16) رجب علی بیگ سرور | 1785ء | 1869ء |

| | | |
|---|---|---|
| (17) شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ | 1789ء | 1854ء |
| (18) مرزا اسداللہ خاں غالبؔ | 1797ء | 1869ء |
| (19) حکیم مومن خاں مومنؔ | 1800ء | 1852ء |
| (20) میر انیس | 1802ء | 1874ء |
| (21) مرزا دبیر | 1803ء | 1875ء |
| (22) دیا شنکر نسیمؔ | 1811ء | 1845ء |
| (23) سر سید احمد | 1817ء | 1898ء |
| (24) الطاف حسین حالیؔ | 1830ء | 1914ء |
| (25) محمد حسین آزاد | 1830ء | 1910ء |
| (26) مرزا فرحت اللہ بیگ | 1830ء | 1947ء |
| (27) داغ دہلوی | 1831ء | 1905ء |
| (28) شاد عظیم آبادی | 1846ء | 1927ء |
| (29) اکبر الہ آبادی | 1846ء | 1924ء |
| (30) نظم طباطبائی | 1853ء | 1933ء |
| (31) شبلی نعمانی | 1857ء | 1914ء |
| (32) سرور جہاں آبادی | 1873ء | 1910ء |
| (33) علامہ اقبال | 1877ء | 1938ء |
| (34) فانی بدایونی | 1879ء | 1941ء |
| (35) پریم چند | 1880ء | 1936ء |
| (36) حسرت موہانی | 1881ء | 1951ء |
| (37) برج نرائن چکبست | 1882ء | 1926ء |
| (38) اصغر گونڈوی | 1884ء | 1936ء |

| | | |
|---|---|---|
| (39)ابوالکلام آزاد | 1888ء | 1985ء |
| (40) جگر مرادآبادی | 1890ء | 1960ء |
| (41) جوش ملیح آبادی | 1894ء | 1982ء |
| (42) فراق گورکھپوری | 1896ء | 1982ء |
| (43) رشید احمد صدیقی | 1898ء | 1977ء |
| (44) امتیاز علی تاج | 1900ء | 1970ء |
| (45) کلیم الدین احمد | 1908ء | 1983ء |
| (46) فیض احمد فیض | 1911ء | 1984ء |
| (47) سعادت حسن منٹو | 1912ء | 1955ء |
| (48) علی سردار جعفری | 1913ء | 2000ء |
| (49) کرشن چندر | 1914ء | 1977ء |
| (50) راجندر سنگھ بیدی | 1915ء | 1984ء |
| (51) عصمت چغتائی | 1915ء | 1991ء |
| (52) قرۃ العین حیدر | 1927ء | 2007ء |

## اہم نکات:-

(1) یاد کرنے میں سہولت ہوگی

(2) یاد رکھنے میں سہولت ہوگی

(3) کون کس کے ہم عصر ہیں یہ پتا کرنے میں آسانی ہوگی

(4) ایک ہم عصر کی تاریخ یاد کر کے دوسرے ہم عصر کی تاریخ نکال سکتے ہیں جیسے سعادت حسن منٹو کی تاریخ پیدائش 1912ء ہے جو مجھے یاد ہے۔اسی طرح ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ کرشن چندر، منٹو کے 2رسال بعد اور راجندر سنگھ بیدی 3رسال

بعد پیدا ہوئے۔لہٰذا یاد نہ رکھ کر بھی Recall کر سکتے ہیں

(5) یاد کرتے وقت ایک ہم عصر کی تاریخ یاد کریں بقیہ کون ہم عصر کتنے سال بڑا ہے یا چھوٹا، اس کو صرف یاد رکھیں۔امتحان میں بہت فائدہ ہوگا

# پیدائش کہیں اور......وفات کہیں اور

| اسمائے شعرائے کرام | مقام پیدائش | مقام وفات |
|---|---|---|
| (1)ولی دکنی | اورنگ آباد | احمد آباد |
| (2)سودا | دہلی | لکھنؤ |
| (3)میر | آگرہ | لکھنؤ |
| (4)آتش | فیض آباد | لکھنؤ |
| (5)ناسخ | فیض آباد | لکھنؤ |
| (6)غالب | اکبرآباد(آگرہ) | دہلی |
| (7)داغ | دہلی | حیدرآباد |
| (8)اقبال | سیالکوٹ | لاہور |
| (9)حسرت موہانی | اناؤ | لکھنؤ |
| (10)فانی | بدایوں | حیدرآباد |
| (11)فیض | سیالکوٹ | لاہور |
| (12)جوش | ملیح آباد | کراچی |
| (13)نظیر اکبرآبادی | دہلی | آگرہ |
| (14)انشاءاللہ خاں انشاء | مرشدآباد | لکھنؤ |
| (15)مولانا محمد علی جوہر | رام پور | لندن |
| (16)جگر مرادآبادی | مرادآباد | گونڈہ |

| | | |
|---|---|---|
| (17) جمیل مظہری | سیوان | پٹنہ |
| (18) علی سردار جعفری | گونڈہ | ممبئی |

یاد رکھیں:- مذکورہ بالا شعراء میں سے کسی کے متعلق بھی سوال ہر سال "NET" میں آتا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ UPSC امتحان تک میں پوچھ لیا جاتا ہے اسی لیے اسے بھی یاد رکھیں۔

# کرداروں کی دنیا

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) 'دشمن' کس ناول کا کردار ہے؟ | (1) ٹیڑھی لکیر |
| (2) 'بدر منیر' کس مثنوی کا کردار ہے؟ | (2) سحرالبیان |
| (3) 'مرزا ظاہر بیگ' کس ناول کا کردار ہے؟ | (3) توبۃ النصوح |
| (4) 'تاج الملوک' کس مثنوی کا کردار ہے؟ | (4) گلزارِ نسیم |
| (5) 'دلآرام' کس ڈراما کا کردار ہے؟ | (5) انارکلی |
| (6) 'ماہ رخ' کس مثنوی کا کردار ہے؟ | (6) سحرالبیان |
| (7) 'مدن بان' کس داستان کا کردار ہے؟ | (7) رانی کیتکی کی کہانی |
| (8) 'حاجی بغلول' کا کردار کس نے پیش کیا ہے؟ | (8) سجاد حسین |
| (9) 'گوتم نیلمبر' کس ناول کا کردار ہے؟ | (9) آگ کا دریا |
| (10) 'چمپا بائی' کس ناول کا کردار ہے؟ | (10) آگ کا دریا |
| (11) 'کنول کماری' کا کردار کس ناول میں ہے؟ | (11) آنگن |
| (12) 'ہوری' پریم چند نے کس میں استعمال کیا ہے؟ | (12) گئودان |
| (13) 'خانم' کس ناول کا کردار ہے؟ | (13) امراؤ جان ادا |
| (14) 'حسن و دل' کس داستان کے کردار ہیں؟ | (14) سب رس |
| (15) 'مُندر لال' کس افسانہ کا کردار ہے؟ | (15) لاجونتی |

| سوالات | جوابات |
| --- | --- |
| (16) 'مہ جبیں' نامی کردار نواب مرزا شوق لکھنوی نے کس مثنوی میں اختیار کیا ہے؟ | (16) زہرِ عشق |
| (17) 'میاں خوجی' کا کردار رتن ناتھ سرشار نے کہاں استعمال کیا ہے؟ | (17) فسانۂ آزاد |
| (18) 'رانو' کا کردار راجندر سنگھ بیدی نے کہاں پیش کیا ہے؟ | (18) ایک چادر میلی سی |
| (19) 'طوطا رام' کس افسانے کا کردار ہے؟ | (19) نرملا |

# اخبار نویسی کی تاریخ

| سوالات | جوابات |
| --- | --- |
| (1) دنیا میں سب سے پہلے، پہلا مطبوعہ خبرنامہ 1609ء میں کہاں جاری کیا گیا؟ | (1) جرمنی |
| (2) دوسرا مطبوعہ خبرنامہ کب شائع ہوا؟ | (2) 1611ء |
| (3) پہلا باضابطہ خبرنامہ انگریزی زبان میں کب شائع ہوا؟ | (3) 1620ء |
| (4) پہلا باضابطہ خبرنامہ جو انگریزی زبان میں تھا، اُس کا نام کیا تھا؟ | (4) ویکلی نیوز (Weekly News) |
| (5) 1631ء میں فرانس سے کس نام سے خبرنامہ جاری ہوا؟ | (5) گزٹ آف فرانس |
| (6) امریکہ کے پہلے اخبار کا نام کیا تھا؟ | (6) پبلک آکورنسیز |
| (7) ''پبلک آکورنسیز'' بوسٹن سے کب جاری ہوا؟ | (7) 1690ء |
| (8) ہندستان میں 16ویں صدی کے وسط میں کن لوگوں نے چھاپہ خانہ قائم کیا؟ | (8) پرتگیزی حضرات |

| | |
|---|---|
| (9) ہندستان میں سب سے پہلے ممبئی کے مقام پر کب چھاپہ خانہ شروع ہوا؟ | (9)1674ء |
| (10) ہندستان میں سب سے پہلا مطبوعہ اخبار 'آگسٹس ہکی' نے کب نکالا؟ | (10)29/جنوری 1780ء |
| (11) 'آگسٹس ہکی' نے اخبار کس زبان میں اور کہاں سے نکالا؟ | (11) انگریزی، کلکتہ |
| (12) 'آگسٹس ہکی' نے کس نام سے اخبار نکالا؟ | (12) ہکیز بنگال گزٹ |
| (13) کلکتہ سے بنگالی اخبار کب سے نکلنا شروع ہوا؟ | (13)1816ء |
| (14) 'منشی سدا سکھ' نے اردو کا پہلا اخبار ''جامِ جہاں نما'' کلکتہ سے کب نکالا؟ | (14)1822ء |

## رسالہ/اخبار کے حوالے سے

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) ''نوائے ادب'' کا تعلق کس شہر سے ہے؟ | (1) ممبئی |
| (2) ''شب خون'' کہاں سے جاری ہوا؟ | (2) الہ آباد |
| (3) دلی کا پہلا اردو اخبار 'دہلی اردو اخبار'' کے نام سے کس نے نکالا؟ | (3) مولوی محمد باقر |
| (4) ابوالکلام آزاد نے ''لسان الصدق'' کتنے سال کی عمر میں جاری کیا؟ | (4)15/سال |
| (5) الہلال' اور' البلاغ'' دونوں میں پہلے کون جاری ہوا؟ | (5) الہلال |
| (6) ''الہلال' اور' البلاغ'' کے مدیر کون تھے؟ | (6) ابوالکلام آزاد |
| (7) کن دو رسالوں کے جوش ملیح آبادی مدیر رہے ہیں؟ | (7)(i) کلیم (ii) آج کل |
| (8) اکبر الہ آبادی کس اخبار میں لکھا کرتے تھے؟ | (8) اودھ پنچ |

| | |
|---|---|
| (9) ''ریاض الاخبار'' کس نے جاری کیا؟ | (9) ریاض خیرآبادی |
| (10) رسالہ ''ہنس'' کس نے جاری کیا؟ | (10) پریم چند |
| (11) اخبار ''اودھ پنچ'' کے ایڈیٹر کون تھے؟ | (11) سجاد حسین |
| (12) ''زمیندار'' کے مدیر کون تھے؟ | (12) ظفر علی خاں |
| (13) ''زمیندار'' کہاں سے نکلتا تھا؟ | (13) لاہور |
| (14) ''الہلال'' کہاں سے نکلتا تھا؟ | (14) کلکتہ |
| (15) ''ہمدرد'' اردو اخبار کس نے جاری کیا؟ | (15) مولانا محمد علی جوہر |
| (16) رسالہ ''نگار'' کے بانی کون تھے؟ | (16) نیاز فتح پوری |
| (17) ''الہلال'' کب جاری ہوا؟ | (17) 1912ء |

یاد رکھیں: اگر سوال صرف یہ پوچھا جائے کہ اردو کا پہلا اخبار کون ہے تو اُس وقت جواب ہوگا ''جامِ جہاں نما''۔ لیکن اگر یوں پوچھا جائے کہ دلی کا پہلا اردو اخبار کون ہے تو ''دہلی کا اردو اخبار'' جواب ہوگا۔ جواب Tick کرتے وقت ہوشیاری سے کام لیں۔

## عام معلومات (G.K.)

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) محمد بن تغلق نے اپنی سلطنت دلی سے دیوگری کب منتقل کیا؟ | (1) 1327ء |
| (2) بہمنی سلطنت کے بکھراؤ سے کون سی پانچ ریاستیں بنیں؟ | (2) گول کنڈہ، بیجاپور احمد نگر، بیدر، برار |
| (3) گول کنڈہ کا علاقہ آج کس شہر سے متعلق ہے؟ | (3) حیدرآباد |
| (4) بیجاپور کے علاقے سے کون سا علاقہ مراد ہوتا ہے؟ | (4) مہاراشٹر اور آندھر پردیش کا علاقہ |

(5)'حیدرآباد' کس بادشاہ کی یادگار ہے؟
(6)''ارسطو'' کے استاد کا نام کیا تھا؟
(7)ہندستان کی پہلی پروفیشنل پائلٹ کون تھیں؟
(8)''انارکلی'' کے رقیب کا نام کیا تھا؟
(9)''ثریا'' کس کا نام تھا؟
(10)امتیاز علی تاج کی بیوی کا نام کیا ہے؟
(11)"Republic" کس یونانی نقاد کی کتاب ہے؟
(12)حالی کے مطابق؛ شاعری کی تین شرطیں کیا کیا ہیں؟
(13)حالی اور شبلی میں مغرب کی پیروی کے طرفدار کون ہیں؟
(14)حالی اور شبلی میں ادب کی افادیت کے کم قائل کون ہیں؟
(15)سب سے زیادہ دواوین، کس شاعر کے ہیں؟
(16)سجاد ظہیر کی بیوی کا نام کیا ہے؟
(17)اردو شاعری کا تشکیلی دور کیا ہے؟
(18)اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف کیا ہے؟
(19)فائز دہلوی کے دور کو کیا کہا جاتا ہے؟
(20)ایہام گوئی کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کرنے والے شاعر کون ہیں؟
(21)''ولی'' کس دوست کے ساتھ دلّی آئے؟
(22)ولی کی ملاقات دہلی میں کس صوفی منش سے ہوئی تھی؟
(23)سب سے پہلے تصوف کو برتنے والا شاعر کون ہے؟

(5)محمد قلی قطب شاہ
(6)افلاطون
(7)حجاب امتیاز علی
(8)دلآرام
(9)انارکلی کی چھوٹی بہن
(10)حجاب امتیاز علی
(11)افلاطون
(12)سادگی، اصلیت جوش
(13)حالؔی
(14)شبلی
(15)مصحفی (8/دیوان)
(16)رضیہ سجاد ظہیر
(17)امیر خسرو سے لے کر قلی قطب شاہ تک
(18)غزل
(19)دورِ ایہام گویاں
(20)مرزا مظہر جانِ جاناں
(21)سید ابوالمعالی
(22)شاہ سعداللہ گلشن
(23)ولی

(24) وہ کون سا شاعر ہے جس کے شاعرانہ مزاج کو کلاسیکل (Classical) کہا جاتا ہے؟
(24) ولی

(25) اردو شاعری کی دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت شاعر کون تھا؟
(25) عبدالحی تاباںؔ

(26) وہ کون خوش قسمت شاعر ہے جس نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے درس میں حاضری دی؟
(26) مومنؔ

(27) بہار کے کس عظیم شاعر نے مرزا دبیر سے اصلاح لی تھی؟
(27) شاد عظیم آبادی

(28) جگر مرادآبادی کے کس مجموعہ کلام پر ساہتیہ اکیڈمی کا انعام ملا؟
(28) آتشِ گل

(29) علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے آتشِ گل کی وجہ کر جگر مراد آبادی کو کیا دیا؟
(29) D.Lit کی ڈگری

(30) 'غالب کا چچا'' خود کو کون شاعر بتاتا تھا؟
(30) یگانہ

(31) امیر مینائی کا اصل کارنامہ کیا ہے؟
(31) نعت کو ایک مستقل صنفِ سخن کا درجہ دینا

(32) میر ضمیر کا اصل نام کیا تھا؟
(32) میر مظفر حسین ضمیر

(33) میر ضمیر کے استاد کا نام کیا تھا؟
(33) مصحفی

(34) ''فصیح'' اور ''دلگیر'' کس کے شاگرد تھے؟
(34) امام بخش ناسخ

(35) اردو شاعری میں کردار نگاری کی ابتدا کس نے کی؟
(35) میر حسن

(36) اردو شاعری میں کردار نگاری میں کامیاب نمونے کس نے پیش کیے؟
(36) میر انیس

(37) اردو شاعری میں سب سے زیادہ الفاظ کس شاعر نے استعمال کیا؟
(37) میر انیس

| | |
|---|---|
| (38) دبیر کہاں پیدا ہوئے اور کب؟ | (38) دلی، 1803ء |
| (39) میر ضمیر کے شاگرد کا نام کیا ہے؟ | (39) مرزا دبیر |
| (40) انیس نے کس کے مشورے پر اپنا تخلص انیس کرلیا؟ | (40) امام بخش علی ناسخ |
| (41) نادرشاہی حملے نے دہلی والوں کی کب کمر توڑی تھی؟ | (41) 1739ء |
| (42) حالی کے ادبی سفر کو صحیح سمت عطا کرنے میں غالب کے علاوہ دوسری شخصیت کون تھی؟ | (42) شیفتہ |
| (43) حالی کی کون سی نظم مہاتما گاندھی کو بہت پسند تھی؟ | (43) مناجاتِ بیوہ |
| (44) محمد حسین آزاد کے دونوں شعری مجموعے کو کس شاگرد نے ترتیب دیا؟ | (44) ممتاز علی |
| (45) محمد حسین آزاد کے دونوں شعری مجموعے کے نام کیا ہیں؟ | (45) (i) نظم دل افروز<br>(ii) مجموعۂ نظم آزاد |
| (46) 1898ء میں عدالتی خدمات کے عوض خان بہادر کے خطاب سے کسے نوازا گیا؟ | (46) اکبرالہ آبادی |
| (47) اکبر نے کتنے دواوین یادگار چھوڑے؟ | (47) چار |
| (48) وہ کون سا نظم گوشاعر ہے جس نے دنیا کو سب سے کم دیکھا؟<br>(صرف 37 سال) | (48) سرور جہاں آبادی |
| (49) اقبال کے آباء واجداد نسلاً کیا تھے؟ | (49) سپرو برہمن |
| (50) اقبال نے میونخ یونی ورسٹی سے کیا کیا؟ | (50) Ph.D |
| (51) اقبال کی ذہنی تربیت میں 'میر حسن' کے علاوہ اور کن لوگوں کا ہاتھ رہا؟ | (51) تھامس آرنالڈ اور پروفیسر نکلسن |
| (52) انگلینڈ میں اقبال کتنے سال رہے؟ | (52) 3 سال |

| | |
|---|---|
| (53) ارنالڈ کا تعلق گورنمنٹ کالج لاہور سے تھا تو نکلسن کا تعلق کہاں سے تھا؟ | (53) کیمبرج یونی ورسٹی |
| (54) اردو شاعری کو انیس کے بعد خزانۂ الفاظ سب سے زیادہ کس نے دیا ہے؟ | (54) جوش ملیح آبادی |
| (55) اردو شاعری میں 'ابہام' اور 'علامت نگاری' کا تجربہ سب سے پہلے کس نے کیا؟ | (55) میرا جی |
| (56) کس ہندو بنگالی لڑکی نے میرا جی کو اپنے عشق میں پاگل بنا دیا تھا؟ | (56) مترا سین |
| (57) قانون، ہم راز، وقت، پتھر کے صنم، اور دھرم پُتر جیسی مشہور فلموں کے مکالمے کس شاعر نے لکھے؟ | (57) اختر الایمان |
| (58) حالی نے اردو نثر کا مورث اعلیٰ کسے قرار دیا ہے؟ | (58) غالب |
| (59) مرزا غالب کے والد کا کیا لقب تھا؟ | (59) مرزا دولہا |
| (60) اصلاح زبان کے لیے کون شاعر مشہور ہے؟ | (60) ناسخ |
| (61) 1857ء کی بغاوت کس شہر سے شروع ہوئی؟ | (61) میرٹھ |
| (62) رشید احمد صدیقی کہاں پیدا ہوئے؟ | (62) جون پور |
| (63) ''عجائب القصص'' کا مصنف دکن میں سے کون ہے؟ | (63) شاہ عالم ثانی |
| (64) ''ادب برائے زندگی'' کس کا نظریہ تھا؟ | (64) ترقی پسند تحریک |
| (65) جنگ آزادی میں کس ادیب نے سب سے زیادہ حصہ لیا؟ | (65) ابوالکلام آزاد |
| (66) ''تلاشِ حق'' کس کی آپ بیتی کا اردو ترجمہ ہے؟ | (66) مہاتما گاندھی |
| (67) تاریخی نثر نگار کون ہے؟ | (67) واجد علی شاہ |
| (68) اردو کا فرانسیسی عالم کون ہے؟ | (68) گارساں دتاسی |

| | |
|---|---|
| (69) دیوانِ غالب کے حوالے سے سب سے اہم کام کس نے کیا ہے؟ | (69) امتیاز علی عرشی |
| (70) امانت لکھنوی کا اصل نام کیا ہے؟ | (70) آغا حسن |
| (71) میر حسن کے والد کا نام کیا تھا؟ | (71) ضاحک |
| (72) ''تاریخِ ہندوستان'' سرسید کے کس دوست نے لکھی؟ | (72) منشی ذکاء اللہ |
| (73) 'راول پنڈی سازش کیس' کی اسیری کے حوالے سے کون شاعر جانا جاتا ہے؟ | (73) فیضؔ |
| (74) الطاف حسین حالؔی کے علاوہ وہ کون سا بڑا شاعر جو حافظِ قرآن بھی تھا؟ | (74) فیضؔ |
| (75) فیضؔ کو 'لینن امن ایوارڈ' کس سنہ میں ملا؟ | (75) 1962ء |
| (76) وہ کون سا شاعر ہے جس کا تخلص، اُن کے اصل نام کے پہلے ہے؟ | (76) مخدومؔ محی الدین |
| (77) جیل سے آنے کے بعد، فیض کا کون سا شعری مجموعہ منظرِ عام پر آیا؟ | (77) زنداں نامہ |
| (78) 'تلنگانہ تحریک' کے حوالے سے کس نظم نگار کو یاد کیا جاتا ہے؟ | (78) مخدوم محی الدین |
| (79) 'شاہین' لفظ کو بطورِ استعارہ سب سے زیادہ کس شاعر نے استعمال کیا ہے؟ | (79) اقبال |
| (80) دکن کے کس بادشاہ کو 'جگت گرو' کہا جاتا ہے؟ | (80) ابراہیم عادل شاہ |
| (81) 'انانیت پسند ادب' کس ادیب کے یہاں ملتا ہے؟ | (81) ابوالکلام آزاد |

# اختلافی دنیا

## (i) کچھ اختلافات: شخصیات کے حوالے سے

### (ایسے سوالات نہیں پوچھے جاتے ہیں)

### محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش کے سلسلے میں

ڈاکٹر جمیل جالبی کے قول کے مطابق محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش 1565ء اور وفات 1611ء ہے۔ (ص:410 تاریخ ادب اردو جلد اول: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے قول کے مطابق محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش 1566ء اور وفات 1612ء ہے(ص:162 اردو ادب کی تاریخ ایم۔ آر پبلکیشنز، نئی دہلی)

پروفیسر نورالحسن نقوی کے قول کے مطابق محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش 1525ء اور وفات 1612ء ہے(ص:71 تاریخ ادب اردو ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ)

فیصلہ: محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش کے حوالے سے 1525ء صحیح نہیں خواہ کسی بھی صورت میں۔ جہاں تک 1565ء یا 1566ء کی بات ہے تو ان دونوں تاریخوں میں سے ابھی حتمی طور پر فیصلہ نہیں ہو سکا ہے پیدائش کے سلسلے میں 1565ء یا 1566ء ہی امتحان میں رہے گا، ویسے اختلافی سوالات عموماً نہیں آتے ہیں جہاں تک وفات کی بات ہے تو 1611ء زیادہ قابلِ قبول تاریخ ہے۔

## ولی کے نام کے سلسلے میں

ڈاکٹر تبسم کاشمیری ص:228 پر اردو ادب کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ولی کا اصل نام ''ولی محمد'' یا ''ولی اللہ'' تھا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے قول کے مطابق ولی کا نام ''ولی محمد'' ہے (ص:533/تاریخِ ادب اردو) تذکرہ مجموعۂ نغز میں ''محمد ولی'' بتایا گیا ہے۔

ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی کی تصنیف میں ''ولی اللہ'' یا ''شاہ ولی اللہ'' ہے۔

فیصلہ: ان تمام اقوال میں صحیح ترین قول ''ولی محمد'' ہے چوں کہ اس کی تائید ولی کے محبوب دوست سید ابوالمعالی کے لڑکے سید محمد تقی کے نقل کردہ ''دیوانِ ولی'' سے بھی ہوتی ہے۔

## ولی دکنی تھے یا گجراتی

ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے ولی کو گجراتی بتایا ہے اور دوسرے محققین اسے دکنی بتاتے ہیں جب کہ اس میں کوئی اختلاف کی بات نہیں ہے۔ ولی اصل میں گجرات میں ہی پیدا ہوئے تھے

سید احتشام حسین کے قول کے مطابق 1740ء کے قریب ہوئی۔

(ص:115/اردو ادب کی تنقیدی تاریخ)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے قول کے مطابق 1735ء ہے(ص:570/اردو ادب کی تاریخ)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے قول کے مطابق بھی 1735ء ہے(ص:1006/تاریخ ادب اردو)

فیصلہ: پیدائش کی صحیح تاریخ 1735ء ہی ہے

وجہِ ترجیح: وجہ یہ ہے کہ 1739ء میں نادر شاہی حملہ دہلی پر ہوا تھا اور تاریخ میں یہ بھی رقم ہے کہ وہ اس وجہ کر آگرہ چلے گئے۔تھے۔اگر 1740ء مانتے ہیں تو تاریخ کو جھٹلانا ہوگا

## نظیر اکبر آبادی کا اصل نام کیا ہے؟

جمیل جالبی کے قول کے مطابق ''شیخ ولی محمد''(ص:1006/تاریخ ادب اردو جلد سوم)

سید احتشام حسین کے مطابق نظیر کا نام ''ولی محمد'' تھا(اردو ادب کی تنقیدی تاریخ ص:115)

فیصلہ: نام تو اصل میں ''ولی محمد'' ہی ہے، کہیں کہیں ''شیخ'' لگا کر بھی آتا ہے ویسے امتحان میں اگر آئے گا تو دونوں Options نہیں رہیں گے لیکن دونوں بات یاد رکھیں۔

## میر تقی میر کا اصل نام کیا ہے؟

بقول محمد حسین آزاد: نام محمد تقی ہے، میر تخلص ہے(ص:194/آب حیات)

بقول پروفیسر نور الحسن نقوی بھی نام ''محمد تقی'' ہے(ص:92/تاریخ ادب اردو)

بقول تبسم کاشمیری بھی نام ''محمد تقی'' ہے(ص:322/اردو ادب کی تاریخ)

بقول جمیل جالبی بھی نام ''محمد تقی'' ہی ہے(ص:502/تاریخ ادب اردو، جلد دوم)

نوٹ:۔آج کی مطبوعہ کچھ کتابوں میں میر تقی میرؔ نام لکھا ہے جو غلط ہے اصل نام محمد تقی اور تخلص میرؔ ہے اِسے ذہن نشیں کر لیں

## مومن کی وفات کے سلسلے میں

آج کے کچھ نام نہاد محققین نے مومن کی تاریخِ وفات 1854ء لکھا ہے جو غلط ہے بلکہ صحیح تاریخ وفات 1852ء ہے جیسا کہ تبسم کاشمیری اور نورالحسن نقوی نے اپنی اپنی تاریخ اُردو کی کتابوں میں لکھا ہے۔

## ریختی کا موجد کون ہے؟

بقول پروفیسر نورالحسن نقوی ''ریختی کے موجد انشاء اور رنگین دونوں ہیں۔

(ص:54/تاریخ ادب اردو)

بقول جمیل جالبی ''ریختی کے موجد'' سعادت یار خاں رنگین ہیں۔

(ص:297/تاریخ ادب اردو، جلد سوم)

نوٹ:۔اب صرف ریختی کا موجد ''رنگین'' کو ہی مانا جاتا ہے۔

ایک غلطی: ''ریختی'' اصل میں ''ریختے'' تھا، کاتب نے ریختے کے یائے مجہول کو یائے معروف لکھ کر اسے ریختی بنا دیا ہے۔(ص:297/تاریخ ادب اردو، جمیل جالبی)

## (ii) کچھ اختلافات: تصانیف کے حوالے سے

## ''خالق باری'' کس کی تصنیف ہے

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ یہ امیر خسرو ہی کی تصنیف ہے۔

(ص:34/تاریخ ادب اردو: جلد اول)

ویسے ''خالق باری'' نام سے کئی کتابیں ہیں۔حافظ محمود شیرانی نے بتایا ہے کہ یہ ''ضیاء الدین خسروؔ'' کی تصنیف ہے جو صحیح نہیں ہے۔

وجہِ ترجیح: 'امیر خسروؔ کے ''خالق باری'' کے اشعار میں اضافہ کر کے اسے ضرورتِ زمانہ

کے مطابق نئی ترتیب اور اضافے کے ساتھ مرتب کر دیا گیا۔ بنیادی طور پر ''خالق باری'' امیر خسرو ہی کی تصنیف ہے۔ یاد رہے کہ اضافہ کرنے سے کسی بنیادی مصنف کا حق نہیں چھینا جاسکتا

## ''معراج العاشقین'' کس کی تصنیف ہے؟

ڈاکٹر حفیظ قتیل نے یہ انکشاف کیا کہ ''معراج العاشقین'' بندہ نواز گیسو دراز کی تصنیف نہیں۔ بلکہ یہ ''تلاوت الوجود'' کی تلخیص ہے جس کے مصنف مخدوم شاہ حسین تھے۔

(ص:97/ 98اردوادب کی تاریخ:تبسم کاشمیری)

ڈاکٹر گیان چند جین نے بھی لکھا ہے کہ خواجہ بندہ نواز نے اردو نثر میں کوئی رسالہ نہیں لکھا۔

(تاریخ ادب اردو، جلد دوم)

## ''قصہ چہار درویش'' کس کی تصنیف ہے؟

''قصہ چہار درویش'' کا امیر خسرو سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے جیسا کہ حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں۔

دلیل: اس میں دُور بین کا تذکرہ ہے جس کا وطن یوروپ ہے جو سترہویں صدی میں رائج ہوتا ہے لہٰذا امیر خسرو سے اس کا تعلق محض فسانہ ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔

## ''باغ و بہار'' کے حوالے سے

کچھ حضرات اس کی تاریخ 1803ء بتاتے ہیں، مگر جمیل جالبیؔ کے قول کے مطابق 1804ء ہے، وہ لکھتے ہیں کہ پہلی بار 1804ء میں ''باغ و بہار'' کے نام سے ہندوستانی پریس کلکتہ سے شائع ہوا۔ (ص:430/جلد سوم، تاریخ ادب اردو) امتحان میں دونوں تاریخوں میں سے ایک ہی رہے گا لیکن دونوں اقوال یاد رکھیں۔

# (i) غزل

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ و ردیف ہوں وہ کیا کہلاتا ہے؟ | (1) مطلع |
| (2) غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے کیا کہلاتا ہے؟ | (2) مقطع |
| (3) جس غزل میں ایک سے زیادہ مطلع ہوں تو پہلے مطلع کے بعد آنے والے مطلع کو کیا کہتے ہیں؟ | (3) حسنِ مطلع رزیب مطلع رمطلع ثانی |
| (4) ہم آہنگ الفاظ کو کیا کہتے ہیں؟ | (4) قافیہ |
| (5) قافیہ کے بعد آنے والے لفظ کو کیا کہتے ہیں؟ | (5) ردیف |
| (6) قافیہ کے آخر میں دوہرایا جانے والا لفظ کیا کہلاتا ہے؟ | (6) حرف روی |
| (7) حسنِ مطلع کا دوسرا نام کیا ہے؟ | (7) مطلع ثانی |
| (8) غزلیات میں کون ملک سب سے آگے ہے؟ | (8) ایران |
| (9) ''غزل کی گردن بلاتکلف ماردینی چاہئے۔'' یہ کس نے کہا ہے؟ | (9) عظمت اللہ خاں |
| (10) قافیہ کے بعد کیا آتا ہے؟ | (10) ردیف |
| (11) ردیف کے بعد کیا ہوتا ہے؟ | (11) کچھ نہیں |
| (12) کیا ردیف چار لفظ بھی ہوسکتا ہے؟ | (12) ہاں |
| (13) غزل میں قافیہ کی شرط ہے یا ردیف کی؟ | (13) قافیہ |

| سوال | جواب |
|---|---|
| (14) علمِ عروض میں ردیف سے پہلے والے لفظ کو کیا کہتے ہیں؟ | (14) قافیہ |
| (15) قافیہ معنی کیا ہوتا ہے؟ | (15) پیچھے چلنے والا |
| (16) ردیف جو کسی سوار کے پیچھے آئے مراد یہاں کس کے بعد آنے والا لفظ ہے؟ | (16) قافیہ |
| (17) حالی کس صنف سے نالاں ہیں؟ باوجودیکہ سب سے زیادہ اسی پر لکھا ہے؟ | (17) غزل |
| (18) اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف کون سی ہے؟ | (18) غزل |
| (19) غزل کو ایک صنف کی حیثیت سے سب سے پہلے کس نے استعمال کیا؟ | (19) ولؔی |
| (20) اردو میں پہلی غزل کس نے کہی؟ | (20) امیر خسرو |
| (21) اردو غزل کے فروغ کا زمانہ کہاں تک ہے؟ | (21) ولؔی سے لے کر غالبؔ تک |
| (22) غزل کس زبان کا لفظ ہے؟ | (22) عربی |
| (23) غزل کا معنی؟ | (23) عورتوں سے باتیں کرنا / عورتوں کی باتیں کرنا |
| (24) ''غزل کا دامن تنگ ہے۔'' یہ کس نے کہا ہے؟ | (24) مولانا حالی |

## اہم نکتہ:

قافیہ میں پہلا حرف ایک جیسا کبھی نہیں ہو گا لیکن اس کا آخری لفظ ہمیشہ ایک طرح کا ہو گا

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ○ اس دردِ دل کی دوا کیا ہے

آخر اس درد کی دوا کیا ہے

یہاں پر 'ہوا' اور 'دوا' دونوں قافیے ہیں آخری کا لفظ دونوں میں 'ا' ہے۔

# (ii) مثنوی

| سوالات | جوابات |
| --- | --- |
| (1) اردو میں سب سے بڑا مثنوی نگار کون ہے؟ | (1) میر حسن |
| (2) دکن میں سب سے زیادہ کس صنف کا شہرہ تھا؟ | (2) مثنوی |
| (3) اصنافِ شاعری میں سے مثنوی کا فروغ سب سے زیادہ کہاں ہوا؟ | (3) دکن |
| (4) حالی نے سب سے زیادہ کس صنف کی تعریف کی؟ | (4) مثنوی |
| (5) مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کی تصنیف کب ہوئی؟ | (5) 1421-1431 کے درمیان |
| (6) اُس منظوم کلام کو کیا کہتے ہیں جس میں کوئی قصہ یا داستان کا ذکر شامل ہو؟ | (6) مثنوی |
| (7) ''شاہ نامہ'' میں کتنے ابواب ہیں؟ | (7) 44 / ابواب |
| (8) ''شاہ نامہ'' میں کتنے ہزار اشعار ہیں؟ | (8) 60 / ہزار اشعار |
| (9) داستان کو اگر نظم کی شکل دے دیا جائے تو وہ کیا بن جاتی ہے؟ | (9) مثنوی |
| (10) ''شاہ نامہ'' کیسی مثنوی ہے؟ | (10) رزمیہ |
| (11) فارسی میں جس طرح ''شاہ نامہ'' ہے اردو میں اس طرح کی کون سی مثنوی لکھی گئی؟ | (11) سحر البیان |
| (12) مثنوی پہلے طویل ہوتی تھی اور اب؟ | (12) مختصر |

| | |
|---|---|
| (13) بہمنی سلطنت کے نویں بادشاہ احمد شاہ ولی بہمن کے عہد میں کون سی مثنوی لکھی گئی؟ | (13) کدم راؤ پدم راؤ |
| (14) ''نوسرہار'' مثنوی سید اشرف بیابانی نے کس سنہ میں لکھی؟ | (14) 1503ء |
| (15) کدم راؤ پدم راؤ کن لوگوں کا نام ہے؟ | (15) بادشاہ اور وزیر |
| (16) سب سے پہلے مرثیہ کی جھلک کس مثنوی میں نظر آتی ہے؟ | (16) نوسرہار |
| (17) عبدل نے ''ابراہیم نامہ'' (مثنوی) کس سنہ میں لکھی؟ | (17) 1603ء |
| (18) ملا وجہی نے 1609ء میں کون سی مثنوی لکھی؟ | (18) قطب مشتری |
| (19) ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' غواصی نے کس سنہ میں لکھی؟ | (19) 1625ء |
| (20) ''پھول بن'' ابن نشاطی کی تصنیف کردہ مثنوی ہے۔ یہ کس سنہ میں لکھی گئی؟ | (20) 1655ء |
| (21) نصرتی نے 1657ء میں کون سی مثنوی لکھی؟ | (21) گلشنِ عشق |
| (22) نصرتی نے ''علی نامہ'' 1655ء میں لکھا، یہ کیا ہے؟ | (22) مثنوی |
| (23) وہ کون سی مثنوی ہے جس میں پہلی بار قصیدہ گوئی کے عناصر پائے جاتے ہیں؟ | (23) علی نامہ |
| (24) ''علی نامہ'' کیسی مثنوی ہے؟ | (24) رزمیہ |
| (25) رزمیہ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ | (25) جس میں جنگ کا بیان ہو |
| (26) ولی نے جو مثنوی لکھی، اس کا نام کیا ہے؟ | (26) مثنوی ''در تعریف شہر سورت'' |

| | |
|---|---|
| (27) سراج اورنگ آبادی کی مثنوی کا نام کیا ہے؟ | (27) بوستانِ خیال |
| (28) ''خواب وخیال'' کس کی مثنوی ہے؟ | (28) خواجہ میر اثر |
| (29) میر تقی میرؔ کی مثنوی کا نام کیا ہے؟ | (29) دریائے عشق |
| (30) میر حسن نے ''سحر البیان''، ''گلزارِ ارم'' کے علاوہ اور کون سی مثنوی لکھی؟ | (30) خوانِ نعمت |
| (31) مثنوی ''گلزارِ نسیم'' کا دوسرا نام کیا ہے؟ | (31) قصۂ گل بکاؤلی |
| (32) ''زہرِ عشق''، فریبِ عشق کے علاوہ، شوق لکھنوی نے اور کون سی مثنوی لکھی؟ | (32) بہارِ عشق |
| (33) ''آب وسراب'' (مثنوی) کس نے لکھی؟ | (33) جمیل مظہری |
| (34) شمالی ہند کی وہ کون سی مثنوی ہے جس پر عریانیت کی مہر لگی؟ | (34) خواب وخیال |
| (35) انگریزی تاریخ کے حساب سے کس مثنوی کا تاریخی نام ہے؟ | (35) سحر البیان |
| (36) مثنوی ''ابرِ گہر بار'' اور ''چراغِ دیر'' کس شاعر نے لکھی؟ | (36) غالبؔ |
| (37) ''مینا ستونتی'' کس نے لکھی؟ | (37) غواصی |
| (38) ''قطب مشتری'' کب لکھی گئی؟ | (38) 1609ء / 1018ھ |
| (39) مثنوی کے لیے کتنے اوزان مقرر ہیں؟ | (39) سات |
| (40) ''کدم راؤ پدم راؤ'' مثنوی کس نے لکھی؟ | (40) فخر دیں نظامی بیدری |

**اہم نکتہ:** بعض مرتب نے فخرِ دیں نظامی نام میں دین کے پہلے 'ال' جوڑ کر لکھ دیا ہے جو صریحاً غلط ہے صحیح بغیر 'ال' کے ہے (فخرِ دیں نظامی)

| | |
|---|---|
| (41) ''نوسرہار'' مثنوی میں کس چیز کا بیان ہے؟ | (41) مصائبِ حضرت امام حسینؓ |
| (42) ''شہادت الحقیقت'' ایک مثنوی ہے۔ اس کے تخلیق کار کون ہیں؟ | (42) میراں جی شمس العشاق |
| (43) مثنوی ''شہادت الحقیقت'' میں کس موضوع کا بیان ہے؟ | (43) مسائلِ تصوف |
| (44) میراں جی شمس العشاق نے سوال وجواب کے انداز میں جو مثنوی لکھی اس کا نام کیا ہے؟ | (44) خوش نامہ |
| (45) ''ارشادنامہ''، ''وصیت الہادی''، ''نسیم الکلام'' جیسی مثنویاں کس نے لکھی؟ | (45) برہان الدین جانم |
| (46) عبدل نے جو مثنوی لکھی اس کا نام کیا ہے؟ | (46) ابراہیم نامہ |
| (47) ''طوطی نامہ'' مثنوی کس نے لکھی؟ | (47) غواصی |
| (48) غواصی کس بادشاہ کا درباری شاعر تھا؟ | (48) عبداللہ قطب شاہ |
| (49) ''گلشنِ عشق'' مثنوی کس کے عہد میں لکھی گئی؟ | (49) محمد عادل شاہ ثانی |
| (50) ''گلشنِ عشق'' میں کن دو افراد کے عشق کی داستان ہے؟ | (50) کنور منوہر اور مدمالتی |
| (51) ''تصویرِ جاناں'' ایک اہم مثنوی ہے، کس نے لکھی؟ | (51) لچھمی نرائن شفیق |
| (52) ''ظفر نامۂ اورنگ زیب'' مثنوی کس نے لکھی؟ | (52) جعفر زٹلی |
| (53) خواجہ میر درد کے بھائی میر اثر نے کون سی مثنوی لکھی؟ | (53) خواب وخیال |
| (54) شمالی ہند کی پہلی کامیاب مثنوی کا نام کیا ہے؟ | (54) خواب وخیال |
| (55) ''خواب وخیال'' کے بعد مشہور مثنوی بہارِ عشق'' کس نے لکھی؟ | (55) نواب مرزا شوق |

| | |
|---|---|
| (56) مثنوی ''خواب وخیال'' کہاں لکھی گئی؟ | (56) دلّی |
| (57) ''سحرالبیان'' کی اہمیت کی وجہ کیا ہے؟ | (57)(i) زبان (ii) لکھنوی تہذیب وتمدن کی عکاسی کرتی ہے |
| (58) ''گلزارِنسیم'' کی ایک بڑی خوبی کیا ہے؟ | (58) ایجاز واختصار |
| (59) مرزا شوق لکھنوی کے کس مثنوی کو خود ان کی آپ بیتی سمجھا جانے لگا ہے؟ | (59) زہرِ عشق |
| (60) مثنوی کی سب سے اہم خصوصیت کیا ہے؟ | (60) واقعہ نگاری |
| (61) مقیمی نے کس نام سے مثنوی لکھی؟ | (61) چندر بدن ومہیار |
| (62) حفیظ جالندھری نے ایک طویل مثنوی پیش کیا اس کا نام کیا ہے؟ | (62) شاہ نامۂ اسلام |
| (63) ''گلزارِنسیم'' نہال چند لاہوری کے کس نثری قصے کا منظوم ترجمہ ہے؟ | (63) مذہبِ عشق |
| (64) ''مہاجن''، ''طالب علم'' اور ''چور شاعر'' کس کی مثنویاں ہیں؟ | (64) محمد حسین آزاد |
| (65) علامہ شبلی نعمانی کی مثنوی کا نام کیا ہے؟ | (65) صبحِ امید |
| (66) علی سردار جعفری نے کس نام سے مثنوی لکھی؟ | (66) جمہور |
| (67) اردو کی پہلی طبع زاد دکنی مثنوی کا نام کیا ہے؟ | (67) قطب مشتری |
| (68) ''قطب مشتری'' میں کن دو افراد کے عشق کی داستان ہے؟ | (68) قلی قطب شاہ اور مشتری |
| (69) ''قطب مشتری'' میں کردار کی تعداد کتنی ہے؟ | (69) بارہ |
| (70) ''قطب مشتری'' میں کتنے اشعار ہیں؟ | (70) 2 رہزار اشعار |
| (71) ''قطب مشتری'' کتنے دنوں میں لکھی گئی؟ | (71) 12 ردنوں میں |

(72) دکنی زبان کا شاہ نامہ کسے کہا جاتا ہے؟
(72) علی نامہ

(73) میر حسن نے جس تذکرہ کو مرتب کیا اس کا نام کیا ہے؟
(73) تذکرہ شعرائے اردو

(74) ''سحرالبیان'' کے خصوصی کرداروں میں سے کچھ کے نام بتائیں؟
(74) بےنظیر، بدرمنیر، نجم النساء ماہ رخ، فیروزشاہ

(75) ''سحرالبیان'' میں سب سے فعال کردار کس کا ہے؟
(75) نجم النساء

(76) مثنوی ''سحرالبیان'' کس سنہ میں تصنیف ہوئی؟
(76) 1784ء

(77) ''تاج الملوک'' اور ''چتر سین'' کس مثنوی کے کردار ہیں؟
(77) گلزارِ نسیم

(78) ''گلزارِ نسیم'' کیسی مثنوی ہے؟
(78) عشقیہ

(79) ''گلزارِ نسیم'' کب مکمل ہوئی؟
(79) 1838ء

(80) حالی نے کس مثنوی کو مخربِ اخلاق کہا، لیکن اس کے فنی خوبی کے معترف ہیں؟
(80) زہرِ عشق

(81) اردو کی پہلی ایسی کون سی مثنوی ہے جس کے کردار فوقِ فطری عناصر نہیں ہیں؟
(81) زہرِ عشق

(82) ''زہرِ عشق'' کے کلیدی کردار کے نام بتائیں؟
(82) شوق، مہ جبیں

(83) محمد حسین آزاد نے ''خوابِ امن'' لکھا، یہ صنفی حیثیت سے کیا ہے؟
(83) مثنوی

(84) ''طوطی نامہ'' مثنوی کہاں لکھی گئی اور کب؟
(84) گول کنڈہ، 1639ء

(85) مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کس عہد میں لکھی گئی؟
(85) نظام شاہی

(86) مثنوی کا فنِ امتیاز کیا ہے؟
(86) ہر شعر کے مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (87) نظم میں کون سی صنف داستان سے قریب ہے؟ | (87) مثنوی |
| (88) کس دکنی مثنوی نگار نے ''من لگن'' نامی مثنوی لکھی؟ | (88) قاضی محمود بحری |
| (89) ''پھول بن'' کیسی مثنوی ہے؟ | (89) توضیحی مثنوی |

# (iii) قصیدہ

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) وہ کون سی مثنوی ہے جس میں پہلی بار قصیدہ کے عناصر پائے جاتے ہیں؟ | (1) علی نامہ |
| (2) قصیدہ کی ہیئت کس صنف کی طرح ہے؟ | (2) غزل |
| (3) قصیدہ کے عناصرِ ترکیبی / اجزائے ترکیبی کیا کیا ہیں؟ | (3) تشبیب، گریز، مدح (غائب / حاضر) طلب (مدعا / مقصد) دعاء |
| (4) ''اُم الاصناف'' کس صنف کو کہا جاتا ہے؟ | (4) قصیدہ |
| (5) تشبیب کا اصل کام کیا ہے؟ | (5) ماحول سازی |
| (6) تشبیب اور مدح کی درمیانی کڑی کیا ہے؟ | (6) گریز |
| (7) قصیدہ کا مقصد صرف ایک ہے وہ کیا ہے؟ | (7) مدح |
| (8) جس قصیدہ میں تشبیب نہ ہو اس قصیدہ کو کیا کہتے ہیں؟ | (8) خطابیہ |
| (9) خطابیہ میں قصیدہ کا کون سا جزو نہیں ہوتا؟ | (9) گریز |

اہم نکتہ:۔ گریز تشبیب سے مدح کی طرف موڑنے کے کام آتا ہے جس قصیدہ میں تشبیب نہ ہو تو وہاں گریز کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ خطابیہ میں گریز نہیں آتا۔

| | |
|---|---|
| (10) مشہور ہجویہ قصیدہ ''تضحیکِ روزگار'' کس نے لکھا؟ | (10) سودا |
| (11) ''نعتیہ قصائد'' کا آغاز کس نے کیا؟ | (11) سودا |

| | |
|---|---|
| (12) انشاءاللہ خاں انشاء نے بغیر نقطہ کے جو قصیدہ لکھا اس کا نام کیا ہے؟ | (12) قصیدۂ بے نقط |
| (13) اردو کا وہ پہلا شاعر کون ہے جس نے انگریزوں کی شان میں قصیدے کہے؟ | (13) انشاءاللہ خاں انشاء |
| (14) وہ کون سا قصیدہ نگار ہے جس نے صرف شاہانِ وقت کے لیے قصائد لکھے؟ | (14) ذوقؔ |
| (15) ذوقؔ کو ''خاقانیٔ ہند'' کا خطاب کس بادشاہ نے دیا؟ | (15) اکبر شاہ ثانی |
| (16) ایسا قصیدہ جس کا حرفِ روی 'لام' ہو ایسے قصیدے کو کیا کہتے ہیں؟ | (16) قصیدۂ لامیہ |
| (17) قصیدۂ لامیہ کا رواج کس شاعر سے رواج پایا؟ | (17) انوری |
| (18) قصیدہ کس زبان کا لفظ ہے؟ | (18) عربی |
| (19) قصیدہ لفظ کا معنی کیا ہے؟ | (19) بالارادہ، مغزِ غلیظ |
| (20) قصیدہ کس لفظ سے بنا ہے؟ | (20) ق ص د (قصد) |
| (21) قصیدہ کی ایک قسم خطابیہ ہے تو دوسری قسم کا نام کیا ہے؟ | (21) تمہیدیہ |
| (22) بغیر تمہید باندھے شاعر جس میں اپنا مدعا بیان کرے اسے کیا کہا جاتا ہے؟ | (22) خطابیہ |
| (23) تمہید کے ساتھ جس قصیدہ میں مدعا بیان کیا جائے تو اس قصیدہ کو کیا کہتے ہیں؟ | (23) تمہیدیہ |
| (24) تشبیب کا دوسرا نام کیا ہے؟ | (24) نسیب |
| (25) غزل کی طرح قصیدے کا پہلا شعر کیا کہلاتا ہے؟ | (25) مطلع |

| | |
|---|---|
| (26) وہ کون سی صنف ہے جس میں غزل کی طرح مقطع ہوتا ہے؟ | (26) قصیدہ |
| (27) قصیدہ تمہیدیہ میں اگر تشبیب کے طور پر ''بہار و خزاں'' بیان کیا جائے تو اس قصیدہ کو کیا کہا جاتا ہے؟ | (27) بہاریہ قصیدہ |
| (28) جس تمہیدیہ قصیدہ میں تشبیب کے طور پر حسن بیان کیا جائے تو اسے کیا کہتے ہیں؟ | (28) عشقیہ قصیدہ |
| (29) جس قصیدہ میں تشبیب کے طور پر پند و نصائح کے مضامین ہوں اسے کیا کہتے ہیں؟ | (29) وعظیہ قصیدہ |

یاد رکھیں:۔

1۔قصیدہ کی ایک تقسیم یہ ہے:

(1) تمہیدیہ:۔جس میں تشبیب و گریز دونوں رہتا ہے

(2) خطابیہ:۔جس میں تشبیب و گریز دونوں نہیں رہتا ہے

2۔قصیدہ کی دوسری تقسیم یوں بھی کی جاتی ہے:۔

(1) مدحیہ:۔جس میں کسی کی تعریف ہو

(2) ہجویہ:۔جس میں کسی کی ہجو کی گئی ہو

| | |
|---|---|
| (30) قصیدہ کے عموماً کتنے اجزاء ہوتے ہیں؟ | (30) پانچ |
| (31) قصیدہ کے اجزاء کا نام ترتیب کے ساتھ بتائیے؟ | (31) تشبیب، گریز، مدح، مدعا (عرض طلب/عرض مطلب) دعاء |
| (32) قصیدہ کا سب سے اہم حصہ کون سا مانا جاتا ہے؟ | (32) تشبیب |
| (33) بات سے بات پیدا کرنے کو کیا کہتے ہیں؟ | (33) گریز |
| (34) قصیدے کا آغاز کہاں ہوا؟ | (34) عرب |

| | |
|---|---|
| (35) اردو میں قصیدہ نگاری کی شروعات کہاں سے ہوئی؟ | (35) دکن |
| (36) تشبیب کی ابتداء کس سے ہوتی ہے؟ | (36) مطلع |
| (37) ایسا قصیدہ جس میں کئی ایک مطلع ہو۔اسے کیا کہتے ہیں؟ | (37) ذوالمطالع |
| (38) قصیدے کے وہ اشعار جو تمہید کے طور پر لکھے جائیں، کیا کہلاتے ہیں؟ | (38) تشبیب |
| (39) تشبیب اور مدح کے درمیان کڑی جوڑنے کا کام قصیدے کا کون سا حصہ کرتا ہے؟ | (39) گریز |
| (40) گریز کا دوسرا نام کیا ہے؟ | (40) مخلص |
| (41) نواب شجاع الدولہ اور ان کے بیٹے آصف الدولہ کی شان میں کس نے ایک ہی طرح کے قصائد کہے ہیں؟ | (41) سودا |
| (42) ''محبت نامہ'' (قصیدہ) کس نے لکھا؟ | (42) امین الدین اعلیٰ |
| (43) قصیدہ نگاری کو باقاعدہ فن کی حیثیت سے کس نے انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا؟ | (43) سودا |
| (44) اردو کے پہلے قصیدہ گو کون ہیں جنہوں نے اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال کیا؟ | (44) انشاء اللہ خاں انشاء |
| (45) اردو کا کون سا ایسا شاعر جنہوں نے زیادہ تر قصیدے اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کی مدح میں لکھے؟ | (45) ذوق |
| (46) غالب نے کتنے قصیدے لکھے؟ | (46) چار |
| (47) غالب نے کن شخصیتوں کے نام قصیدے لکھے؟ | (47) حضرت علیؓ اور بہادر شاہ ظفر |
| (48) حضرت علیؓ کی شان میں غالب نے کتنے قصیدے لکھے؟ | (48) دو |

(49) سوداؔ نے کل کتنے قصیدے لکھے؟ — (49) 43 قصیدے

(50) سوداؔ نے کتنے مدحیہ قصائد لکھے؟ — (50) 39 قصیدے

(51) سوداؔ نے کتنے ہجویہ قصائد لکھے؟ — (51) 3 قصیدے

(52) میر حسن نے کتنے قصیدے لکھے؟ — (52) سات

(53) ''موجِ کوثر'' نعتیہ قصیدہ ہے، یہ کس نے لکھا؟ — (53) اقبال سہیل

(54) تشبیب اور گریز کس قصیدے میں نہیں ہوتا؟ — (54) خطابیہ قصیدہ

(55) غزل کی ہیئت کی طرح اور کس صنف کی ہیئت ہے؟ — (55) قصیدہ

(56) گریز کا اصطلاحی معنی کیا ہے؟ — (56) دو سرکش بیلوں کو ایک جوئے میں جوتنا

(57) سوداؔ نے کس قصیدے کے ذریعہ مغلیہ سلطنت کے سیاسی و معاشی زوال کی تصویر کھینچی ہے؟ — (57) تضحیکِ روزگار

(58) سوداؔ کو فنِ قصیدہ گوئی کا نقاشِ اوّل کس نے قرار دیا؟ — (58) مصحفی

(59) قصیدہ ''تضحیکِ روزگار'' کا دوسرا نام کیا ہے؟ — (59) قصیدہ در ہجوِ اسپ

(60) ''قصیدہ کے بادشاہ'' کون تسلیم کیے جاتے ہیں؟ — (60) سوداؔ

(61) سوداؔ کے دوسرے چند قصائد کے نام بتائیں؟ — (61) مضحکۂ دہر، صبحِ صادق باب الجنۃ

(62) قصیدہ کی روح قصیدہ کا کون سا جزو ہوتا ہے؟ — (62) مدح

(63) کس قصیدہ گو کے قصیدے کا موضوع صرف درباری مداحی ہے؟ — (63) ذوقؔ

(64) ''دیوانِ غالب'' میں کل کتنے قصیدے ہیں؟ — (64) آٹھ

(65) غالب کا سب سے طویل قصیدہ کس کی شان میں ہے؟ — (65) بہادر شاہ ظفر

| | |
|---|---|
| (66) غالب کے سب سے طویل قصیدہ میں کل کتنے اشعار ہیں؟ | 58(66) |
| (67) غالب کے قصیدوں کی سب سے نمایاں خصوصیت کیا ہے؟ | (67) مدح سے زیادہ تشبیب پر زور |
| (68) ''نگارستانِ الفت'' ایک مثنوی ہے تو ''انیس آخرت'' کیا ہے؟ | (68) قصیدہ |
| (69) ''مدیح خیر المرسلینؐ'' جیسا عمدہ قصیدہ کس نے لکھا؟ | (69) محسن کاکوروی |

(70) غالب کے قصیدے کی کون سی دعاء جو ''ضرب المثل'' بن گئی ہے؟

(70) ے

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

## (iv) مرثیہ

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) سب سے پہلے مرثیہ کی جھلک کس مثنوی میں نظر آتی ہے؟ | (1) نوسرہار |
| (2) مرثیہ کے عناصر ترکیبی کتنے ہیں؟ | (2) آٹھ |
| (3) مرثیہ کے عناصر ترکیبی ترتیب کے ساتھ بتائیں؟ | (3) چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت، بین |
| (4) کون سی صنف جو عربی اور فارسی میں بڑی نہیں مگر اردو میں بڑی ہے؟ | (4) مرثیہ |
| (5) اظہارِ غم اور ایصالِ ثواب کا مجموعی نام کیا ہے؟ | (5) بین |
| (6) شمالی ہند میں سب سے پہلے باضابطہ مرثیہ کس نے کہا؟ | (6) سودا |

| | |
|---|---|
| (7) مسدس کی ہیئت میں سب سے پہلے باضابطہ مرثیہ کس نے پیش کیا؟ | (7) سودا |
| (8) ''حسین اور انقلاب'' ایک مشہور مرثیہ ہے۔ یہ کس سے منسوب ہے؟ | (8) جوش ملیح آبادی |
| (9) وہ کون سی صنف سخن ہے جس میں کسی کی موت پر اظہارِ غم کیا جاتا ہے اور مرنے والے کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں؟ | (9) مرثیہ |
| (10) مرثیہ کس زبان کا لفظ ہے؟ | (10) عربی |
| (11) مرثیہ کس لفظ سے نکلا ہے؟ | (11) رثی / رثا |
| (12) مرثیہ کا معنی کیا ہے؟ | (12) آہ و بکا / اظہار غم کرنا |
| (13) کسی فرد کی موت پر جو مرثیہ لکھا جاتا ہے، اسے کیا کہا جاتا ہے؟ | (13) شخصی مرثیہ |
| (14) کس صنفِ سخن میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال میں آئے ہیں؟ | (14) مرثیہ |
| (15) مرثیہ کی شکل سب سے پہلے کس نے متعین کیا؟ | (15) میر ضمیر |
| (16) میر ضمیر نے مرثیہ کو کتنے حصے میں تقسیم کر دیا؟ | (16) آٹھ |
| (17) مرثیہ کی شکل کیسی ہوتی ہے؟ | (17) مسدس |
| (18) مرثیہ کے لیے مسدس کی شکل کس نے مخصوص کر دی؟ | (18) میر ضمیر |
| (19) فارسی شعراء میں سب سے زیادہ کس مرثیہ گو نے نام پیدا کیا؟ | (19) محتشم کاشی |
| (20) کن دو افراد نے مرثیہ کے ایک شاندار عہد کی داغ بیل ڈالی؟ | (20) میر ضمیر اور میر خلیق |
| (21) اردو مرثیہ کا آغاز دکن میں کب ہوا؟ | (21) 15 ویں صدی کے نصف آخر میں |
| (22) دکن کا پہلا طویل مرثیہ کسے مانا جاتا ہے؟ | (22) نوسرہار |

| سوال | جواب |
| --- | --- |
| (23) میر خلیق اور میر ضمیر کے عہد میں دو مرثیہ گو اور تھے اُن کے نام کیا تھے؟ | (23) فصیح اور دلگیر |
| (24) شمالی ہند میں مرثیہ کی ابتدا کس سے ہوئی؟ | (24) اسماعیل امروہوی |
| (25) اسماعیل امروہوی نے مثنوی کی شکل میں کس عنوان سے ایک مرثیہ لکھا؟ | (25) وفات نامہ بی بی فاطمہؓ |
| (26) ''کربل کتھا'' ایک نثری کتاب ہے جس میں کئی مرثیئے بھی شامل ہیں، یہ کس نے لکھا ہے؟ | (26) فضل علی فضلی |
| (27) میر ضمیر نے کتنے مرثیئے لکھے؟ | (27) 200 |
| (28) مرثیہ میں 'چہرہ' اور 'سراپا' کس کی ایجاد ہے؟ | (28) میر ضمیر |
| (29) سیاسی رمذہبی رقومی ہیرو کی موت پر اظہار غم اور ان کی خدمات پر جو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے اُسے کیا کہتے ہیں؟ | (29) شخصی مرثیہ |
| (30) حالی نے کس کا شخصی مرثیہ لکھا؟ | (30) غالب |
| (31) حالی نے کس نام سے غالب کا مرثیہ لکھا؟ | (31) مرثیۂ غالب |
| (32) حالی نے کتنے شخصی مرثیئے لکھے؟ | (32) پانچ |
| (33) مسدس حالی کیا ہے؟ | (33) ایک احتسابی مرثیہ |
| (34) مرثیۂ غالب میں کل کتنے بند ہیں؟ | (34) 10 |
| (35) ''قلم''، ''حیات وموت'' جیسے مرثیئے کس نے لکھے؟ | (35) جوش ملیح آبادی |
| (36) جوش نے کل کتنے مرثیئے لکھے؟ | (36) 9 |
| (37) ''حسین اور انقلاب'' میں کل کتنے بند ہیں؟ | (37) 68 |
| (38) ''وحدتِ انسانی'' کیا ہے؟ | (38) مرثیہ |
| (39) اردو کا پہلا مرثیہ نگار کون تھا؟ | (39) سید شاہ اشرف بیابانی |
| (40) ہاشمی بیجاپوری کو کس حوالے سے جانا جاتا ہے؟ | (40) مرثیہ نگاری |
| (41) مرثیہ گوئی کی روایت کس کے خاندان سے وابستہ ہے؟ | (41) میر انیس |

# (۷) نظم

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) نظم کا معنی کیا ہے؟ | (1) پرونا |
| (2) وہ منظوم شکل جس میں کسی خاص موضوع پر بات کی جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ | (2) نظم |
| (3) جدید نظم (نظم جدید) اور نئی نظم دونوں ایک ہی ہے یا الگ الگ؟ | (3) الگ الگ |
| (4) انگریزی اثرات کے بعد کس صنف کا آغاز ہوا؟ | (4) جدید نظم |
| (5) کچھ حلقۂ ارباب شعراء کے نام بتائیں؟ | (5) ن۔م راشد میراجی، اختر الایمان |
| (6) کچھ ترقی پسند نظم گو شعرا کے نام بتائیں؟ | (6) جوش ملیح آبادی، فیض |
| (7) جدید نظم / نظم جدید سے کیا مراد ہے؟ | (7) انجمن پنجاب سے وابستہ نظم (جو حالی اور محمد حسین آزاد سے شروع ہوتی ہے) |
| (8) جس نظم میں قافیہ نہ ہو ایک بحر ہو اور تمام مصرعوں کے ارکان برابر ہوں وہ کون سی نظم ہے؟ | (8) نظم معریٰ |
| (9) وہ نظم جس میں قافیہ نہ ہو، بحر ایک ہو اور ارکان تمام مصرعوں کے برابر نہ ہوں وہ کون سی نظم ہے؟ | (9) آزاد نظم |
| (10) وہ نظم جس میں قافیہ ہو، بحر ایک ہو اور تمام مصرعوں کے ارکان برابر ہوں ایسی نظم کو کیا کہتے ہیں؟ | (10) پابند نظم |

| سوال | جواب |
|---|---|
| (11) جس نظم میں بحر نہ ہو یعنی اس کا التزام ہی سرے سے نہ ہو وہ کیسی نظم ہے؟ | (11) نثری نظم |
| (12) گیت کہاں سے آئی؟ | (12) ہندی |
| (13) نظمِ جدید کے حوالے سے کس انجمن کو جانا جاتا ہے؟ | (13) انجمن پنجاب |
| (14) نظم کی وہ ہیئت جس میں اشعار کی تعداد مخصوص نہ ہو ساتھ ہی ساتھ Tip کا شعر بھی موجود ہو ایسی ہیئت کو کیا کہتے ہیں؟ | (14) ترکیب بند |
| (15) اشعار کا وہ مجموعہ جس میں Tip بھی شامل ہوا سے کیا کہتے ہیں؟ | (15) بند |
| (16) نئی نظم کے حوالے سے خلیل الرحمٰن اعظمی کی کون سی کتاب اب بھی اہم ہے؟ | (16) نئی نظم کا سفر |
| (17) ایسی نظم جس کے ہر بند کے آخر میں ایک شعر کی تکرار ہو، کیا کہلاتی ہے؟ | (17) ترجیع بند |
| (18) ''چپ کی داد''، ''مناظرہ رحم وانصاف'' اور ''مناجات بیوہ'' کس نے لکھی؟ | (18) مولانا حالیؔ |
| (19) ''نشاطِ امید''، ''برکھارت''، ''حبِ وطن'' کے تخلیق کار کا نام بتائیں؟ | (19) مولانا حالیؔ |
| (20) مغرب کی تیز ہواؤں کا جوشور، سرسید تحریک کے زیر اثر اٹھا تھا اس میں کس صنفِ سخن کی بنیاد پڑی؟ | (20) نظم جدید |
| (21) کوئی خیال جو شروع سے آخر تک مربوط ڈھنگ سے پیش کیا جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ | (21) نظم |

| | |
|---|---|
| (22)محکمۂ تعلیم حکومتِ پنجاب نے 1865 میں کس انجمن کو Useful- knowledge کی توسیع کے لیے قائم کیا؟ | (22)انجمن پنجاب |
| (23)کس سنہ میں محمد حسین آزاد نے تعلیم اور شعروادب کے موضوعات پر 23 رلکچر دیئے؟ | (23)1867ء |
| (24)اردو کی جدید نظم کے حوالے سے کن دو تاریخوں کو آئین کے طور پر جانا جاتا ہے؟ | (24)5راگست 1867ء اور 19راپریل 1870ء |
| (25)اردو کی نظم جدید کس کے زیر اثر انجمن پنجاب کی نشستوں میں سامنے آئی؟ | (25)مغرب کی نظموں کے زیر اثر |
| (26)اردو کی پہلی جدید نظم محمد حسین آزاد کے کس نظم کو مانی جاتی ہے؟ | (26)شبِ قدر |
| (27)''شبِ قدر'' نظم کب پیش کی گئی تھی؟ | (27)19راپریل 1874ء |
| (28)محمد حسین آزاد نے اپنی نظم ''شب قدر'' سنانے کے بعد آئندہ ماہ کی نشست کے لیے کس موضوع پر نظمیں لکھنے کی دعوت دی؟ | (28)برسات |
| (29)30رمئی 1870ء کے مناظمے میں حالی اور آزاد نے کون کون سی نظمیں سنائیں؟ | (29)حالی (برکھارت) آزاد (ابرِکرم) |
| (30)نظم گوئی میں ہیئت کا سب سے زیادہ تجربہ کس نے کیا؟ | (30)نظم طباطبائی |
| (31)فراق کی چند مشہور طویل نظمیں کون کون سی ہیں؟ | (31)آدھی رات، جگنو، ہنڈولا |
| (32)فراق کے ایک شعری مجموعے کا نام ''گل نغمہ'' ہے تو نظموں کا مجموعہ 'گل نغمہ' کس کا ہے؟ | (32)عظیم الدین احمد |

(33) ترقی پسند تحریک کے عہد میں کس طرح کی نظمیں زیادہ ترقی پذیر ہوئیں؟

(33) آزاد نظم، نظم معریٰ

(34) جدید اردو نظم کے مثلث کا نام بتائیں؟

(34) ن۔م راشد
میراجی، اختر الایمان

اسے تصویر میں یوں دیکھیں:

(35) ترقی پسندوں کے زمانے میں کس صنف کا سب سے زیادہ فروغ ہوا؟

(35) نظم

(36) موضوع یا نفسِ خیال کے اعتبار سے اس نظم کو کیا کہتے ہیں جس میں دورِ جدید کی زندگی کے مسائل خیالات اور احساسات کی ترجمانی کی جاتی ہے؟

(36) نظم جدید

(37) جدید اردو نظم کے آغاز و ارتقا کے سلسلے میں پنجاب کے ایک انگریز عہدے دار کی کاوش قابلِ قدر ہے، ان کا نام کیا ہے؟

(37) کرنل ہالرائڈ

(38) عبدالحلیم شرر کے کس رسالے نے جدید نظم کو فروغ دینے میں نمایاں حصہ لیا؟

(38) دل گداز

(39) جدید نظم کے حوالے سے سر عبدالقادر کا کون سا قابلِ قدر رسالہ ہے؟

(39) مخزن

(40) ''مرگ انبوہ'' کس کی نظم ہے؟

(40) نظم طباطبائی

(41) اقبال کی چند ابتدائی نظمیں کیا کیا ہیں؟

(41) ہمالہ، لالہ رخ، ایک آرزو، شمع و پروانہ، شعاعِ امید

| | |
|---|---|
| (42) سانٹ کیا ہے؟ | (42) انگریزی اسلوب نظم |
| (43) ''جرأتِ پرواز'' کس کی نظم ہے؟ | (43) ن ۔م راشد |
| (44) ''آٹاوال'' ایک مشہور نظم ہے یہ کس کی ہے؟ | (44) نظیرا کبرآبادی |
| (45) کس شاعر نے ہندستانی میلوں اور ہندو بزرگوں کی شان میں زیادہ نظمیں لکھی ہیں؟ | (45) نظیرا کبرآبادی |
| (46) ''روٹی''، ''آدمی نامہ''، ''شہر آشوب''، ''کلجگ'' جیسی مشہور نظمیں کس کی ہیں؟ | (46) نظیرا کبرآبادی |
| (47) نظیرا کبرآبادی کی دو علامتی نظموں کے نام بتائیں؟ | (47) ہنس نامہ، بنجارہ نامہ |
| (48) اردو نظم کا معمارِ اول کون ہے؟ | (48) نظیرا کبرآبادی |
| (49) ''گنجِ قناعت''، ''وداعِ انصاف'' کن کی نظمیں ہیں؟ | (49) محمد حسین آزاد |
| (50) ''برقِ کلیسا'' ایک ظریفانہ نظم ہے۔ کس نے کہی ہے؟ | (50) اکبرالہ آبادی |
| (51) ''جلوۂ دربارِ دہلی'' مشہور نظم ہے، یہ کس کی ہے؟ | (51) اکبرالہ آبادی |
| (52) ''گنگا جی''، ''پریاگ کا سنگم''، ''نور جہاں کا مزار'' کس شاعر کی مشہور نظمیں ہیں؟ | (52) سرور جہان آبادی |
| (53) ''خاکِ وطن''، ''یادِ وطن''، ''وطن''، ''گنگا جی'' ''سیتا جی'' کس کی مشہور نظمیں ہیں؟ | (53) سرور جہان آبادی |
| (54) دنیائے شعر و ادب میں نظم طباطبائی کے جس منظوم ترجمے کو سب سے زیادہ شہرت ملی، اس نام کیا ہے؟ | (54) گورِ غریباں |
| (55) نظم طباطبائی نے کس سنہ میں گورِ غریباں پیش کیا؟ | (55) 1897ء |
| (56) ''بلیک ورس'' ایک معریٰ نظم ہے کس کی ہے؟ | (56) نظم طباطبائی |
| (57) ''خاکِ وطن'' سرور کی نظم ہے تو ''خاکِ ہند'' کس شاعر کی مشہور نظم ہے؟ | (57) چکبست |

| سوال | جواب |
| --- | --- |
| (58) ''رامائن کا ایک سین'' ایک مذہبی نظم ہے۔ یہ کس نے لکھی ہے؟ | (58) چکبست |
| (59) اقبال کی کچھ مختصر نظموں کے نام بتائیں؟ | (59) جبریل وابلیس، لینین خدا کے حضور میں، شعاعِ امید |
| (60) اقبال کی کچھ طویل نظموں کے نام بتائیں؟ | (60) مسجد قرطبہ، ساقی نامہ خضرراہ، ابلیس کی مجلسِ شوریٰ، شمع اور شاعر |
| (61) بالِ جبریل کی سب سے اہم نظم کون سی ہے؟ | (61) مسجد قرطبہ |
| (62) ''مولوی''، ''فتنۂ خانقاہ'' اور ''نقاد'' کس شاعر کی طنزیہ نظمیں ہیں؟ | (62) جوش ملیح آبادی |
| (63) ''شکست زنداں کا خواب'' کس کی انقلابی نظم ہے؟ | (63) جوش ملیح آبادی |
| (64) ''محبت'' ایک نظم ہے، کس نے لکھی؟ | (64) میراجی |
| (65) میراجی کی نظم ''ہندی جوان'' کیسی نظم ہے؟ | (65) آزاد نظم |
| (66) ''ایک لڑکا''، ''شیشے کا آدمی''، ''تاریک سیارہ''، ''ڈاسنہ اسٹیشن کا سفر'' کس کی مشہور نظمیں ہیں؟ | (66) اختر الایمان |
| (67) ''جانِ غزل'' ایک نظم ہے۔ یہ کس کی ہے؟ | (67) مخدوم محی الدین |
| (68) ''صبحِ آزادی'' کس کی نظم ہے؟ | (68) فیض |
| (69) نظم ''انتظار'' کس مشہور شاعر کی نظم ہے؟ | (69) فیض |
| (70) نظم ''تنہائی'' کس مشہور شاعر کی نظم ہے؟ | (70) فیض |
| (71) ''شیشوں کا مسیحا'' کس کی نظم ہے؟ | (71) فیض |
| (72) فیض نے ''مرے ہمدم مرے دوست'' لکھا، یہ کیا ہے؟ | (72) نظم |

| | |
|---|---|
| (73)''چاندتاروں کابن'' کس کی نظم ہے؟ | (73)مخدوم محی الدین |
| (74)''دوعشق'' کس کی نظم ہے؟ | (74)فیض |
| (75)نظم ''اس نظم میں'' کانظم نگارکون ہے؟ | (75)میراجی |
| (76)نظیراکبرآبادی کی نظم ''آدمی نامہ'' کیا ہے؟ | (76)مخمس |
| (77)انقلابی نظموں کا مجموعہ ''لہوپکارتا ہے''، یہ کس کا ہے؟ | (77)علی سردار جعفری |
| (78)بانگِ درا کادل کس نظم کو کہا گیا ہے؟ | (78)شمع وشاعر |

## (vi) ''افسانوی نثر'' (داستان، ناول، افسانہ، ڈراما)

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1)ہجری تاریخ کے حساب سے کس کتاب کا تاریخی نام ہے؟ | (1)باغ وبہار |
| (2)''ایامیٰ'' کس نے لکھا؟ | (2)ڈپٹی نذیراحمد |
| (3)''نگارستان'' کس کا مجموعہ ہے؟ | (3)نیاز فتح پوری |
| (4)''خیالستان'' ایک افسانوی مجموعہ ہے۔یہ کس کا ہے؟ | (4)سجادحیدر یلدرم |
| (5)علی سردار جعفری کی پہلی کتاب ''منزل'' کیا ہے؟ | (5)افسانوی مجموعہ |
| (6)افسانوی مجموعہ ''ویرانے'' کس نے لکھا؟ | (6)سیداحتشام حسین |
| (7)سیداحتشام حسین کی پہلی کتاب کون سی ہے؟ | (7)ویرانے |
| (8)ناول کس زبان کالفظ ہے؟ | (8)اطالوی (Italy) |
| (9)''دوبیل'' کس کی تخلیق ہے؟ | (9)پریم چند |
| (10)''ہتک'' کاتخلیق کارکون ہے؟ | (10)منٹو |
| (11)''بھولا'' کس نے لکھی؟ | (11)راجندرسنگھ بیدی |
| (12)داستان ''آرائشِ محفل'' کس نے لکھی؟ | (12)حیدربخش حیدری |

| سوال | جواب |
|---|---|
| (13) ''آگرہ بازار'' ایک مشہور ڈراما ہے، یہ کس کا ہے؟ | (13) حبیب تنویر |
| (14) ''انگارے'' ایک مجموعہ ہے جو 1932ء میں شائع ہوا، اس میں کتنے افسانے اور کتنے ڈرامے ہیں؟ | (14) 9/افسانے اور 1/ڈراما |
| (15) ''جڑیں'' کس کی تخلیق ہے؟ | (15) عصمت چغتائی |
| (16) ''انقلاب'' ایک ناول ہے، یہ کس کا ہے؟ | (16) خواجہ احمد عباس |
| (17) ''ضحاک'' ایک مشہور ڈراما ہے، یہ کس کا ہے؟ | (17) محمد حسن |
| (18) ''ان داتا'' کرشن چندر نے لکھا، اس کا موضوع کیا ہے؟ | (18) بنگال کا قحط زدہ ماحول |
| (19) ''ٹھنڈا گوشت'' جو جنس زدگی پر ہے یہ کس کا ہے؟ | (19) منٹو |
| (20) 1935ء میں شائع ''کفن'' پریم چند نے لکھا ہے، اس کا موضوع کیا ہے؟ | (20) سفاک حقیقت نگاری |
| (21) ''لاجونتی'' کا موضوع کیا ہے؟ | (21) تقسیمِ ملک کے اثرات |
| (22) ''صورت الخیال'' ایک ناول ہے، کس نے لکھا ہے؟ | (22) شاد عظیم آبادی |
| (23) ''باغ و بہار'' کے مصنف کا نام کیا ہے؟ | (23) میر امن |
| (24) میر امن دہلوی کا تخلص کیا تھا؟ | (24) لطفؔ |
| (25) ''باغ و بہار'' کس اردو کتاب کا سلیس ترجمہ ہے؟ | (25) نوطرز مرصع |
| (26) ''نوطرز مرصع'' کے ذریعہ کس فارسی کتاب کو اردو میں پیش کیا گیا ہے؟ | (26) قصۂ چہار درویش |
| (27) ''گنج خوبی'' کس کتاب کا ترجمہ ہے؟ | (27) اخلاق محسنی |
| (28) ''گنج خوبی'' کس ادیب نے لکھی؟ | (28) میر امن دہلوی |
| (29) ''باغ و بہار'' کے مسودے پر کتنے روپئے کا میر امن دہلوی کو انعام ملا؟ | (29) Rs.500 |

| | |
|---|---|
| (30) اردو نثر میں سادگی بیان کی پہلی مثالی کتاب کونسی ہے؟ | (30) باغ و بہار |
| (31) غیر مذہبی نثر اور پہلا ادبی نمونہ کون سی کتاب ہے؟ | (31) سب رس |
| (32) ''قصہ مہر افروز دلبر'' کس نے لکھی؟ | (32) نواب عیسوی خاں بہادر |
| (33) ''کربل کتھا'' کس کی تخلیق ہے؟ | (33) فضل علی فضلی |
| (34) ''مجالس النساء'' جو حالی نے لکھا ہے وہ کیا ہے؟ | (34) ناول |
| (35) امتیاز علی تاج نے ''انارکلی'' ڈراما کتنے سال کی عمر میں لکھا؟ | (35) 22/سال |
| (36) ''انارکلی'' ڈراما کب شائع ہوا؟ | (36) 1932 |
| (37) ''انارکلی'' کس کا المیہ ہے؟ | (37) بقول تاج: اکبر کا المیہ |
| (38) سب سے طویل داستان کون سی ہے؟ | (38) داستان امیر حمزہ (50/جلدیں) |
| (39) ''سب رس'' کا دوسرا نام کیا ہے؟ | (39) قصہ حسن و دل |
| (40) ''سب رس'' میں مذکر کردار کے لیے اگر 'دل' ہے تو مونث کردار کے لیے کیا ہے؟ | (40) حسن |
| (41) ''سب رس'' کس کتاب سے ماخوذ ہے؟ | (41) دستور العشاق |
| (42) ''دستور العشاق'' کے مولف کا نام کیا ہے؟ | (42) محمد یحیی بن سبیک |
| (43) ''سب رس'' میں کتنے کردار ہیں؟ | (43) 72 |
| (44) ''سب رس'' کیسی داستان ہے؟ | (44) تمثیلی |
| (45) تمثیلی سے مراد کیا ہے؟ | (45) غیر مرئی کو مرئی بنا کر پیش کرنا |
| (46) ''جی آیا صاحب'' کس کا مشہور افسانہ ہے؟ | (46) سعادت حسن منٹو |

(47) چاول پر "قل ھو اللہ" لکھنے کا فن ہے۔ یہ کس صنف کے متعلق کہا گیا ہے؟

(47) افسانہ

(48) اردو کے پہلے افسانہ کا نام کیا ہے؟

(48) نشہ کی پہلی ترنگ

(49) "نشہ کی پہلی ترنگ" کس کا افسانہ ہے؟

(49) سید سجاد حیدر یلدرم

(50) اردو کے پہلے رومانی افسانہ نگار کون ہیں؟

(50) سجاد حیدر یلدرم

(51) پریم چند کے مطابق، ان کا پہلا افسانہ کون سا ہے؟

(51) دنیا کا سب سے انمول رتن

(52) "دنیا کا سب سے انمول رتن" کب شائع ہوا؟

(52) 1907ء

(53) محققین کے مطابق اپریل 1908 میں شائع "سیر درویش" کون سا افسانہ قرار دیا گیا؟

(53) پریم چند کا پہلا افسانہ

(54) "سوزِ وطن" جو پانچ افسانوں کا مجموعہ ہے، کب شائع ہوا؟

(54) جون 1908ء

(55) پریم چند کی زندگی کے آخری ایام میں کون سا افسانوی مجموعہ شائع ہوا؟

(55) آخری تحفہ

(56) کون دو افسانوی مجموعہ، پریم چند کی موت کے بعد منظر عام پر آئے؟

(56) (i) دودھ کی قیمت، (ii) واردات

(57) "پریم پچیسی، پریم بتیسی، پریم چالیسی کتنے کتنے جلد میں ہے؟

(57) پہلا ایک، باقی دو، دو

(58) پریم چند کے آخری زمانے کے افسانوں کو [illegible]

(58) کفن [illegible]

| | |
|---|---|
| (60)''انگارے''میں شامل پانچ افسانے کس بیرسٹر کے ہیں؟ | (60)سید سجاد ظہیر |
| (61)راجندر سنگھ بیدی کا پہلا افسانہ کون سا ہے؟ | (61)بھولا |
| (62)''ایک چادر میلی سی'' کس افسانہ نگار کا ناولٹ ہے؟ | (62)راجندر سنگھ بیدی |
| (63)عصمت چغتائی کا وہ افسانہ جس پر مقدمہ چلا، وہ کون سا ہے؟ | (63)لحاف |
| (64)''سات کھیل''(ڈراموں کا مجموعہ) کا مصنف کون ہے؟ | (64)راجندر سنگھ بیدی |
| (65)منشی پریم چند کا پہلا ناول کون سا ہے؟ | (65)اسرارِ معابد |
| (66)پریم چند کا کون سا افسانوی مجموعہ ضبط کر لیا گیا؟ | (66)سوزِ وطن |
| (67)''گرم کوٹ'' کے تخلیق کار کون ہیں؟ | (67)راجندر سنگھ بیدی |
| (68)''شعور کی رَو'' کی تکنیک کو کس ناول میں استعمال کیا گیا ہے؟ | (68)آگ کا دریا |
| (69)''چار چہرے'' کا مصنف کون ہے؟ | (69)سہیل عظیم آبادی |
| (70)''خدا کی بستی'' کا مصنف کون ہے؟ | (70)شوکت صدیقی |
| (71)نذیر احمد کا پہلا ناول ''مرأۃ العروس'' کب لکھا گیا؟ | (71)1869ء |
| (72)''ضدی'' کس کا پہلا ناولٹ ہے؟ | (72)عصمت چغتائی |
| (73)سرسید کے تصورات کو کس ناول میں ہدفِ ملامت بتایا گیا ہے؟ | (73)ابن الوقت |
| (74)دیہی زندگی پر کس نے سب سے زیادہ افسانے لکھے؟ | (74)پریم چند |
| (75)''انارکلی'' کو اسٹیج کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ | (75)طویل مکالمے |
| (76)''امراؤ جان ادا'' ناول میں کس تہذیب کی عکاسی ہے؟ | (76)لکھنؤ |

| | |
|---|---|
| (77) ''آخری فرعون'' کس کا ناول ہے؟ | (77) احمد شجاع |
| (78) ''کامنی'' کس کا ناول ہے؟ | (78) رتن ناتھ سرشار |
| (79) ''موبی'' کس کا افسانہ ہے؟ | (79) کرشن چندر |
| (80) ''دروازے کھول دو'' کس کا ڈراما ہے؟ | (80) کرشن چندر |
| (81) ''فسانۂ عجائب'' کیسی داستان ہے؟ | (81) طبع زاد |
| (82) ''پریم پچیسی'' کس چیز کا مجموعہ ہے؟ | (82) افسانوں |
| (83) وہ افسانہ جو کہانی سے بے نیاز ہوتا ہے وہ کیا کہلاتا ہے؟ | (83) تجریدی افسانہ |
| (84) امانت لکھنوی کی ''اندر سبھا'' کب تصنیف ہوئی؟ | (84) 1853ء |
| (85) ''ابن الوقت'' ناول نذیر احمد کی ہے تو ''بنت الوقت'' ناول کس نے لکھی؟ | (85) راشد الخیری |
| (86) قرۃ العین حیدر کے پہلے ناول کا نام بتایئے؟ | (86) میرے بھی صنم خانے |
| (87) ''نادید'' کس ناول نگار نے لکھا ہے؟ | (87) جوگیندر پال |
| (88) ''ہم وحشی ہیں'' کس کا افسانوی مجموعہ ہے؟ | (88) کرشن چندر |
| (89) ''ہاتھ ہمارے قلم ہوئے'' کس کا افسانوی مجموعہ ہے؟ | (89) راجندر سنگھ بیدی |
| (90) ''روشنی کی رفتار'' جیسا مشہور افسانہ اردو دنیا کو کس نے دیا؟ | (90) قرۃ العین حیدر |
| (91) ''چچا چھکن'' کس کا ڈراما ہے؟ | (91) امتیاز علی تاج |
| (92) ''فٹ پاتھ کے شہزادے'' کس کا ڈراما ہے؟ | (92) محمد حسن |
| (93) ''شہید ناز'' اور ''خوبصورت بلا'' کس مشہور ڈراما نگار کا ڈراما ہے؟ | (93) آغا حشر کاشمیری |

# (vii) ''غیرافسانوی نثر''

## (مضمون، انشائیہ، خطوط، سوانح، خودنوشت)

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) ''گنجے فرشتے'' خاکوں کا مجموعہ ہے۔ یہ کس نے لکھا ہے؟ | (1) سعادت حسن منٹو |
| (2) ''غبارِ خاطر'' کتنے خطوط کا مجموعہ ہے؟ | (2) 24 |
| (3) ''دوزخی'' نام سے اپنے بھائی کا خاکہ کس نے لکھا؟ | (3) عصمت چغتائی |
| (4) ''تذکرہ'' جو ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے وہ کیا ہے؟ | (4) خودنوشت |
| (5) ''غبارخاطر'' میں ابوالکلام نے کس دوست کے نام خطوط لکھے ہیں؟ | (5) حبیب الرحمٰن شیروانی |
| (6) ''سی پارۂ دل'' کس کی تخلیق ہے؟ | (6) خواجہ حسن نظامی |
| (7) ''نذیر احمد کی کہانی، کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' یہ خاکہ کس نے لکھا ہے؟ | (7) مرزا فرحت اللہ بیگ |
| (8) ''مضامین فرحت'' کیا ہے؟ | (8) ظرافت سے متعلق چیزیں |
| (9) ''دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ''، ''پھول والوں کی سیر'' کن کے مضامین ہیں؟ | (9) مرزا فرحت اللہ بیگ |
| (10) ''آدمی نامہ'' خاکوں کا مجموعہ بھی ہے، یہ کس نے لکھا ہے؟ | (10) مجتبٰی حسین حیدرآبادی |
| (11) ''یادوں کی بارات'' کیا ہے؟ | (11) خودنوشت |
| (12) ''ہم نفسانِ رفتہ'' کس کے خاکوں کا مجموعہ ہے؟ | (12) رشید احمد صدیقی |

| | |
|---|---|
| (13) رپورتاژ ''لندن لیٹر'' کس نے لکھا؟ | (13) قرۃ العین حیدر |
| (14) ''بحث وتکرار'' کس کا مضمون ہے؟ | (14) سرسید |
| (15) ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' یہ کیا ہے؟ | (15) انشائیہ |
| (16) ''خنداں'' جو طنزیہ ومزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہے، کس نے پیش کیا ہے؟ | (16) رشید احمد صدیقی |
| (17) ''ورودِ مسعود'' کس کی خودنوشت ہے؟ | (17) مسعود حسین خاں |
| (18) ''مرحوم کی یاد میں''، یہ انشائیہ کس کا ہے؟ | (18) پطرس بخاری |

# (viii) تنقید: اصول اور نظریات

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) ''معشوق کی موہوم کمر ہے'' تنقید کے متعلق کس نے کہا ہے؟ | (1) کلیم الدین احمد |
| (2) ''اردو میں تنقید کا وجود محض فرضی ہے'' یہ کس کا قول ہے؟ | (2) کلیم الدین احمد |
| (3) ''اقلیدس کا یہ خیالی نقطہ ہے'' تنقید کے متعلق یہ خیال کس کا ہے؟ | (3) کلیم الدین احمد |
| (4) حالی نے ''مقدمہ شعروشاعری'' میں کتنے صنفوں کا جائزہ لیا ہے؟ | (4) چار |
| (5) ''مقدمۂ شعروشاعری'' کب منظرعام پر آیا؟ | (5) 1893ء |
| (6) ''مقدمہ شعروشاعری'' کا پہلے نام کیا تھا؟ | (6) مقدمہ شعروشاعری مع دیوانِ حالی |
| (7) کسی فن پارے کے متعلق اچھائی یا برائی کا جائزہ لینا کیا کہلاتا ہے؟ | (7) تنقید |

| سوال | جواب |
| --- | --- |
| (8)''تنقید سانس کی طرح ضروری ہے'' یہ کس کا قول ہے؟ | (8)کلیم الدین احمد |
| (9)اردو میں تنقید کی با قاعدہ ابتدا کس کتاب سے ہوئی؟ | (9)مقدمہ شعروشاعری |
| (10)''میر تنقید ایک باز دید'' کس نقاد کی تصنیف ہے؟ | (10)کلیم الدین احمد |
| (11)کس نقاد کا تعلق تعلیم وتربیت کے حوالے سے علی گڑھ سے نہیں ہے؟ | (11)سید احتشام حسین |
| (12)''موازنۂ انیس ودبیر'' کب لکھی گئی؟ | (12)1907ء |
| (13)''آبِ حیات'' کب لکھی گئی؟ | (13)1881ء |
| (14)تنقید کے بارے میں اصولی گفتگو حالی نے کی مگر عملی تنقید پہلے کس نے کیا؟ | (14)شبلی |
| (15)رومانی تنقید کی بنیاد کس نقاد کے یہاں ہے؟ | (15)شبلی |
| (16)مارکسی تنقید کے اور نام کیا کیا ہیں؟ | (16)(i)اشتراکی تنقید، (ii)ترقی پسند تنقید |
| (17)سید احتشام کا تعلق تنقید کے کس دبستان سے ہے؟ | (17)مارکسی تنقید |
| (18)محمد حسن عسکری کا تعلق تنقید کے کس دبستان سے ہے؟ | (18)جمالیاتی تنقید |
| (19)''تاثراتی تنقید'' سے متعلق کون مشہور ہیں؟ | (19)رشید احمد صدیقی |
| (20)''عملی تنقید'' کا کس نقاد سے زیادہ تعلق ہے؟ | (20)کلیم الدین احمد |
| (21)''تقابلی تنقید'' کا تعلق کس نقاد سے ہے؟ | (21)شبلی |
| (22)آل احمد سرور کا تعلق کس دبستانِ تنقید سے ہے؟ | (22)سائنٹفک |
| (23)نفسیاتی تنقید کے حوالے سے کون مشہور ہیں؟ | (23)وزیر آغا |
| (24)کلاسیکی نقاد کون ہیں؟ | (24)مولوی عبدالحق |
| (25)مغرب کی طرفداری سب سے زیادہ کون نقاد کرتے ہیں؟ | (25)کلیم الدین احمد |

| | |
|---|---|
| (26) ''اردو تنقید پر ایک نظر'' کس ناقد کی مشہور کتاب ہے؟ | (26) کلیم الدین احمد |
| (27) مارکسی تنقید کے حوالے سے کس مغربی مفکر کا نام لیا جاتا ہے؟ | (27) کارل مارکس |
| (28) F.R.Livis کا تعلق تنقید کے کس دبستان سے ہے؟ | (28) عملی تنقید |
| (29) نفسیاتی تنقید کے حوالے سے کون سا مغربی مفکر مشہور ہے؟ | (29) فرائڈ |
| (30) اردو کے پہلے ترقی پسند نقاد کون ہیں؟ | (30) اختر حسین رائے پوری |
| (31) ''ادب اور انقلاب'' کس نقاد کی کتاب ہے؟ | (31) اختر حسین رائے پوری |
| (32) کس کتاب کو اردو تنقید کی بوطیقا کہا جاتا ہے؟ | (32) مقدمہ شعر و شاعری |
| (33) اردو کا سب سے نامور ترقی پسند ناقد کون ہے؟ | (33) سید احتشام حسین |
| (34) ''کاشف الحقائق'' کا مصنف کون ہے؟ | (34) امداد امام اثرؔ |
| (35) ''کاشف الحقائق'' کس فن کی کتاب ہے؟ | (35) تنقید |
| (36) مجنوں گورکھپوری تنقید کے کس دبستان سے متعلق ہیں؟ | (36) جمالیاتی تنقید |
| (37) نفسیاتی تنقید کو اردو سے متعارف کس نے کرایا؟ | (37) میرا جی |
| (38) ''گذشتہ لکھنؤ'' کس کی تصنیف ہے؟ | (38) رجب علی بیگ سرورؔ |
| (39) خامیوں کو نہ دیکھ کر صرف محاسن کو کس تنقید میں اختیار کیا جاتا ہے؟ | (39) تاثراتی تنقید |

## عروض و بلاغت کے حوالے سے

سوال: لفظ جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔اگر وہی معنی مراد ہو۔''حقیقت'' ورنہ کیا کہلائے گا؟

جواب: مجاز

سوال: جب لفظ سے لغوی معنی ترک کر کے کوئی اور معنی مراد لیا جاتا ہو تو اُسے کیا کہتے ہیں؟

جواب: استعارہ

سوال: اگر لفظ اپنے لغوی معنی سے ہٹ کر دوسرے مضمون میں استعمال ہوتا ہو مگر لغوی معنی بھی اس سے مراد لیے جا سکتے ہوں تو وہ کیا کہلائے گا؟

جواب: کنایہ

## استعارہ اور کنایہ میں فرق

دونوں کا فرق خود ان دونوں کے نام سے ظاہر ہے۔ استعارہ معنی: عاریت رمفت چاہنا، مطلب یہ ہے کہ یہاں پر کوئی اور دوسرا معنی چاہا جارہا ہے جب کہ کنایہ خفا اور پوشیدہ کے معنی میں ہے۔مطلب یہ ہے کہ نئے معنی تو مراد لیے جاتے ہیں مگر پوشیدہ طور پر اس کے اصل لغوی معنی بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔یاد رہے کہ کنیت کو بھی اسی وجہ سے کنیت کہا جاتا ہے کہ اصل نام اس میں پوشیدہ رہتا ہے۔

سوال: کسی چیز کی نسبت علم ہونے کے باوجود اپنی ناواقفیت کا اظہار کرنا کیا کہلاتا ہے؟

جواب: تجاہل عارفانہ

**تجاہل عارفانہ کہنے کی وجہ:** یہ دو لفظ کا مجموعہ: تجاہل+ عارفانہ

تجاہل معنی جاہل بننا اور عارفانہ معنی جان کر بوجھ کر۔ پوری تعریف خود اس کے نام سے ظاہر ہے کہ جہاں بھی جان کر بوجھ کر انجان بننے کی کیفیت ظاہر ہوگی وہ ''تجاہل عارفانہ'' ہوگا۔

سوال: کسی چیز کے لیے کوئی ایسی وجہ بیان کرنا جو واقعی تو نہ ہو مگر اس میں کوئی شاعرانہ جدت ہو، اُسے کیا کہتے ہیں؟

جواب: حُسنِ تعلیل

حُسنِ تعلیل کہنے کی وجہ: حُسن + تعلیل

حسن معنی خوبی/اچھائی۔ تعلیل معنی علت بیان کرنا/وجہ بیان کرنا

مطلب یہ ہے کہ اس طرح وجہ بیان کرنا کہ اس میں اچھائی اور خوبی پیدا ہو جائے بلکہ نیا پن آ جائے اسی وجہ سے اسے حُسنِ تعلیل کہا جاتا ہے۔

سوال: پہلے چند چیزیں ایک ترتیب سے بیان کی جائیں اور دوسرے مصرعہ میں ان کے مناسبات کو اُسی ترتیب سے درج کیے جائیں تو یہ کیا کہلاتا ہے؟

جواب: لف ونشر مرتب

اصل تقسیم یوں ہے: لف ونشر (1) مرتب (2) غیر مرتب

لف ونشر کہنے کی وجہ: لف معنی لپیٹنا اور نشر معنی کھولنا۔ پھیلانا۔ یعنی جس طرح بند کیا گیا اسی طرح کھول دینا۔ اصطلاح میں یوں کہا جائے گا کہ شعر میں اگر پہلے چند چیزیں بیان کی گئی ہوں اور اُس کے مناسبات کو اُسی ترتیب سے درج کیا جائے تو یہ لف ونشر مرتب ہے۔ جیسے مثال دیکھیں ؎

نہ ہمت نہ دل ہے نہ قسمت نہ آنکھیں
نہ ڈھونڈا نہ سمجھا نہ پایا نہ دیکھا

یہاں پر ہمت کے لیے ڈھونڈا، دل کے لیے سمجھا، قسمت کے لیے پایا اور آنکھوں کے لیے دیکھا استعمال ہوا ہے۔ یہاں پہلے شعر کی ترتیب سے دوسرے شعر کو لایا گیا ہے۔ اس لیے یہ لف ونشر مرتب کی مثال ہے۔ اگر آگے پیچھے دوسرے مصرعہ کو کر دیا جائے تو لف ونشر غیر مرتب ہو جائے گا۔

سوال: کسی چیز یا شخص کی تعریف یا (برائی) اس حد تک کرنا کہ سامع کو انتہا معلوم ہو، وہ

کیا کہلاتا ہے؟

جواب: مبالغہ

مبالغہ دو قسم کا ہوتا ہے: (1) غلو (2) اغراق

مبالغہ کہنے کی وجہ: مبالغہ 'بلغ' سے بنا ہے۔ اسی سے 'بالغ' بنا ہے۔ مبالغہ معنی ہی ہوتا ہے بڑھا چڑھا کر پیش کرنا۔

نایاب نکتہ: یہ یاد رہے کہ تعریف میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے یا مذمت میں۔ دونوں ہی مبالغہ ہے

سوال: کوئی ایسی بات کہی جائے جس کا اصل مقصد کچھ اور ہو لیکن ظاہر کچھ اور ہی ہوتا ہو تو اُسے کیا کہتے ہیں؟ جواب: مکرِ شاعرانہ

سوال: شعر میں کسی تاریخی واقعہ کا بیان کیا کہلاتا ہے؟ جواب:۔ تلمیح

تلمیح کہنے کی وجہ: تلمیح کے معنی ہی آتے ہیں اشارہ کرنا اور اصطلاح میں یہ کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی لیے اسے تلمیح کہا جاتا ہے۔

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) کسی چیز کی طلب زیادہ اچھے انداز میں کرنا کیا کہلاتا ہے؟ | (1) حُسنِ طلب |
| (2) وہ لفظ جو شعر یا مصرعہ کے آخر میں، ردیف سے پہلے آتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ | (2) قافیہ |
| (3) وہ لفظ جو شعر یا مصرعوں کے آخر میں بار بار آتا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ | (3) ردیف |
| (4) وہ حرف جو قافیے کے آخر میں بار بار آئے اور جس پر قافیے کی بنیاد ہوتی ہے وہ کیا کہلاتا ہے؟ | (4) حرفِ روی |
| (5) وہ نظم جس میں ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص کے کارنامے بیان کیے جائیں وہ کیا کہلاتی ہے؟ | (5) رزمیہ |

| سوال | جواب |
|---|---|
| (6) غزل کا پہلا شعر جس میں دونوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں، کیا کہلاتا ہے؟ | (6) مطلع |
| (7) حُسنِ مطلع کو اور کن ناموں سے جانا جاتا ہے؟ | (7) مطلعِ ثانی / زیبِ مطلع |
| (8) غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ | (8) مقطع |
| (9) دوحرفی لفظ کو کیا کہتے ہیں؟ | (9) سبب (مثال: ہم) |
| (10) تین حرفی (سہ حرفی) لفظ کو کیا کہتے ہیں؟ | (10) وتد (مثال: ثنا / رہا) |
| (11) چار حرفی لفظ کو کیا کہتے ہیں؟ | (11) فاصلہ (مثال: اُلفت) |
| (12) رباعی میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟ | (12) چار |
| (13) رباعی میں چار ہی مصرعے کیوں ہوتے ہیں؟ | (13) کیوں کہ رباعی معنی ہی ''چار'' ہوتا ہے |
| (14) رباعی کے کتنے اوزان ہیں؟ | (14) 24 |
| (15) رباعی کا مشہور وزن کیا ہے؟ | (15) لاحول ولا قوۃ |
| (16) وہ نظم جس میں تباہی کا بیان، ہمدردی کے ساتھ کیا جائے، اُسے کیا کہتے ہیں؟ | (16) شہرآشوب |
| (17) ایسی نظم جس میں اللہ کی حمد و ثنا کی جائے، اُسے کیا کہتے ہیں؟ | (17) حمد |
| (18) ایسی نظم جس میں شاعر خدا کی تعریف بھی کرتا ہے اور دعا بھی مانگتا ہے اُسے کیا کہتے ہیں؟ | (18) مناجات |
| (19) ایسی نظم جس میں آپ کی تعریف اور خوبی بیان کی جائے، اُسے کیا کہتے ہیں؟ | (19) نعت |
| (20) ایسی نظم جس میں صحابۂ کرام، بزرگانِ دین، اولیاء کرام کی توصیف و تعریف بیان کی جائے، اُسے کیا کہتے ہیں؟ | (20) منقبت |

نکتہ: معنی کے اعتبار سے منقبت تعریف اور نعت سب ایک ہے لیکن اب لفظ 'نعت' آپ ؐ

کی تعریف وتوصیف کے لیے مختص ہو چکا ہے اسی طرح لفظ 'منقبت' صحابۂ کرام، بزرگانِ دین اوراولیاءِ کرام کے لیے تقریباً متعین ہو چکا ہے۔ یہ بھی یاد رہنا ضروری ہے

## حمد وثناء اور مناجات میں فرق

صرف خدا کی تعریف = حمد رحمد وثناء

خدا کی تعریف + دعاء = مناجات

| | |
|---|---|
| (21) رباعی کا کون سا مصرعہ وزنی ہوتا ہے؟ | (21) چوتھا |
| (22) قطعہ کتنے مصرعے کی نظم ہوتی ہے؟ | (22) چار |
| (23) قطعہ کے لیے کیا شرط ہے؟ | (23) مطلع کا نہ ہونا |
| (24) قطعہ میں کس چیز کی قید نہیں ہے؟ | (24) اشعار کے تعداد کی |
| (25) قطعہ کا چوتھا مصرعہ کیا ہوتا ہے؟ | (25) ہم قافیہ |
| (26) شعر کا ایک حصہ کیا کہلاتا ہے؟ | (26) مصرعہ |
| (27) شعر کا دوسرا نام کیا ہے؟ | (27) بیت |
| (28) استعارہ میں ارکانِ تشبیہ میں سے کون سا لفظ استعمال ہوتا ہے؟ | (28) مشبہ بہ |
| (29) وہ نظم کون سی ہے جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں؟ | (29) مسدس |

یاد رکھیں: (1) مشبہ بہ (2) مشبہ (3) تشبیہ

جس چیز کو تشبیہ دیں گے وہ ''مشبہ'' کہلائے گا اور جس سے دیں گے وہ ''مشبہ بہ''

جیسے ''RINU'' سے کہیں کہ تم پھول ہو۔ تو یہاں پر ''رینو'' کو تشبیہ دے رہے ہیں اس لیے یہاں پر Rinu ''مشبہ'' ہے اور ''پھول'' جس سے تشبیہ دے رہے ہیں، وہ ''مشبہ بہٰ'' ہے اور اس عمل کو ''تشبیہ'' کہتے ہیں۔

ایک عام غلطی: اکثر حضرات ''مشبہ بہ'' میں 'بہ' کے 'ب' کو مجہول کے ساتھ پڑھتے ہیں یا کسی اور طرح سے، یہ قرأت غلط ہے، صحیح لفظ یوں ہے ''مُشَبَّہ بِہٖ۔''

سوال: سبب کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: دو (1) سببِ ثقیل (2) سببِ خفیف

سوال: وتد کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: دو (1) وتد مجموع (2) وتد مفروق

سوال: فاصلہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: دو (1) فاصلہ کُبریٰ (2) فاصلہ صُغریٰ

سوال: وہ صنفِ سخن جس میں عورتوں کے جذبات کا اظہار خود عورتوں کی زبان ہی میں ہوتا ہے، اسے کیا کہتے ہیں؟

جواب: ریختی

## لسانیات کے گوشے سے

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) ماہر لسانیات نے دنیا کی زبانوں کو کتنے خاندانوں میں تقسیم کیا ہے؟ | (1) آٹھ |
| (2) مغربی ہندی میں کل کتنی بولیاں شامل ہیں؟ | (2) پانچ |
| (3) مغربی ہندی کی بولیوں کے نام بتائیں؟ | (3) (i) کھڑی (ii) برج (iii) ہریانوی (iv) بندیلی (v) قنوجی |
| (4) لسانی خاندانوں میں سب سے اہم خاندان کون سا ہے؟ | (4) ہند یوروپی خاندان |
| (5) ہند آریائی زبان کس خاندان سے نکلی؟ | (5) ہند یوروپی خاندان |

| | |
|---|---|
| (6) ہندآریائی خاندان کو بالعموم کتنے ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے؟ | (6) تین |
| (7) ہندآریائی خاندان کے تینوں ادوار کے نام لکھیں؟ | (7)(i) قدیم ہندآریائی<br>(ii) وسطی ہندآریائی<br>(iii) جدید ہندآریائی |
| (8) قدیم ہندآریائی کب سے کب تک مانا جاتا ہے؟ | (8) 1500ر قبل مسیح (ق م)<br>سے 500ر قبل مسیح (ق م) تک |
| (9) وسط ہندآریائی کب سے کب تک مانا جاتا ہے؟ | (9) 500ر ق م سے<br>1000ر ء تک |
| (10) جدید ہندآریائی کا Period کیا ہے؟ | (10) 1000ء سے اب تک |
| (11) کس اَپ بھرنش سے مغربی ہندی نکلی؟ | (11) شورسینی اَپ بھرنش |
| (12) کوئی بھی 'اَپ بھرنش' کس سے نکلی؟ | (12) پراکرت |
| (13) مغربی ہندی اور مشرقی ہندی بولیوں کے نام کس نے دیئے؟ | (13) جارج گریرسن |
| (14) مشرقی ہندی کی اہم بولیاں کتنی ہیں؟ | (14) پانچ |
| (15) مشرقی ہندی کی بولیوں کے نام لکھیں؟ | (15)(i) اودھی (ii) بنگلہ<br>(iii) اُڑیا (iv) بھوج پوری<br>(v) میتھلی |
| (16) بنگلہ کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ | (16) رابندرناتھ ٹیگور |
| (17) میتھلی کا مشہور مصنف کون ہے؟ | (17) وِدّیاپتی |
| (18) اردو کس لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟ | (18) ہندآریائی |
| (19) اردو کی لسانی تشکیل میں کس بولی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے؟ | (19) کھڑی بولی |

(20) دکنی نے کس پڑوسی زبان سے زیادہ اثر قبول کیا؟ (20) مرہٹی

(21) ''کھڑی بولی'' کس علاقے سے تعلق رکھتی ہے؟ (21) مغربی یوپی

(22) مغربی یوپی کے تین اضلاع کا نام بتائیں جہاں ''کھڑی بولی'' بولی جاتی ہے؟ (22) (i) میرٹھ، (ii) مظفرنگر (iii) سہارن پور

## اردو کی پیدائش سے متعلق چند اہم نظریات

| سوالات | جوابات |
|---|---|
| (1) ''اردو برج سے نکلی'' یہ کس کا قول ہے؟ | (1) محمد حسین آزاد |
| (2) ''اردو دہلی کی زبان ہے'' یہ کن لوگوں کا نظریہ ہے؟ | (2) سرسید احمد خاں، میرامن لطف دہلوی |
| (3) ''اردو پنجاب میں پیدا ہوئی'' یہ کس نے کہا ہے؟ | (3) حافظ محمود شیرانی |
| (4) ''اردو سندھ میں پیدا ہوئی'' یہ کس نے کہا ہے؟ | (4) نصیرالدین ہاشمی آمنہ خاتون |
| (5) ''اردو ہریانوی سے نکلی ہے'' یہ قول کس کا ہے؟ | (5) محی الدین قادری زور |
| (6) ''اردو مگدھی سے نکلی ہے'' یہ کس کا نظریہ ہے؟ | (6) اختر اورینوی |
| (7) 'نواح دہلی' کی بولیوں سے نکلی ہے۔ یہ نظریہ کس نے پیش کیا ہے؟ | (7) مسعود حسین خاں |
| (8) ''اردو کھڑی بولی سے نکلی ہے'' یہ نظریہ کس نے دیا ہے؟ | (8) شوکت سبزواری، ڈاکٹر سہیل بخاری |

**صحیح فیصلہ:** عمیق مطالعے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اب تک مذکورہ بالا تمام نظریوں میں سب سے صحیح نظریہ شوکت سبزواری اور ڈاکٹر سہیل بخاری کا ہے۔

# BIOLOGICAL ENCYCLOPEDIA

## ''سوانحی انسائیکلوپیڈیا''

## چند اہم شخصیات: معلومات کے آئینے میں

(1) معروف نام: آتش لکھنوی
اصل نام: خواجہ حیدر علی
ابن: خواجہ علی بخش رخواجہ علی شجاع
تلمیذ: مصحفی
تاریخ ولادت: 1778ء
مقام ولادت: فیض آباد
تاریخ وفات: 13رجنوری 1847ء
مقام وفات: لکھنؤ
اہم تصانیف: دو دیوان

(2) معروف نام: آزاد
اصل نام: محمد حسین
ابن: محمد باقر
تلمیذ: ذوق دہلوی
تاریخ ولادت: 1830ء
مقام ولادت: دہلی
تاریخ وفات: 1910ء
مقام وفات: دہلی
اہم تصانیف: سخن دانِ فارس، نیرنگِ خیال
آبِ حیات، خوابِ امن

(3) معروف نام: آغا حشر
اصل نام: آغا حشر کاشمیری
تاریخ ولادت: 1889ء
تاریخ وفات: 1935ء
اہم تصانیف: یہودی کی لڑکی، آنکھ کا نشہ، دل کی پیاس صید ہوس، امیر حرص، سفید خون، شامِ جوانی، خوبصورت بلا

(4) معروف نام: آل احمد سرور
اصل نام: آل احمد سرور
تاریخ ولادت: 1912ء
مقام ولادت: بدایوں
اہم تصانیف: تنقید کیا ہے، ادب اور نظریہ
نئے اور پرانے چراغ، تنقیدی اشارے
نظر اور نظریے، مسرت سے بصیرت تک
وغیرہ وغیرہ

(5) معروف نام: ابوالکلام آزاد
اصل نام: محی الدین احمد
تاریخ ولادت: 1888ء
مقام ولادت: مکہ معظمہ
تاریخ وفات: 1985ء
مقام وفات: دہلی
اہم تصانیف: غبار خاطر، مقالات آزاد تذکرہ وغیرہ

(6) معروف نام: احتشام حسین
اصل نام: سید احتشام حسین
تاریخ ولادت: 1912ء
مقام ولادت: قصبہ ماہل ضلع اعظم گڑھ
تاریخ وفات: 1972ء
اہم تصانیف: تنقیدی جائزے، روایت اور بغاوت، ادب اور سماج، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ وغیرہ

(7) معروف نام: اختر الایمان
اصل نام: اختر الایمان
تاریخ ولادت: 12/نومبر 1915ء
مقام ولادت: نجیب آباد ضلع بجنور
تاریخ وفات: 9/مارچ 1999
مقام وفات: ممبئی
اہم تصانیف: گرداب، ایک سیارہ، سب رنگ، آب جو، یادیں، بنت لمحات، نیا آہنگ، سروساماں، زمین زمین

(8) معروف نام: اصغر گونڈوی
اصل نام: اصغر حسین
ابن: منشی تفضل حسین
تلمیذ: امیر اللہ تسلیم
تاریخ ولادت: یکم مارچ 1884ء
مقام ولادت: گورکھپور
تاریخ وفات: 30/نومبر 1936ء
مقام وفات: الہ آباد
اہم تصانیف: (i) نشاطِ روح (1925ء)
(ii) سرودِ زندگی (1925ء)

(9) معروف نام: اکبر الہ آبادی
اصل نام: سید اکبر حسین رضوی
ابن: میر تفضل حسین
تلمیذ: وحید الہ آبادی

(10) معروف نام: علامہ اقبال
اصل نام: شیخ محمد اقبال
ابن: شیخ نور محمد
تلمیذ: داغ دہلوی

تاریخ ولادت: 21/نومبر 1846ء
مقام ولادت: تحصیل باڑہ ضلع آلہ آباد
تاریخ وفات: 9/ستمبر 1924ء
خطاب: 'لسان العصر'، خان بہادر
اہم تصنیف: انتخاب اکبر الہ آبادی

تاریخ ولادت: 22/فروری 1877ء
مقام ولادت: سیالکوٹ
تاریخ وفات: 21/اپریل 1938ء
مقام وفات: لاہور، پاکستان
مدفن: شاہی مسجد لاہور
خطاب: سر، ڈاکٹر
اہم تصانیف: بالِ جبریل، ضرب کلیم
بانگ درا، ارمغانِ حجاز، اسرارِ خودی
رموزِ بےخودی، جاوید نامہ (فارسی)

(11) معروف نام: امیر خسرو
اصل نام: ابوالحسن
ابن: امیر سیف الدین
تاریخ ولادت: 1253ء
مقام ولادت: پٹیالی ضلع ایٹہ
(نئی تحقیق کے مطابق: دہلی)
تاریخ وفات: 9 ستمبر 1325ء
مقام وفات: دہلی
مدفن: نزد درگاہ حضرت نظام الدینؒ
اہم تصانیف: غرۃ الکمال، تحفۃ الصغر،
قران السعدین

(12) معروف نام: انشاء
اصل نام: سید انشاء اللہ خاں
ابن+تلمیذ: سید ماشاء اللہ خاں
تاریخ ولادت: دسمبر 1756ء
مقام ولادت: مرشد آباد
تاریخ وفات: 1818ء
مقام وفات: لکھنؤ
اہم تصانیف: دریائے لطافت،
رانی کیتکی کی کہانی
منظومات: دیوانِ انشاء

(13) معروف نام: بیدی
اصل نام: راجندر سنگھ بیدی
تاریخ ولادت: 1915ء
مقام ولادت: لاہور

(14) معروف نام: پریم چند
اصل نام: دھنپت رائے
ابن: منشی عجائب رائے
تاریخ ولادت: 1880ء

تاریخ وفات: 1984ء

مقام وفات: ممبئی

اہم تصانیف: دس منٹ بارش میں (افسانہ) دانہ ودام، گرہن، کوکھ جلی، لمبی لڑکی، اپنے دکھ مجھے دیدووغیرہ

مقام ولادت: لمہی بنارس

تاریخ وفات: 1936ء

مقام وفات: بنارس

اہم تصانیف: آخری تحفہ، پریم پچیسی گئودان، نرملاوغیرہ

---

(15) معروف نام: تاج

اصل نام: امتیاز علی تاج

تاریخ ولادت: 13/اکتوبر1900ء

مقام ولادت: لاہور (پنجاب، ہندستان)

تاریخ وفات: 19/اپریل1970ء

مقام وفات: لاہور (پنجاب، پاکستان)

اہم تصنیف: انارکلی (ڈراما)

(16) معروف نام: جگر مرادآبادی

اصل نام: علی سکندر

ابن: مولوی سید علی نظر

تلمیذ: (i) داغ دہلوی (ii) تسلیم

تاریخ ولادت: 6/اپریل1890ء

مقام ولادت: مرادآباد

تاریخ وفات: 9/ستمبر1960ء

مقام وفات: گونڈہ

اہم تصانیف: آتشِ گل، داغِ جگر، شعلۂ طور

---

(17) معروف نام: جوش ملیح آبادی

اصل نام: شبیر حسن خاں

ابن: محمد بشیر احمد خاں

تلمیذ: عزیز لکھنوی

تاریخ ولادت: 5/دسمبر1894ء

مقام ولادت: ملیح آباد

تاریخ وفات: 22/فروری1982ء

مقام وفات: اسلام آباد، پاکستان

اہم تصانیف: نقش ونگار، فکرونشاط،

(18) معروف نام: جذبی

اصل نام: معین احسن

تاریخ ولادت: 1912ء

مقام ولادت: مبارک پور، اعظم گڑھ

اہم تصانیف: فروزاں، سخن مختصر

شعلۂ وشبنم، روحِ ادب، حرف وحکایت،
جنون وحکمت، آیات ونغمات
خودنوشت: یادوں کی بارات

(19) معروف نام: چکبست لکھنوی
اصل نام: برج نرائن
ابن: اُدے نرائن
تلمیذ: سید افضل علی خاں افضلؔ
تاریخ ولادت: 19رجنوری 1882ء
مقام ولادت: فیض آباد
تاریخ وفات: 12رفروری 1926ء
مقام وفات: ریلوے اسٹیشن: رائے بریلی
اہم تصانیف: صبحِ وطن (مجموعہ کلام)
رسالہ: صبحِ امید

(20) معروف نام: حالؔی
اصل نام: الطاف حسین
ابن: خواجہ ایزد بخش
تلمیذ: (i) غالب (ii) نواب مصطفےٰ خان شیفتہؔ
تاریخ ولادت: 1830ء
مقام ولادت: پانی پت، ہریانہ
تاریخ وفات: 31ردسمبر 1914ء
مقام وفات: پانی پت، ہریانہ
خطاب: شمس العلماء
اہم تصانیف: یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید
مکتوبات حالی، حیاتِ سعدی،
مقدمہ شعروشاعری، مقالاتِ حالی
شعری: مسدس حالی، دیوانِ حالی،
مجموعۂ نظم حالی

(21) معروف نام: حسرت موہانی
اصل نام: سید فضل الحسن
ابن: سید از ہر موہانی
تلمیذ: (i) حضرت بلال لکھنوی
(ii) تسلیم لکھنوی
تاریخ ولادت: 1881ء
مقام ولادت: قصبہ موہان ضلع اُناؤ

(22) معروف نام: خلیل الرحمٰن اعظمی
اصل نام: خلیل الرحمٰن اعظمی
مقام ولادت: اعظم گڑھ
مقام دفات: علی گڑھ
اہم تصانیف: نیا عہد نامہ، نئی نظم کا سفر
نوائے ظفر

تاریخ وفات: 13 مئی 1951ء
مقام وفات: لکھنؤ
اہم تصانیف: کلیاتِ حسرت
نثری: شرحِ دیوانِ غالب

---

(23) معروف نام: داغ دہلوی
اصل نام: نواب مرزا خاں
ابن: نواب شمس الدین خاں
تلمیذ: ذوق دہلوی
تاریخ ولادت: 25 مئی 1831ء
مقام ولادت: دہلی
تاریخ وفات: 14 فروری 1905ء
مقام وفات: حیدر آباد
خطاب: بلبلِ ہندوستان، استادِ جہاں
دبیر الدولہ، فصیح الملک
اہم تصانیف: گلزارِ داغ، آفتابِ داغ
ماہتابِ داغ، یادگارِ داغ، فریادِ داغ

(24) معروف نام: درد دہلوی
اصل نام: خواجہ محمد میر
ابن: خواجہ محمد ناصر عندلیب
تاریخ ولادت: 1721ء
مقام ولادت: دہلی
تاریخ وفات: 6 جنوری 1785ء
مقام وفات: دہلی
مدفن: ترکمان گیٹ دہلی
اہم تصانیف: نالۂ درد، آہِ سرد، شمع محفل

---

(25) معروف نام: دیا شنکر نسیم
اصل نام: پنڈت دیا شنکر نسیم
ابن: پنڈت گنگا پرساد کول
تلمیذ: آتش لکھنوی
تاریخ ولادت: 1811ء

(26) معروف نام: دبیر
اصل نام: مرزا سلامت علی
ابن: مرزا غلام حسین
تلمیذ: میر مظفر حسین ضمیر
تاریخ ولادت: 1803ء

مقام ولادت: لکھنؤ

تاریخ وفات: 1845ء

مقام وفات: لکھنؤ

اہم تصنیف: گلزار نسیم

مقام ولادت: دہلی

تاریخ وفات: 1875ء

مقام وفات: لکھنؤ

اہم تصانیف: کوئی طبع نہ ہوسکی

(27) معروف نام: ڈپٹی نذیر احمد

اصل نام: نذیر احمد

تلمیذ: مولوی نصر اللہ

تاریخ ولادت: 1836ء

مقام ولادت: بجنور، یوپی

تاریخ وفات: 1912ء

اہم تصانیف: مراۃ العروس، توبۃ النصوح
بنات النعش، ابن الوقت وغیرہ

(28) معروف نام: ذوق دہلوی

اصل نام: شیخ محمد ابراہیم

ابن: شیخ محمد رمضان

تلمیذ: شاہ نصیر دہلوی

تاریخ ولادت: 22/اگست 1789ء

مقام ولادت: دہلی

تاریخ وفات: 16/نومبر 1854ء

مقام وفات: دہلی

مدفن: تکیہ میر کلو قطب روڈ دہلی

اہم تصنیف: ایک دیوان

(29) معروف نام: رجب علی بیگ سرور

اصل نام: مرزا رجب علی بیگ سرور

ابن: مرزا اصغر علی

تاریخ ولادت: 1785ء

تاریخ وفات: 1869ء

مقام وفات: بنارس

اہم تصانیف: گلزارِ سرور، فسانۂ عجائب
انشائے سرور

(30) معروف نام: رشید احمد صدیقی

اصل نام: رشید احمد صدیقی

تاریخ ولادت: 1898ء

مقام ولادت: موضع مُرلیا، ضلع جون پور

تاریخ وفات: 1977ء

مقام وفات: علی گڑھ

اہم تصانیف: آشفتہ بیانی میری، خنداں
مضامین رشید، ذاکر صاحب

شگوفۂ محبت، شبستانِ سرور، فسانۂ عبرت

گنج ہائے گراں مایہ، ہم نفسان رفتہ
طنزیات ومضحکات وغیرہ

(31) معروف نام: ساحرلدھیانوی
اصل نام: عبدالحی
ابن: فضل محمد
تاریخ ولادت: 8/مارچ 1921ء
مقام ولادت: لدھیانہ
تاریخ وفات: 25/اکتوبر 1980ء
مقام وفات: ممبئی
اہم تصنیف: تلخیاں (مجموعۂ کلام)

(32) معروف نام: سراج اورنگ آبادی
اصل نام: سید سراج الدین
ابن: سید درویش
تلمیذ: سید حمزہ
تاریخ ولادت: 11/مارچ 1712ء
مقام ولادت: اورنگ آباد
تاریخ وفات: 6/اپریل 1764ء
مقام وفات: اورنگ آباد
اہم تصنیف: ایک دیوان

(33) معروف نام: سرور جہاں آبادی
اصل نام: منشی دُرگا سہائے
ابن: حکیم پیارے لال
تلمیذ: مولوی کرامت حسین بہآر
تاریخ ولادت: دسمبر 1873ء
مقام ولادت: جہاں آباد، ضلع پیلی بھیت
تاریخ وفات: 3/دسمبر 1910ء
مقام وفات: جہاں آباد، پیلی بھیت
اہم تصانیف: خمخانۂ سرور، جامِ سرور

(34) معروف نام: سودا
اصل نام: مرزا محمد رفیع
ابن: محمد شفیع
تلمیذ: شاہ حاتم
تاریخ ولادت: 1710ء
مقام ولادت: دہلی
تاریخ وفات: 1781ء
مقام وفات: لکھنؤ
مدفن: امام باڑہ لکھنؤ
اہم تصانیف: کلیات (اردو)
فارسی کی متعدد کتابیں

(35) معروف نام: سرشار
اصل نام: پنڈت رتن ناتھ
ابن: پنڈت بیج ناتھ
تاریخ ولادت: 1847ء
مقام ولادت: لکھنؤ
تاریخ وفات: 1902ء
مقام وفات: حیدرآباد
اہم تصانیف: فسانۂ آزاد، سیر کہسار، جام سرشار، پی کہاں، کامنی، خدائی فوجدار

(36) معروف نام: سرسید
اصل نام: سید احمد خاں
ابن: میر متقی
تاریخ ولادت: 1817ء
مقام ولادت: دہلی
تاریخ وفات: 1898ء
مقام وفات: علی گڑھ
مدفن: علی گڑھ کالج کی ایک مسجد میں
اہم تصانیف: اسباب بغاوت ہند، آثارالصنادید، خطباتِ احمدیہ وغیرہ

(37) معروف نام: سجاد ظہیر
اصل نام: سجاد ظہیر
تاریخ ولادت: 1904ء
تاریخ وفات: 1973ء
اہم تصنیف: لندن کی ایک رات

(38) معروف نام: شاد عظیم آبادی
اصل نام: سید محمد علی
ابن: سید عباس مرزا
تلمیذ: شاہ الفت حسین فریاد
تاریخ ولادت: 7/ جنوری 1846ء
مقام ولادت: پورب دروازہ پٹنہ
تاریخ وفات: 7/ جنوری 1927ء
مقام وفات: پٹنہ
اہم تصانیف: میخانۂ الہام، سروشِ ہستی رباعیاتِ شاد، مراثیٔ شاد، صوبۂ بہار کی تاریخ

(40) معروف نام: شوق لکھنوی ر

نواب مرزا شوق

اصل نام: حکیم تصدق حسین

ابن: مرزا آغا علی

تلمیذ: حیدر علی آتش

تاریخ ولادت: 1783ء

مقام ولادت: لکھنؤ

تاریخ وفات: 30/جون 1871ء

مقام وفات: لکھنؤ

اہم تصانیف: زہر عشق، بہار عشق

فریبِ عشق، لذتِ عشق

(43) معروف نام: عصمت چغتائی

اصل نام: عصمت چغتائی

تاریخ ولادت: 1915ء

تاریخ وفات: 1991ء

اہم تصانیف: ضدی، ٹیڑھی لکیر، معصومہ سودائی، اک قطرۂ خون

(44) معروف نام: غالبؔ

عرف: مرزا نوشہ

اصل نام: مرزا اسداللہ خاں

ابن: عبداللہ بیگ خاں

تلمیذ: ملاّ عبدالرحیم

تاریخ ولادت: 27 دسمبر 1797ء

مقام ولادت: آگرہ

تاریخ وفات: 15 فروری 1869ء

مقام وفات: دہلی

خطابات: نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ

اہم تصانیف: دیوانِ غالب، عودِ ہندی اردوئے معلّٰی

(45) معروف نام: فانی بدایونی

اصل نام: محمد شوکت علی خاں

ابن: محمد شجاعت علی خاں

تاریخ ولادت: 13 دسمبر 1879ء

مقام ولادت: بدایوں

تاریخ وفات: 26 اگست 1941ء

مقام وفات: حیدرآباد

اہم تصانیف: کلیاتِ فانی، باقیات فانی

(46) معروف نام: فراق گورکھپوری

اصل نام: رگھوپتی سہائے

ابن: منشی گورکھ پرساد عبرتؔ

تلمیذ: وسیم خیرآبادی

تاریخ ولادت: 18 اگست 1896ء

مقام ولادت: گورکھپور

تاریخ وفات: 3 مارچ 1982ء

مقام وفات: نئی دہلی

اہم تصانیف: غزلستان، شعرستان، روحِ کائنات، روپ، من آنم

(47) معروف نام: فیضؔ

اصل نام: فیض احمد

ابن: سلطان محمد خاں

تلمیذ: چراغ حسن حسرتؔ

تاریخ ولادت: 3رفروری 1911ء

مقام ولادت: سیالکوٹ،

تاریخ وفات: 20رنومبر 1984ء

مقام وفات: لاہور، پاکستان

اہم تصانیف: زنداں نامہ، دستِ صبا، نقش فریادی، صلیبیں میرے دریچے میں

میزان

(48) معروف نام: فاروقی

اصل نام: شمس الرحمٰن فاروقی

تاریخ ولادت: 1935ء

مقام ولادت: اعظم گڑھ

اہم تصانیف: لفظ و معنی، شعر غیر شعر اور نثر عروض آہنگ اور بیان، افسانے کی حمایت میں، تنقیدی افکار، شعر شور انگیز وغیرہ

(49) معروف نام: قلی قطب شاہ

اصل نام: محمد قلی قطب شاہ

ابن: ابراہیم قطب شاہ

تاریخ ولادت: 1566ء

مقام ولادت: گولکنڈہ

تاریخ وفات: 1611ء

مقام وفات: گولکنڈہ

اہم تصنیف: کلیاتِ قلی قطب شاہ

(50) معروف نام: کلیم الدین احمد

اصل نام: کلیم الدین احمد

ابن: عظیم الدین احمد

تاریخ ولادت: 1908ء

مقام ولادت: پٹنہ

تاریخ وفات: 1983ء

مقام وفات: پٹنہ

اہم تصانیف: اردو تنقید پر ایک نظر، اردو شاعری پر ایک نظر، سخنہائے گفتنی، فن داستان گوئی، عملی تنقید وغیرہ

(51) معروف نام: کرشن چندر
اصل نام: کرشن چندر
تاریخ ولادت: 1914ء
مقام ولادت: پنجاب
تاریخ وفات: 1977ء
مقام وفات: ممبئی
اہم تصانیف: طلسم خیال، نظارے زندگی کے موڑ پر، ٹوٹے ہوئے تارے ان داتا، تین غنڈے، ہم وحشی ہیں، دل کسی کا دوست نہیں، کتاب کا کفن وغیرہ

(52) معروف نام: محسن کاکوروی
اصل نام: محمد محسن
ابن: مولانا محمد حسن
تلمیذ: امیر مینائی
تاریخ ولادت: 26/ستمبر 1826ء
مقام ولادت: کاکوری، ضلع ایٹہ
تاریخ وفات: 24/اپریل 1905ء
مقام وفات: مین پوری ضلع ایٹہ
اہم تصنیف: کلیاتِ نعتِ محسن

(53) معروف نام: مخدوم
اصل نام: محی الدین
ابن: غوث محی الدین
تاریخ ولادت: 4/فروری 1908ء
مقام ولادت: سنگاریڈی، آندھراپردیش
تاریخ وفات: 25/اگست 1969ء
مقام وفات: دہلی
اہم تصانیف: سرخ سویرا، گلِ تر، بساطِ رقص

(54) معروف نام: مصحفی
اصل نام: غلام ہمدانی
ابن: شیخ ولی محمد
تاریخ ولادت: 1748ء
مقام ولادت: امروہہ
تاریخ وفات: 1824ء
مقام وفات: لکھنؤ
اہم تصانیف: آٹھ دواوین، عقد ثریا تذکرۂ ہندی، ریاض الفصحاء

(55) معروف نام: مومن
اصل نام: حکیم مومن خاں
ابن: حکیم غلام نبی خاں

(56) معروف نام: میر
اصل نام: محمد تقی
تلمیذ: آرزو

تلمیذ: شاہ نصیر الدین نصیر
تاریخ ولادت: 1800ء
مقام ولادت: کوچہ چیلان، دہلی
تاریخ وفات: 1852ء
مقام وفات: دہلی
اہم تصانیف: کلیات، انشائے فارسی
دیوانِ فارسی

تاریخ ولادت: 1722ء
مقام ولادت: آگرہ
تاریخ وفات: 1810ء
مقام وفات: لکھنؤ
اہم تصانیف: شعلۂ عشق، جوشِ عشق
دریائے عشق، شکارنامہ، نکات الشعراء،
ذکرِ میر

(57) معروف نام: میراجی
اصل نام: ثناءاللہ ڈار
تاریخ ولادت: 25 مئی 1912ء
مقام ولادت: لاہور
تاریخ وفات: 3 نومبر 1949ء
مقام وفات: ممبئی
اہم تصانیف: میراجی کی
نظمیں (نظمیں) نگارخانہ (گیت)

(58) معروف نام: میر انیس
اصل نام: میر ببر علی
ابن+تلمیذ: میر مستحسن خلیق
تاریخ ولادت: 1802ء
مقام ولادت: گلاب باڑی، فیض آباد
تاریخ وفات: 7 دسمبر 1874
مقام وفات: لکھنؤ
اہم تصانیف: مراثی انیس

(59) معروف نام: میر حسن
اصل نام: میر غلام حسن
ابن: میر ضاحک
تلمیذ: میر درد
تاریخ ولادت: 1741ء
مقام ولادت: سید واڑہ، دہلی
تاریخ وفات: 24 اکتوبر 1786ء

(60) معروف نام: مجروح سلطان پوری
اصل نام: اسرار الحسن خاں
تاریخ ولادت: 1909ء
مقام ولادت: اعظم گڑھ
اہم تصانیف: غزل، مشعلِ جاں

مقام وفات: لکھنؤ

اہم تصانیف: سحرالبیان، گلزارِ ارم

تذکرۃ الشعراء

---

(61) معروف نام: ملا وجہی

اصل نام: ملا اسداللہ وجہی

تاریخ وفات: 1659ء

اہم تصانیف: قطب مشتری، سب رس

(62) معروف نام: میر امن دہلوی

اصل نام: میر امان

مقام ولادت: دہلی

اہم تصانیف: باغ و بہار، گنج خوبی

(63) معروف نام: مرزا رسوا

اصل نام: مرزا محمد ہادی

ابن+تلمیذ: آغا محمد تقی

تاریخ ولادت: 1858ء

مقام ولادت: لکھنؤ

تاریخ وفات: 21/اکتوبر 1931ء

مقام وفات: لکھنؤ

اہم تصانیف: امراؤ جان ادا، شریف زادہ ذات شریف، اختری بیگم، خونی عید، خونی عاشق وغیرہ

(64) معروف نام: منٹو

اصل نام: سعادت حسن

تاریخ ولادت: 1912ء

تاریخ وفات: 1955ء

اہم تصانیف: ٹھنڈا گوشت، ٹوبہ ٹیک سنگھ وغیرہ

---

(65) معروف نام: محمد حسن

اصل نام: محمد حسن

تاریخ ولادت: 1925ء

مقام ولادت: مرادآباد، یوپی

(66) معروف نام: ناسخ لکھنوی

اصل نام: شیخ امام بخش

ابن: خدا بخش

تلمیذ: مصحفی

اہم تصانیف: ادبی تنقید، جدید اردو ادب
شناسا چہرے، معاصر ادب کے پیش رو، ادبی
سماجیات وغیرہ

تاریخ ولادت: 10 اپریل 1772ء
مقام ولادت: فیض آباد
تاریخ وفات: 16 اگست 1837ء
مقام وفات: لکھنؤ
اہم تصانیف: دیوان، نظم سراج (مثنوی)
مولود شریف

---

(67) معروف نام: نُصرتی
اصل نام: محمد نُصرت
تلمیذ: علی عادل شاہ
مقام ولادت: کرناٹک
تاریخ وفات: 1674ء
اہم تصانیف: دیوانِ نُصرتی، گلشنِ عشق
علی نامہ، تاریخ اسکندری

(68) معروف نام: نظیر اکبرآبادی
اصل نام: شیخ ولی محمد
ابن: شیخ محمد فاروق
تاریخ ولادت: 1735ء
مقام ولادت: دہلی
تاریخ وفات: 16 اگست 1830ء
مقام وفات: آگرہ
اہم تصانیف: کلیات (اردو) ہنس نامہ

---

(69) معروف نام: ن۔م راشد
اصل نام: نذر محمد
ابن: فضل الٰہی چشتی
تلمیذ: اختر شیرانی
تاریخ ولادت: یکم اگست 1910ء
مقام ولادت: علی پور، ضلع گوجرانوالہ
تاریخ وفات: 9 اکتوبر 1975ء
مقام وفات: لندن
اہم تصنیف: ماوراء (مجموعۂ کلام)

(70) معروف نام: نظم طباطبائی
اصل نام: سعید علی حیدر
ابن: میر مصطفےٰ حسین طباطبائی
تلمیذ: ملا طاہر نجوی
تاریخ ولادت: 1853ء
مقام ولادت: حیدر گنج، لکھنؤ
تاریخ وفات: 23 مئی 1933ء
اہم تصانیف: باضابطہ کوئی تصنیف نہیں

اہم تصانیف: ادبی تنقید، جدید اردو ادب شناسا چہرے، معاصرِ ادب کے پیش رو، ادبی سماجیات وغیرہ

تاریخ ولادت: 10/اپریل 1772ء
مقام ولادت: فیض آباد
تاریخ وفات: 16/اگست 1837ء
مقام وفات: لکھنؤ
اہم تصانیف: دیوان، نظم سراج (مثنوی) مولود شریف

---

(67) معروف نام: نُصرتی
اصل نام: محمد نُصرت
تلمیذ: علی عادل شاہ
مقام ولادت: کرناٹک
تاریخ وفات: 1674ء
اہم تصانیف: دیوانِ نُصرتی، گلشنِ عشق علی نامہ، تاریخ اسکندری

(68) معروف نام: نظیر اکبرآبادی
اصل نام: شیخ ولی محمد
ابن: شیخ محمد فاروق
تاریخ ولادت: 1735ء
مقام ولادت: دہلی
تاریخ وفات: 16/اگست 1830ء
مقام وفات: آگرہ
اہم تصانیف: کلیات (اردو) ہنس نامہ

---

(69) معروف نام: ن۔م راشد
اصل نام: نذر محمد
ابن: فضل الٰہی چشتی
تلمیذ: اختر شیرانی
تاریخ ولادت: یکم اگست 1910ء
مقام ولادت: علی پور، ضلع گوجرانوالہ
تاریخ وفات: 9/اکتوبر 1975ء
مقام وفات: لندن
اہم تصنیف: ماوراء (مجموعۂ کلام)

(70) معروف نام: نظم طباطبائی
اصل نام: سعید علی حیدر
ابن: میر مصطفٰے حسین طباطبائی
تلمیذ: ملا طاہر نجوی
تاریخ ولادت: 1853ء
مقام ولادت: حیدر گنج، لکھنؤ
تاریخ وفات: 23/مئی 1933ء
اہم تصانیف: باضابطہ کوئی تصنیف نہیں

(71) معروف نام: ولی دکنی
اصل نام: ولی محمد
ابن: شریف محمد علوی
تاریخ ولادت: 1650ء
مقام ولادت: اورنگ آباد، دکن
تاریخ وفات: 20/ اکتوبر 25-1720ء
مقام وفات: احمد آباد
اہم تصنیف: کلیاتِ ولی

(72) معروف نام: یگانہ چنگیزی
اصل نام: مرزا واجد حسین
تلمیذ: شاد عظیم آبادی
تاریخ ولادت: 17/ اکتوبر 1882ء
مقام ولادت: محلہ مغل پورہ، پٹنہ
تاریخ وفات: 4/ فروری 1956ء
مقام وفات: لکھنؤ
اہم تصانیف: نشترِ یاس، آیاتِ وجدانی
ترانہ، گنجینہ، غالب شکن

اس ملک کی آبرو اور شان ہے اُردو
ہندی اگر جسم ہے تو جان ہے اُردو

rekhta

# مختلف فنون کی دنیا

## غزل

اردو شاعری کی سب سے مقبول ترین صنف ''غزل'' ہے اس کے معنی جہاں 'عورتوں سے باتیں کرنا' ہے وہیں 'عورتوں کی باتیں کرنا' بھی ہے۔اس کے خمیر میں عشق ومحبت کی خوشبو موجود ہے۔

غزل کا ہر شعر مکمل اکائی ہوتا ہے، ہر شعر میں ایک الگ بات مکمل ہوتی ہے اور اس کا ہر شعر اپنا معنی الگ دیتا ہے اس میں کسی خیال کا ارتقاء نہیں پایا جاتا۔

ہیئت کے حوالے سے یہ بات بہت اہم ہے کہ جن چیزوں سے غزل کی صورت بنتی ہے ان میں پہلی چیز ''بحر'' ہے غزل کے تمام مصرعے کسی ایک ہی وزن اور ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں اور یہ شرط ہے۔غزل میں قافیے کی شرط ہے ردیف کی نہیں ورنہ غزل نہیں ہو سکتی۔عموماً غزلوں میں قافیے کے ساتھ ردیف بھی ہوتا ہے۔

غزل میں پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں جو مطلع کہلاتا ہے پہلے مطلع کے بعد آنے والے مطلع کو 'حسنِ مطلع' یا 'مطلع ثانی' کہتے ہیں۔جس شعر میں شاعر اپنا تخلص پیش کرتا ہے اسے مقطع کہتے ہیں۔

پہلے غزل میں ODD کی قید لگائی جاتی تھی اور 5 ر سے کم اور 15 ر سے زیادہ اشعار ایک غزل میں نہیں ہوتے تھے لیکن اب یہ قید قابلِ لحاظ نہیں۔قدیم شعرا کم از کم پانچ اشعار غزل میں شامل کرنے کی تاکید کرتے تھے لیکن عام طور پر شعرا نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔

شعرائے قدیم نے یہ اصول بھی قائم کیا تھا کہ غزل کا ہر شعر معنوی طور پر آزاد ہوگا لیکن بعد میں شعرا نے غزلِ مسلسل کا تصور بھی پیش کیا۔اب غزل کے اشعار میں عام طور پر

معنوی ربط دیکھنے کوملتا ہے۔

اسی طرح غزل کے موضوعات طے نہیں۔ قدیم شعرا عام طور پر رومانی اور عشقیہ موضوعات کو اہمیت دیتے تھے لیکن اب اسے نہیں مانا جاتا اب اس میں دوسرے مضامین بھی شامل ہونے لگے ہیں۔

## مثنوی

مثنوی اس نظم کو کہتے ہیں جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے مقفٰی ہوں اور اس میں کوئی قصہ یا واقعہ کا بیان تسلسل کے ساتھ کیا گیا ہو۔ مثنوی میں ہر شعر کے دونوں مصرعے مقفٰی ہوتے ہیں اور ہر شعر کے دونوں مصرعوں کے قافیے الگ الگ ہوتے ہیں۔ مثنوی کے لئے عام طور پر چار یا چھ ارکان کی بحر منتخب کی جاتی رہی ہے۔ اس کے لیے سات اوزان مقرر ہیں۔

مثنوی کا استعمال پوری دنیا میں ہوتا ہے لیکن ہمیں اس کی واقفیت فارسی سے ہوئی۔ داستان کو اگر نظم کی شکل دے دی جائے تو وہ مثنوی بن جاتی ہے۔ مثنوی رزمیہ اور بزمیہ دونوں طرح کی ہوسکتی ہے لیکن ''انشاء'' کے مطابق مثنوی صرف رزمیہ ہی ہونی چاہئے جبکہ ایسی بات نہیں ہے۔ مثنوی کے لیے 'طوالت' ایک خصوصیت تھی لیکن اب مختصر ہوتی ہے، مثنوی کی ایک خصوصیت ''قصہ در قصہ'' بیان بھی ہے یعنی ایک قصے سے دوسرا قصہ نکلے اس کے اندر مافوق الفطری عناصر کی شمولیت ہوتی ہے اتنا ہی نہیں بلکہ اس میں عام انسانوں تک کے معاملات و کیفیات کا بیان بھی ہوتا ہے۔

مثنوی کے اجزائے ترکیبی یا عناصرِ ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں؛

درس اخلاق، داستانِ حسن ومحبت، مذہبی واقعات، میدانِ کارزار کی معرکہ آرائی، بزم طرب کی دل آویزی تصوف کا مسئلہ، خوشی وغم کے مضامین، شادی اور موت کی رسم، مذہبی تعلیم کا بیان وغیرہ وغیرہ

مثنوی میں غزل جیسی سادگی جہاں ملتی ہے وہیں قصیدے جیسا جوش وخروش اور مرثیے

جیسا نوحہ اور غم بھی ملتا ہے۔

کسی عہد کے سیاسی سماجی معاشرت رسم و رواج، رہن سہن کے طریقے، لباس و زیورات وغیرہ کے مطالعہ کے لیے مثنوی کا مطالعہ اہم ہے۔

الطاف حسین حالی نے مثنویوں کو اردو کے لیے سب سے بہ کار آمد صنف قرار دیا ہے۔ مشہور نقاد کلیم الدین احمد نے بھی اس صنف کو سراہا ہے۔

غرض کہ اس صنف کے امکانات آج بھی روشن ہیں

## قصیدہ

قصیدہ کا آغاز سر زمین عرب سے ہوا اور اس صنف نے وہیں جنم لیا۔ اس کو اُم الاصناف کہا جاتا ہے۔عرب شعرا اپنے قبیلے اپنے گاؤں کسی بزرگ یا اپنے محبوب کی تعریف میں قصیدے کہا کرتے تھے لیکن ان کے ہاں جھوٹ مبالغہ کا گزر نہ تھا آگے چل کر اسے حصولِ مطلب کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

قصیدہ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی کی مدح یا کسی کی ہجو کی جائے بعض محققین کا خیال ہے کہ لفظ 'قصیدہ' 'قصد' سے نکلا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ شاعر ارادہ کر کے کسی کی تعریف یا ہجو کرتا ہے بعض حضرات نے قصیدہ کا معنی مَغزِ غلیظ کہا ہے کیوں کہ پورے اصناف سخن میں اس کا رنگ سب سے گاڑھا اور نمایاں ہے اس کی اہمیت وہی ہے جیسے جسم میں سر کو حاصل ہے۔قصیدہ ایک بارُعب صنف ہے۔

غزل کی طرح قصیدے کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے اور غزل کی طرح اس میں بھی مقطع ہوتا ہے۔قصیدہ کے دونوں مصرعوں میں قافیہ و ردیف ہوتا ہے۔بعض قصیدے بغیر ردیف کے ہوتے ہیں۔باقی اشعار کے دوسرے مصرعوں میں قافیہ ردیف یا صرف قافیہ ہوتا ہے

قصیدہ میں کچھ چیزیں غزل سے مختلف ہوتی ہیں۔قصیدہ میں کئی مطلع ہو سکتے ہیں اور مقطع کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قصیدے کا آخری شعر ہی ہو۔

قصیدہ کی دو قسمیں ہیں (1) خطابیہ (2) تمہیدیہ

جس قصیدہ میں بغیر تمہید باندھے شاعر اپنا مدعا بیان کرے وہ خطابیہ ہے اور اگر تمہید بھی ہو تو وہ تمہیدیہ ہے۔ خطابیہ قصیدہ کا اصل مدعا وعظ و نصیحت ہے۔ ویسے یہ یاد رہے کہ عربی فارسی اور اردو میں تمہیدیہ قصائد کا رواج رہا ہے۔

تمہیدیہ قصیدے کے عموماً پانچ اجزا ہوتے ہیں:۔

(1) تشبیب رنسیب (2) گریز (3) مدح (4) مدعا رعرض مطلب رعرضِ طلب (5) دعاء

قصیدہ میں تشبیب کا کام ماحول سازی ہے۔ تشبیب میں طوالت ضروری ہے مگر گریز کے ذریعہ اسکے اثر کو فوراً ختم کرنا کمال ہے لیکن یہ یاد رہے کہ تشبیب کی لمبائی اور طوالت مدح سے کم ہو۔ تشبیب کے موضوعات لامحدود ہیں اس میں 'خودستائی' کی بھی گنجائش ہے۔ تشبیب کو قصیدہ کا سب سے اہم حصہ خیال کیا جاتا ہے۔

اس کا دوسرا جزو 'گریز' ہے۔ گریز، بات سے بات پیدا کرنے کو کہتے ہیں۔ گریز تشبیب اور مدح کی درمیانی کڑی ہے اس کا طویل نہ ہونا بہتر ہے۔

اس کا تیسرا جزو 'مدح' ہے جس میں شاعر خوب مبالغہ سے کام لیتا ہے اور یہی قصیدہ کی خوبی ہے۔ قصیدہ میں خاص طور پر مدح کے حصے میں شاعر پُر شکوہ الفاظ کا استعمال کرتا ہے جس سے مدح میں زور پیدا ہوتا ہے۔

''مدعا'' قصیدہ کا لازمی جزو نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ قصیدہ میں شاعر اپنا مدعا بیان ہی کرے۔

''دعاء'' قصیدہ کا آخری جزو ہوتا ہے اس میں شاعر ممدوح کی درازیٔ عمر اور بلندیٔ اقبال کی دعا کرتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ قصیدہ گوئی کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں:۔

(1) شوکتِ الفاظ (2) زورِ بیان (3) مضمون آفرینی (4) پُر کشش تشبیب (5) دل چسپ گریز (6) پُر جوش انداز وغیرہ

غرض یہ کہ قصیدہ تھوڑا مشکل فن ہے اور ہر شاعر اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا اس کے لیے سودا اور ذوق والا دماغ چاہیے۔

## مرثیہ

مرثیہ گوئی کا رواج عربوں میں زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا تھا لیکن جب سانحہ کربلا پیش آیا تو اس کے بعد عرب شعرا نے اس کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا

مرثیہ عربی لفظ رثی ، ثا سے بنا ہے۔اس کے معنی 'آہ و بکا' کے آتے ہیں۔مرثیہ کا تعلق موت سے ہے جبکہ قصیدہ کا تعلق حیات سے ہے مرثیہ بھی ایک قسم کا قصیدہ ہے مگر تأسف اس میں ایک اضافی شئی ہے جیسا کہ حالی نے بھی کہا ہے۔یہ غم کی ترجمانی کرنے والی صنف ہے۔عربی فارسی میں یہ صنف بہت بڑی نہیں ہے لیکن اردو میں بڑی صنف ہے۔

مرثیہ وہ صنف ہے جس میں کسی مرنے والے کی اچھائیوں کو بیان کر کے درد و غم کا اظہار کیا جائے لیکن مرثیہ امام حسینؓ اور ان کے ساتھ جامِ شہادت پینے والوں کی تعریف اور واقعاتِ شہادت کے بیان کے لیے ہی ہوتا ہے۔

مرثیہ، درسِ اخلاق کا اہم ذریعہ ہے جس سے انسان میں صداقت کی خوشبو پیدا ہوتی ہے۔

یہ یاد رہے کہ ابتدا میں مرثیہ کی نہ کوئی شکل متعین تھی اور نہ اس کے اجزا مقرر تھے میر ضمیر نے مرثیہ کی شکل متعین کر دی اور اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا۔

مرثیہ کے عناصر ترکیبی /اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:-

(6) جنگ (7) شہادت (8) بین

ہے۔ بین ؛اظہارِ غم اور ایصالِ ثواب کا مجموعی نام ہے

جہاں تک مرثیہ کے موضوع کی بات ہے تو وہ Fixed اور متعین ہے۔ یہ بھی یادر ہے کہ ذخیرۂ الفاظ کے حوالے سے یہ صنف سب سے Rich صنف ہے۔

## نظم

کسی خاص موضوع پر جو بات کی جائے وہ نظم ہے اس میں ربط وتسلسل ہوتا ہے کسی موضوع یا واقعہ کی پیش کش نظم کا لازمی حصہ ہے بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ نظم میں موضوع شرط ہے۔

نظم کی چند قسمیں ہیں:

(1) نظم پابند (2) نظم مُعرّٰی (3) نظم آزاد (4) نثری نظم

مزید وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل Figure دیکھیں:

نظم —

- (1) نظم پابند:۔ جو نظم کسی بحر میں ہو، قافیہ ہو اور تمام مصرعوں کے ارکان برابر ہوں تو وہ نظم پابند ہے
- (2) نظم مُعرّٰی:۔ جو نظم کسی بحر میں ہو، قافیہ نہ ہو اور تمام مصرعوں کے ارکان برابر ہوں تو وہ نظم مُعرّٰی ہے
- (3) نظم آزاد:۔ جو نظم کسی بحر میں ہو، قافیہ نہ ہو اور تمام مصرعوں کے ارکان برابر نہ ہوں تو وہ نظمِ آزاد ہے
- (4) نثری نظم:۔ جس نظم میں بحر نہ ہو یعنی اس کا التزام نہ ہو تو وہ نثری نظم ہے

rekhta

## نایاب نکتہ:

بحر میں ہو + قافیہ + ارکان برابر ہوں = نظمِ پابند
بحر میں ہو + قافیہ نہ ہو + ارکان برابر نہ ہوں = نظمِ آزاد
بحر میں ہو + قافیہ نہ ہو + ارکان برابر ہوں = نظمِ معرّیٰ
جس میں بحر کا ہی التزام نہ ہو = نثری نظم
غرض کہ صنف 'نظم' کی مقبولیت آج بھی ہے۔

## داستاں

داستاں انسانی سماج اور انسانی شعور کے ارتقاء کی تاریخ ہے۔ یہ بے حد دل چسپ صنف ہے۔اس کے محرک کے سلسلے میں ڈاکٹر قمر رئیس اور ڈاکٹر خلیق انجم نے یوں لکھا ہے کہ ''ماضی کے واقعات اور تجربات کو دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ ہی کہانی (داستاں) کا اصل محرک ہے۔'' ان دونوں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے یوں لکھا ہے کہ'' داستاں ایسی رومانی کہانی کو کہتے ہیں جس میں خیالی واقعات کا بیان مافوق الفطرت عناصر کی تحیّر خیزی، حسن وعشق کی رنگینی، واقعات وحادثات کی بہتات وپیچیدگی اور بیان کی لطافت ہو اور اس کا مقصد اپنے قاری کو فرحت ومسرت کا سامان فراہم کرنا ہو۔'' اس میں حیرت انگیز واقعات دل چسپ انداز میں بیان کیے جاتے ہیں جس میں غیر فطری کردار کا سہارا لیا جاتا ہے۔ داستاں میں ایسی ایسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں جس کا وقوع ناممکن ہے۔مگر داستاں میں وہ چیزیں ممکن نظر آتی ہیں اسی طرح یہ بھی دھیان رہے کہ اس کا کینوس بہت بڑا ہوتا ہے۔

داستاں کی خوبی یہ بھی ہے کہ قصہ اس طرح بیان کیا جائے کہ اس میں تاریخِ گزشتہ کا لطف محسوس ہو، داستان ہی وہ قدیم شکل ہے جس سے ناول افسانہ وغیرہ کا وجود ممکن ہوسکا۔

# ناول

داستاں نے جب اپنا ارتقائی سفر اختیار کیا تو اس سے ناول وجود میں آیا۔ ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے اور انگریزی ادب کے زیر اثر ہی اردو میں آیا۔ ناول کا فن ایک مخصوص نقطہ نگاہ سے زندگی کی تصویر کشی کا فن ہے اس کے متعلق ''اصنافِ ادب اردو'' کے مصنفین لکھتے ہیں کہ ''حقیقت کو تخلیق کا روپ دے کر یا تخلیق کو حقیقت کا جامہ پہنا کر اس طرح پیش کرنا کہ قصہ کی حیثیت سے اس کے تمام اجزا میں تال میل اور ہم آہنگی قائم رہے ناول ہے۔''
ناول کے تمام کردار حقیقی اور اصلی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں

فنی اعتبار سے ناول کے اجزائے ترکیبی میں قصہ، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر کشی اور نظریۂ حیات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ نظریۂ حیات کے حوالے سے یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ نظریۂ حیات کا بیان اس طرح ہو کہ فطری معلوم ہو ایسا نہ لگے کہ نظریۂ حیات تھونپا جا رہا ہو۔ مختصر یہ ہے کہ ناول اب ایک مقبول صنف کے طور پر جانا جاتا ہے۔

# مختصر افسانہ

اردو زبان میں مختصر افسانہ مغربی ادب کی دین ہے اس صنف کی تعریف کرتے ہوئے ''ایڈ گر ایلن پو'' نے کہا تھا کہ ''یہ ایک ایسی نثری داستاں ہے جس کے پڑھنے میں ہمیں آدھے گھنٹے سے دو گھنٹے کا وقت لگے گا۔'' سامرسٹ ماَم نے اس وقفے سے بھی اختلاف کیا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ مختصر افسانہ اتنا مختصر ہو سکتا ہے کہ دس منٹ میں پڑھ لیا جائے اور اتنا طویل ہو کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں ختم ہو جائے۔ مختصر افسانہ کسی شخص کی زندگی کے سب سے اہم اور دلچسپ موقع کو ڈرامائی شکل میں پیش کرنے کا نام ہے اس میں زندگی کے کسی ایک گوشے کو موثر طریقے سے پیش کیا جاتا ہے۔ افسانہ میں ہر بات اختصار اور جامعیت کے ساتھ کہی جاتی ہے۔ افسانے کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ افسانہ زندگی کی ایک قاش ہے اور وہ چاول پر قل ھواللہ لکھنے کا فن ہے۔ اس کی زبان عام فہم ہونی چاہئے اور

اس کو پڑھنے کے بعد ایک تاثر ہونا چاہئے۔اس کے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ، کردار، نقطۂ نظر اور وحدتِ تاثر کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

مختصر افسانے نے 20 رویں صدی میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ اس کی حیثیت ایک مکمل اور مستقل صنف کی ہوگئی ہے بلکہ آج دنیا کی ہر زبان میں اسے مقبولیت حاصل ہے۔

## ڈراما

ڈراما انسانی زندگی کو پیش کرنے کا ذریعہ ہے وہیں یہ ذہنی تسکین کا باعث بھی ہے۔ اس کی بنیاد الفاظ کی گفتار اور کردار کے عمل پر رکھی جاتی ہے۔ڈراما کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ ''ڈراما ایک ایسی صنفِ ہے جس میں زندگی کے حقائق اور مظاہر کو اشخاص اور مکالموں کے وسیلے سے عملاً پیش کیا جاتا ہے بہ لفظِ دیگر زندگی کے حقائق کو عمل کر کے دکھایا جاتا ہے۔ ڈراما کا فن بعض مخصوص تقاضوں کا حامل ہوتا ہے یہ یادر ہے کہ مکالمہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے ڈراما کی روح ہوتا ہے

ڈراما کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل قرار دیے جاسکتے ہیں:

(1) قصہ ر پلاٹ (2) کردار (3) مکالمہ (4) مرکزی خیال

ڈراما بھی ایک فن ہے لیکن ہماری تہذیبی روایات کی وجہ سے اسے بہت مقبولیت نہ مل سکی۔

□ □ □

# مختلف اصنافِ ادب کی ارتقائی دنیا

## غزل

غزل کے اولین نقوش خسرو کے کلام میں ملتے ہیں گر چہ خسرو کی زبان میں فارسی ہندی زبان کے اثرات نمایاں ہیں ان کے علاوہ قطب شاہ، محمد قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، وجہی، غواصی، بحری، نصرتی، شاہی اور شوقی وغیرہ نے غزل کے نشو ونما میں نمایاں کردار ادا کیا گر چہ ان شعرا کا تعلق اردو کے تشکیلی دور سے ہے۔ ان شعرا کے حوالے سے مولوی عبد الحق لکھتے ہیں کہ ''ان شعرا نے بعد میں آنے والے شعرا کے لیے فضا ہموار کی۔'' غزل کو سنوارنے اور صحیح سمت دینے میں ولی دکنی نے نمایاں کردار ادا کیا انھوں نے غزل کے مضامین میں وسعت دی نئے انداز پیدا کیے اور غزل کو نیا آہنگ اور لب ولہجہ عطا کیا۔ تصوف اور روحانیت کے مسائل کو غزلوں میں پر و دیا۔ ولی کے دور کے دوسرے شعرا میں ناجی، آبرو، اور آرزو قابلِ ذکر ہیں ان شعرا نے ایہام گوئی اور رعایتِ لفظی پر زیادہ زور دیا۔ ایہام گوئی اور تکلف و تصنع کی جگہ اردو غزل میں سادہ گوئی اور احساسات و جذبات کی ترجمانی پر زور دینے کا سہرا مرزا مظہر جانِ جاناں کے سر جاتا ہے۔ انہوں نے اردو میں فارسی کی نئی اور خوبصورت ترکیبیں داخل کیں اور زبان میں صفائی و شگفتگی پیدا کی آگے چل کر میر، درد اور سودا آئے۔ میر نے جہاں داخلیت عطا کی وہیں سودا نے اردو غزل کو خارجیت کی طرف موڑا اور درد نے فن کو پاکیزگی اور اثر آفرینی عطا کی۔ غزل کی اس روایت کو ذوق غالب اور اور مومن نے آگے بڑھایا اور لکھنؤ میں آتش نے اسے پروان چڑھایا۔ جہاں ذوق نے مشکل قوافی و ردیف میں غزلیں کہیں وہیں غالب نے اردو کو سوچنے والا ذہن دیا۔ مومن

نے عشق و عاشقی کے معصومانہ جذبات، غزل کے اندر داخل کیے۔ ذوق کے شاگردوں میں داغ دہلوی اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے زبان کی سطح پر غزل کو مالا مال کیا ان کے علاوہ 19 رویں صدی کے نصف دوم میں حالی اور اکبر اہم ہیں۔ حالی نے جہاں زبان کا سلجھا ہوا انداز پیش کیا۔ جذبوں کی حقیقی ترجمانی غزل کی دنیا میں داخل کی وہیں اکبرالہ آبادی نے اپنی ظریفانہ شاعری کے ذریعہ سوتے ہوئے قوم کو جگایا۔ اس کے بعد اردو غزل کی دنیا میں اقبال، شاد اور حسرت آئے۔ انہیں تینوں کو جدید غزل کا معمار کہا جاتا ہے۔ شاد عظیم آبادی نے لکھنؤ اور دلی کی صالح قدروں کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا غالب نے غزل کو فکری اڑان عطا کی تھی لیکن اقبال نے اسے باضابطہ فکر و فلسفہ کا ترجمان بنایا۔ حسرت نے اظہارِ عشق کے لیے عورت کو موقع دیا

ترقی پسندی کے ابتدائی زمانے میں تحریک سے الگ تھلگ رہنے والے دو شاعروں نے غزل گو کی حیثیت سے اپنی جگہ قائم کی فراق اور یگانہ چنگیزی یہ دونوں ترقی پسند عہد میں اردو غزل کے دو مستند اسالیب کے روح رواں مانے گئے۔ سادہ لفظوں پر انحصار کر کے غزل بنانا 20 رویں صدی میں صرف یگانہ کو آیا، یگانہ چنگیزی کی شخصیت کا پرتو شاد عارفی شجاع خاور، منور رانا پر دیکھا جا سکتا ہے دوسرے ترقی پسند شعرا، جن کی بعض غزلیں پہچانی جاتی ہیں ان میں ساحر لدھیانوی پرویز شاہدی کیفی اعظمی اور علی سردار جعفری کے اسماء اہمیت کے حامل ہیں۔

1947ء کے بعد دھیرے دھیرے ترقی پسندانہ تصورات کی ادبی پہچان زائل ہونے گئے اور اس سے باہر بھی غزل کی بعض آوازیں موجود تھیں اسی موقع سے اتباعِ میر اور فراق کے لہجے کو اپنانے کے مرحلے میں اردو کے تین ایسے غزل گو سامنے آئے جنھیں جدیدیت کی غزل گوئی کا نمائندہ مانا جاتا ہے وہ تین نام ناصر کاظمی ابن انشا اور خلیل الرحمن اعظمی کے ہیں۔

1960ء کے آس پاس جو نئی غزل سامنے آئی اس کے دو رنگ واضح تھے ایک رنگ تو وہ تھا جو خود کو پوری طرح غزل کی روایت سے دور رکھا اس میں افتخار عارف اور محمد علوی جیسے

شعرا کا نام لیا جاتا ہے اور دوسرا رنگ وہ تھا جو Anti غزل کے دور ہی میں زندگی کے نئے حقائق پیش کر رہے تھے جن میں شکیب جلالی سلطان اختر بشیر بدر ندا فاضلی شہر یار اور لطف الرحمن جیسے شعرا تھے۔

1970ء کے بعد غزل گویوں کا ایک نیا حلقہ سامنے آیا،ایک سلسلہ جدید شعرا سے متعلق تھا اور دوسرا بدلتی ہوئی زندگی سے مل رہا تھا۔

1980ء کے بعد کے شعرا میں جدیدیت سے علیحدگی کا انداز ملتا ہے جن میں شہپر رسول خالد عبادی فرحت احساس اور خورشید اکبر جیسے شعرا کے نام لیے جاسکتے ہیں ان سب شعرا کو مابعد جدید غزل گو شعرا کہا جاسکتا ہے،ان میں سے شہپر رسول کے یہاں بھرپور کلاسکی شعور ملتا ہے۔غرض کہ آج بھی غزل گوئی اپنے افق پر ہے۔

## مثنوی

دکنی اردو میں آغاز ہی سے مثنویاں ملتی ہیں۔نویں صدی ہجری میں فخر دین نظامی بیدری نے مثنوی ''پدم راؤ کدم راؤ'' لکھی جو ابھی تک شائع نہ ہوسکی۔اس کے بعد 10 رویں صدی ہجری کے شروع میں سید شاہ اشرف بیانی نے ایک مثنوی 'نوسر ہار' تصنیف کی جس میں حضرت امام حسینؓ کی مصیبتوں کا بیان ہے۔اس کے بعد 10 رویں صدی ہجری ہی میں برہان الدین جانم نے کئی مثنویاں لکھیں۔ ارشاد نامہ، وصیت الہادی، حجت البقاء، نسیم الکلام اور منفعت الایمان ان کی مشہور مثنویاں ہیں۔گیارہویں صدی ہجری میں بہت ہی اچھی مثنویاں لکھی گئیں عبدل نے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں 'ابراہیم نامہ' مثنوی لکھی ملا وجہی نے قطب مشتری لکھی غواصی نے 'سیف الملوک و بدیع الجمال'،طوطی نامہ اور چندا اور سورج جیسی تین مشہور مثنویاں لکھیں۔مقیمی نے 'چندر بدن ومہیار' نامی مثنوی لکھی نصرتی نے جہاں گلشن عشق لکھی وہیں ابن نشاطی نے 'پھول بن' جیسی مشہور مثنوی لکھی

بارہویں صدی ہجری کے آغاز سے ہی شمالی ہند میں اچھی مثنویوں کے نمونے ملنے

شروع ہو جاتے ہیں جعفر زٹلی کے کلیات میں ظفر نامۂ اورنگ زیب، اور طوطی نامہ جیسی مثنویاں موجود ہیں اس کے بعد کے زمانے میں سوؔدا اور میرؔ کی مثنویاں بہت اہم ہیں۔ بارہویں صدی ہجری ہی میں خواجہ میر دردؔ کے بھائی میر آثرؔ نے 'خواب وخیال' نامی مثنوی لکھی اس مثنوی کی سب سے اہم خوبی اُس کا اندازِ بیان ہے۔اسی طرح مومنؔ نے بھی مثنوی لکھی ہے اس کے بعد سحر البیان، گلزارِ نسیم اور زہرِ عشق جیسی مشہور و مقبول مثنویاں وجود میں آئیں، جمیل مظہری نے 'آب و سراب' نامی مثنوی لکھی

غرض کہ 1857ء تک بہت کم ایسے شعرا ہوں گے جنھوں نے مثنویاں نہ لکھی ہوں لیکن مقبولیت چند کو ہی ملی اب مثنویاں لکھنے کا رواج بہت کم ہو گیا ہے لیکن امکانات بہر حال آج بھی موجود ہے۔

## قصیدہ

اردو میں قصیدہ نگاری کہ شروعات دکن سے ہوئی۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے 1611ء کے قریب قصیدے لکھے لیکن باضابطہ طور پر پہلی بار قصیدہ گوئی کے عناصر نُصرتی کی مثنوی 'علی نامہ' میں پائے جاتے ہیں دکن کے قصیدہ گو شعرا میں نُصرتی کا نام بھی اہم ہے اس کے بعد شمالی ہند میں سوؔدا نے بڑا نام پیدا کیا ان کو اس صنف سے خاص مناسبت تھی۔ انھوں نے مدحیہ، ہجویہ دونوں طرح کے قصیدے پیش کیے۔
لکھنؤ میں انشاؔ نے دس قصیدے لکھے۔ مصحفیؔ نے بھی فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں قصیدے لکھے ہیں لیکن عہدِ سوؔدا کے بعد قصیدہ نگاری کا دوسرا اہم دور مومن، ذوقؔ اور غالب ... نے کئی قصیدے لکھے اور اس میدان میں بھی اپنا راستہ سب سے الگ نکالا

نعتیہ قصیدہ گوئی میں محسن کاکوروی نے قابلِ رشک مقام حاصل کیا ہے۔ ذوق کے ہم عصروں میں مومن نے چند اچھے قصیدے لکھے یہ بات بھی تاریخ کی نگاہ میں درست ہے کہ عہدِ ذوق قصیدہ نگاری کا آخری زمانہ تھا۔

غرض کہ اب قصیدہ نگاری کا زمانہ تقریباً ختم ہو گیا ہے۔

## مرثیہ

دنیا کی تمام زبانوں میں مراثی کا ذخیرہ موجود ہے۔ اردو میں شاعری کے آغاز کے ساتھ ہی مرثیہ نگاری کی ابتداء ہوئی لیکن مرثیے کی شکل میں عہد بہ عہد تبدیلی ہوتی رہی۔

ایران میں مرثیہ نگاری کا خوب فروغ ہوا۔ فارسی شعرا میں محتشم کاشی نے مرثیہ گوئی میں سب سے زیادہ نام پیدا کیا۔ 17 رویں صدی میں ''نوری'' نے اردو مرثیے لکھے۔ دکن میں گول کنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتوں کے عہد میں ہاشم، ناظم اہم مرثیہ نگار گزرے ہیں۔ شاہی دکنی کے مرثیوں نے بھی شہرت پائی۔

مسکین، گدا، سکندر اور فضل وغیرہ شمالی ہند کے قدیم مرثیہ گو ہیں۔ سودا کے زمانے سے مرثیہ کی دنیا میں انقلاب آنا شروع ہوا۔ سودا نے پہلی بار مسدس کو بھی مرثیہ کے لیے اختیار کیا آگے چل کر میر ضمیر نے مسدس کو ہی مرثیے کے لیے مخصوص کر دیا۔

میر ضمیر اور میر خلیق نے مرثیے کے ایک شاندار عہد کی داغ بیل ڈالی اور اسے ایک مستقل اور باقاعدہ صنف سخن کا درجہ عطا کیا۔

19 رویں صدی کے آخر میں میر انیس اور مرزا دبیر نے اردو مرثیے کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ میر انیس کے بعد ان کے چھوٹے بھائی میر محمد نواب مونس نے خاندانی روایت کو جاری رکھا اور مرثیے کہتے رہے۔ انیس کے تین بیٹے سلیس، نفیس اور رئیس نے بھی مرثیے کہے ہیں ان میں سب سے زیادہ شہرت رئیس نے پائی۔ اب خاطر خواہ کوئی مرثیہ نگاری کی طرف توجہ نہیں دے رہا ہے غرض کہ اب مرثیہ نگاری رؤ بہ زوال ہے۔

# نظم

نظم کی ابتدا تو اردو شاعری ہی سے شروع ہو جاتی ہے مگر سرسید تحریک کے زیر اثر مغرب کی تیز ہواؤں کا جو شور اٹھا اسی میں نظمِ جدید کی داغ بیل پڑی۔ خاص طور سے 5راگست 1867ء اور 19راپریل 1874ء دونوں اردو کی جدید نظم کی تاریخ میں آئین کے طور پر مُسلّم ہیں یہیں سے نظم جدید کا سلسلہ شروع ہوا۔

یہ صحیح ہے کہ اردو کی نظم جدید انجمن پنجاب کی نشستوں میں سامنے آئی لیکن اردو کے ما قبل سرمایے کا جائزہ لینے پر پتا چلتا ہے کہ جیسی نظمیں حالؔی اور آزادؔ نے پیش کیں ویسی تخلیقات اردو میں پہلے سے موجود تھیں جنھیں نظم کی تاریخ کا حصہ نہ ماننا کوتاہ نظری اور بے انصافی ہے۔

قلی قطب شاہ کی مختصر نظمیں نظم جدید کے دائرہ کار میں شامل ہونے کا جواز رکھتی ہیں۔ ابتدائی شعرا میں دکن میں ولؔی اور دہلی میں فائز دہلوؔی کے یہاں اچھی خاصی تعداد میں نظمیں موجود ہیں۔

نظیر اکبرآبادؔی نے واقعتاً نظم کے موضوعاتی اور ہیئتی امکانات تلاش کیے۔ عوامی رجحان اور تہذیب و ثقافت کی نیرنگیوں کو اپنی نظم گوئی کا حصہ بنا کر نظیر اکبرآبادؔی نے وہ کارنامہ انجام دیا جس کی کوئی دوسری مثال اردو میں نہیں ملتی۔

نظیر اکبرآبادؔی کے بعد 20رویں صدی میں اقبالؔ چکبستؔ اور نظم طباطبائؔی نے نظم گوئی کی طرف پوری توجہ کی۔ نظم گوئی میں ہیئت کے سب سے زیادہ تجربے طباطبائی نے کیے لیکن نظیر اکبرآبادی کے بعد اقبال اردو نظم کے دوسرے عظیم شاعر ہیں انھوں نے ہیئت اور موضوع دونوں سطح پر بہت واضح تبدیلیاں کیں۔ اقبال کے بعد جوش ملیح آبادی آتے ہیں اور ان کے ہم عصروں میں فراقؔ ایک اہم نظم گو شاعر بھی مانے جاتے ہیں۔

جوشؔ فراقؔ کے زمانے میں ہی اختر شیرانؔی نے رومانی نظم گوئی کی طرف توجہ کی اور

غزل زدہ ماحول میں نظم پر خود کو مرتکز رکھا انھوں نے مغربی نظم کی مختلف ہیئتوں کو اردو میں متواتر استعمال کر کے نظم گوئی کا ایک نیا باب قائم کیا۔ ان کے بزرگ ہم عصروں میں عظیم الدین احمد نے بھی صنفِ نظم کے تعلق سے اچھے خاصے تجربے کیے اور سلسلۂ خیال اور موضوعاتی ارتکاز کو دھیان میں رکھتے ہوئے نظمیں کہیں۔

1936ء میں ترقی پسند تحریک کے آغاز کے ساتھ اردو نظم نے بھی ایک نئی کروٹ لی۔ حالؔی سے لیکر اقبالؔ تک نظم گوئی کا جو سلسلہ تھا وہ ترقی پسند شعرا کے یہاں بدل گیا۔ ترقی پسند تحریک کے دور میں آزادؔ نظم اور نظمِ معری کی سب سے زیادہ ترقی ہوئی اور نظمیں مقبول بھی ہونے لگیں۔

فیض احمد فیضؔ مخدومؔ محی الدین مجازؔ علی سردار جعفریؔ اور جمیل مظہریؔ نے ترقی پسند نظم گوئی کو بلندی عطا کی ان ہی شعراء کی کوششوں سے غزل گوئی کے مقابلے میں نظم نگاری زیادہ آب وتاب کے ساتھ سامنے آئی۔

ترقی پسند تحریک کے بعد اربابِ ذوق کا حلقہ سامنے آتا ہے۔ اس کے اہم شعراء میں ن۔م راشد میرا جی قیوم نظر اور مجید امجد کی شاعری، اردو نظم کے بہترین دور سے عبارت ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کا زمانہ نئی نظم کا عہدِ زریں ہے۔

جدیدیت کے زمانے میں عام طور پر 'نظم معری' ختم ہوتی دکھائی دے رہی ہے آج بھی نظم گوئی جدیدیت کے شعرا کی مرہون منت ہے غرض کہ نظم کی اہمیت ہر دور میں مسلّم رہی ہے۔

## ناول

ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار مانا جاتا ہے انھوں نے 1860ء میں اپنا پہلا ناول 'مرأة العروس' لکھا۔ اس کے بعد انھوں نے دوسرے ناول لکھے لیکن ان کے ناول فن کے اعلیٰ معیار پر پورے نہیں اترتے اور اسی طرح ان میں وہ بنیادی اوصاف نہیں ملتے جو ناول

کے اجزائے ترکیبی کہے جاتے ہیں۔

حالیؔ نے مجالس النساء (1877ء) میں عورتوں کی تعلیم وتربیت کو موضوع بنایا۔ نذیراحمد کے ناولوں میں جو خامیاں تھیں ان کو کسی حد تک سرشارؔ نے اپنے ناولوں کے ذریعہ دور کیا۔ سرشار کا سب سے کامیاب اور نمائندہ ناول 'فسانۂ آزاد' ہے۔ ان کے ہم عصروں میں سجاد حسین کا نام قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے 1877ء میں اخبار 'اودھ پنچ' نکال کر ظریفانہ طرز تحریر کی بنیاد ڈالی جنھوں نے اپنے اخبار اور ناولوں کے ذریعہ ترقی پسندوں کو طنز کا نشانہ بنایا

اردو ناول نگاروں میں شررؔ پہلے ناول نگار ہیں جنھوں نے شعوری طور پر ناول نگاری کے فن کو سمجھے اپنانے اور برتنے کی کوشش کی ہے اور اسی طرح تاریخی ناول کا آغاز کیا۔ ان کی طرح محمد علی طیب نے بھی تاریخی ناول لکھے۔

رسواؔ پہلے شخص ہیں جن کے ناولوں میں فن کا احساس اپنے پیش روؤں کے مقابلے میں زیادہ نظر آتا ہے۔ ان کا سب سے مشہور ناول 'امراؤ جان ادا' ہے۔

اب تک ناول نگاروں نے جس معاشرت کو پیش کیا تھا وہ شہری زندگی سے متعلق تھی

حسین نے بھی ناول لکھے قاضی عبدالغفار نے 'لیلیٰ کے خطوط' اور 'مجنوں کی ڈائری' جیسے ناول لکھ کر تکنیک کے اعتبار سے اردو ناول کے سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کیا۔

پریم چند کے بعد جن ادیبوں نے اردو ناول کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے ان میں کرشن چندر، قرۃ العین حیدر، عزیز احمد، خدیجہ مستور، عبداللہ حسین اور قاضی عبدالستار کے نام نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

کرشن چندر نے 'دل کی وادیاں سو گئیں'، 'شکست'، 'آسمان روشن ہے' اور دوسرے متعدد ناول لکھے۔ 'آگ کا دریا' قرۃ العین حیدر کا شاہکار ناول ہے۔ عزیز احمد کا ناول 'گریز'، عبداللہ حسین کا ناول 'اداس نسلیں' عبدالصمد کا 'دو گز زمین' پیغام آفاقی کا 'مکان' اور غضنفر کا 'شوراب' لاجواب Novel ہیں۔ اسی طرح خدیجہ مستور کا ناول 'آنگن' ہے جو اردو فنِ ناول نگاری کا ایک مکمل اور معیاری نمونہ ہے جیسا کہ اصناف ادب اردو کے مصنفین نے لکھا ہے غرض کہ آج بھی اس صنف کی طرف خاص توجہ دی جا رہی ہے۔

## مختصر افسانہ

مختصر افسانہ مغربی ادب کی دین ہے اردو میں مختصر افسانہ نگاری کا آغاز 20ویں صدی میں ہوا۔ منشی پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم نے اردو میں مختصر افسانے کے اولین نمونے پیش کیے۔

پریم چند نے ابتداء میں بنگالی زبان کے افسانوں سے متاثر ہو کر اردو میں مختصر افسانے لکھنا شروع کیے ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'سوز وطن' ہے۔

پریم چند نے 1912ء تک اردو میں مختصر افسانہ نگاری کے فن کو ایک نئی منزل پر پہنچا دیا اسی زمانے میں سجاد حیدر یلدرم اور سلطان حیدر جوش نے اصلاحی اور رومانی رنگ کے افسانے لکھنا شروع کئے۔

20ویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں نیاز فتحپوری اور مجنوں گورکھپوری بھی

افسانہ نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اردو میں روسی فرانسیسی اور انگریزی کے معیاری افسانوں کے ترجمے کثرت سے شائع ہونے لگے۔ پریم چند نے مغربی افسانوں کے مطالعہ سے اپنی کہانیوں کو فنی اعتبار سے بہتر بنایا۔

اُس دور کے اردو افسانہ میں تین رجحانات نمایاں ہیں اول وہ جنھوں نے دیہاتی اور گاؤں کی زندگی کو اپنے افسانوں میں جگہ دی اور سیدھی سادی زبان استعمال کیا اس رجحان کے قائد پریم چند اور ان کے مقلدین جیسے سدرشن علی عباس حسینی، اعظم کریوی اور اوپندر ناتھ اشک ہیں۔ دوسرا رجحان جہاں حقیقت سے زیادہ تخیل کی کارفرمائی ہے اس طرح کے افسانہ نگاروں میں سجاد حیدر ریلدرم، نیاز فتحپوری اور مجنوں گورکھپوری کا نام سرِ فہرست ہے۔ تیسرا رجحان وہ ہے جس کا سلسلہ سلطان حیدر جوش سے ملتا ہے۔ راشد الخیری، فضل الحق قریشی اور عظیم بیگ چغتائی اسی قبیل کے افسانہ نگار ہیں۔

1934ء کے بعد ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو افسانہ میں نئے رجحانات در آئے۔ اس زمانے میں حقیقت نگاری کا ایک نیا تصور قائم ہوا۔ کرشن چندر، اختر انصاری اور احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں بھی سماجی موضوعات اور مسائل جگہ لینے لگے یوں تو اس دور میں پروفیسر محمد مجیب، حیات اللہ انصاری، اختر حسین رائے پوری اور بعض دیگر ادیبوں نے بھی کامیاب افسانے لکھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس عہد میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی اور سعادت حسن منٹو نے اردو فسانے کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے۔

ملک کی تقسیم کے بعد اسی موضوع پر افسانے لکھے گئے۔ منٹو، کرشن چندر، بیدی اور احمد ندیم قاسمی نے فسادات کے موضوع پر بڑی موثر، فنی اعتبار سے مکمل اور معیاری کہانیاں لکھیں۔

آزادی کے بعد قرۃ العین حیدر، غلام عباس، بلوت سنگھ، شوکت صدیقی اور انتظار حسین نے بھی اردو افسانے لکھے۔ نئے افسانہ نگاروں میں انور عظیم، بلوت سنگھ، اقبال متین، جیلانی بانو اور قاضی عبدالستار کی کوششیں قابل ذکر ہیں غرض کہ آج بھی افسانہ نگاری

کا قافلہ پورے آب وتاب کے ساتھ رواں دواں ہے۔

## ڈراما

اردو ڈرامے کی ابتدا واجد علی شاہ کے ڈرامے ''رادھا کنہیا'' کے قصے سے ہوتی ہے جسے اسٹیج پر ریہرسل کے انداز میں پیش کیا گیا اس شاہی ذوق کے نتیجہ میں لکھنؤ میں ڈرامے کا عام شوق پیدا ہوا اور امانت لکھنوی کی ''اندر سبھا'' جیسی بے مثل تخلیق وجود میں آئی۔

19/ ویں صدی کے نصف آخر کے آغاز میں پارسی اردو تھیٹر کا آغاز ہوا۔ 1880ء کے بعد طالب بنارسی احسن لکھنوی اور بیتاب بریلوی جیسے باشعور ادباء نے اردو ڈرامے کو ایک نیا آہنگ اور وقار بخشا۔

طالب بنارسی نے نظم کے ساتھ ساتھ نثر میں مکالمے بھی لکھے اور اردو گیتوں کو ان میں شامل کیا۔ احسن لکھنوی نے شیکسپیئر کے ڈراموں کے آزاد ترجمے کر کے ڈرامے میں ادبی شان پیدا کردی اور بیتاب بریلوی نے ہندی دیومالا اور مذہبی قصوں کو ڈرامائی رنگ میں پیش کیا۔

آغا حشر نے پہلی بار ڈرامے کو فن کی طرف موڑا اس سے پہلے ڈرامے صرف ذوق کی تسکین کے لیے پیش کیے جاتے تھے۔ اس سے آگے چل کر محمد حسین آزاد نے ایک ڈراما ''اکبر'' نامی لکھنا شروع کیا تھا مگر اس کی تکمیل وہ نہ کر سکے۔ مرزا محمد ہادی رسوا نے منظوم ڈراما ''مرقع لیلیٰ مجنوں'' لکھا۔ ''زود پشیماں'' مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا معاشرتی ڈراما ہے اسی طرح عبدالحلیم شرر پریم چند اور چکبست نے بھی ڈرامے لکھے۔

سید امتیاز علی تاج اور سید عابد حسین نے اردو ڈراما نگاری کو فن اور فکر کی گہرائی اور اس کی لطافت سے روشناس کرایا۔ امتیاز علی تاج کا شاہکار ڈراما ''انارکلی'' ہے اور عابد حسین کا مشہور ڈراما ''پردۂ غفلت'' ہے۔

منٹو کے ڈراموں کے مجموعے ''منٹو کے ڈرامے'' اور ''جنازے'' ہیں۔ راجندر سنگھ

بیدی نے بھی ڈرامے پیش کیے ہیں جن میں انہوں نے خصوصاً دردمندی اور انسان دوستی کو پیش کیا ہے۔ کرشن چندر کے نثری ڈراموں کا مجموعہ ''دروازہ'' شائع ہو چکا ہے اسی طرح عصمت چغتائی نے اپنے ڈراموں میں گھریلو زندگی کے مسائل اور عورت کی نفسیات کو موضوع بنایا ہے۔ مرزا ادیب کے ڈراموں کے تین مجموعے ''لہو اور قالین''، ''آنسو اور ستارے'' اور ''پس پردہ'' شائع ہو چکے ہیں۔ جاوید اقبال نے بھی ڈراما لکھا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے اردو ڈرامے کو نئی معنویت اور فنی لطافت عطا کیا ہے غرض کہ اردو ڈراما نگاری نے اس طرح ترقی کی ہے مگر اس کو کچھ تہذیبی عوامل کی وجہ سے اتنی پذیرائی نہ مل سکی جتنی اسے دوسری زبانوں میں عطا ہوئی ہے۔

## ولی کی متصوفانہ شاعری

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شاعر کی حیثیت سے ولی کا مرتبہ بہت بلند ہے انہوں نے نہ صرف اپنے دور کے تمام ادبی وفکری معیاروں کو اپنی شاعری میں سمویا بلکہ بیان کی لذت اور زبان کی تعمیر کا اعجاز بھی دکھایا

ولی کے کلام میں جہاں ایک طرف سادگی اور سلاست نمایاں نظر آتی ہے وہیں ان کی شاعری میں ایک خاص قسم کی معنویت اور ان کے طرز ادا میں عجیب وغریب دلکشی پائی جاتی ہے۔ ولی چوں کہ خود صوفی تھے اس لیے ان کی غزلوں میں جذب وسرور، تاثر اور متصوفانہ امور کی کارفرمائی جابجا نظر آتی ہے۔ ولی کا کلام صوفیانہ امور ونکات سے پُر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں پردہ داری کی دبیز چادر ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے اور اس عمل کو صوفیاء کرام ضروری بھی تصور کرتے ہیں اور اسے اعلا وارفع مقاصدِ روحانی کا ذریعہ بتاتے ہیں

'تصوف' اس زمانے کی فکری اور اخلاقی بلندی کا معیار تھا اور وحدت الوجود کا عقیدہ جذب وسلوک اور معرفت کے لیے واحد بنیاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے اسے ولی نے بھی اپنی شاعری میں کامیابی کے ساتھ برتا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ولی کی شاعری کا اصل لبادہ تصوف ہے۔ ولی نے سب سے پہلے تصوف کو باقاعدہ طور پر اپنی شاعری میں جگہ دی ہے

ان کے یہاں تصوف کی لطیف موشگافی عشق کی دلگدازی اور پھران سب کے ساتھ صنائع و بدائع کا بھی اعلیٰ فن کارانہ استعمال مستند فارسی شعرا کی طرح پایا جاتا ہے

ولی صوفیوں کے اس سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں جن کا عقیدہ تھا کہ خدا حُسنِ مطلق ہے اور مجازی عشق صرف اور صرف پہلا زینہ ہے۔ ولی کے تصوف آمیز شاعری سے متعلق ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی یوں فرماتے ہیں کہ ''ان کی شاعری اگر خارجی دنیا کو دیکھتی بھی ہے تو وہاں بھی انہیں حُسن ہی حُسن نظر آتا ہے۔'' جس کی وجہ سے عشق کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے جس کے توسط سے حُسن مطلق یعنی اللہ تک رسائی ممکن ہے۔ دلیل کے طور پر یہ شعر ولی کا دیکھا جاسکتا ہے ؎

دروادئ حقیقت جس نے قدم رکھا ہے
اول قدم ہے اس کا عشق مجاز کرناں

بلکہ ولی دنیا کی ہر حسین شئی سے عشق کرنے کو تصوف کا ایک جزو لاینفک سمجھتے تھے۔ اپنے اسی عقیدے کو اس شعر میں یوں پیش کیا ہے ؎

طریقہ عشق بازاں کا عجب نادر طریقہ ہے
جوکئی عاشق نہیں اس کوں مسلماں کر نہیں گنتے

'وحدت الوجود' یا 'ہمہ اوست' کا عقیدہ تصوف کے فلسفہ کا ایک بنیادی عنصر مانا جاتا ہے اور اس حوالے سے صرف اللہ کی ذات کو قائم و دائم مانا جاتا ہے اس کے علاوہ دنیا کے دیگر مظاہر کو قابل تغیر اور زوال آمادہ سمجھا جاتا ہے لیکن ان تمام حقائق کے باوجود دنیوی چیزوں میں حُسن کی تلاش اور حُسن مطلق کی جستجو کے جذبے کو بیدار رکھنا پڑتا ہے چنانچہ ولی کا یہ شعر دیکھئے ؎

آزاد کو جہاں میں تعلق ہے جال محض
دل باندھنا کسوں سوں ہے دل پر وبال محض

ولی کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ معرفت کی منزل اپنے کو خاک کیے بغیر نہیں مل سکتی چنانچہ ولی یوں فرماتے ہیں ؎

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم ذاتِ یز دانی کرے

ولی نے بہت سارے مسائل تصوف بیان کیے ہیں کہیں انہوں نے طمع کی بُرائی کی ہے تو کہیں نامۂ اعمال آنسوؤں سے دھو کر پاک کرنے اور کہیں محبوب کے لیے گلدستۂ اعمالِ زندگانی تحفہ کے طور پر لے جانے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں چنانچہ ایک جگہ ولی یوں فرماتے ہیں ؎

سیہ روی نہ لے جا حشر میں دنیائے فانی سوں
سیہ نامے کو دھوا ے بے خبر انجھواں کے پانی سوں
نزکِ جاناں کے گر تحفہ لے جانا ہے تو اے ناداں
لے جا گلدستۂ اعمالِ زندگانی سوں
طمع مال کی سر بسر عیب ہے
خیالاتِ گنج جہاں سر سوں ٹال

ولی خود مئے وحدانیت سے سرشار ہیں ان کی یہ شراب ایسی ہے جو بے خود بھی رکھتی ہے اور ہوشیار بھی، ایک جگہ ولی یوں گنگناتے ہیں ؎

عشق کر اے دل سدا تجرید کی
عاشقی ہے ابتدا توحید کی

غرض کہ کہا جا سکتا ہے کہ ولی صوفی شاعر تھے اور امید ہے کہ آئندہ نسل بھی ایک صوفی شاعر کی حیثیت سے بھی ولی کو گلے لگائے گی اور مزے لے لے کر پڑھے گی۔

## ولی کی عشقیہ شاعری

ولی کی شاعری کی عشقیہ لے اور سرشاری اگر ایک طرف قلی قطب شاہ کی روایت سے ملتی ہے تو دوسری طرف اس پر حافظ شیرازی کے انبساط و جمال کی روایت کا گہرا عکس بھی موجود ہے۔

ولی کی شاعری میں تصوف آمیز اشعار کی تعداد کچھ کم نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں حُسن و عشق کا جلوہ بھی ہے لیکن یہاں سوز و عشق کے ایسے سادہ اور پیچیدہ تجربے کا اظہار ہوتا ہے جو ایک طرف اردو شاعری میں نئی چیز ہے تو دوسری طرف ہر 'زندہ دل' کے دل کی آواز ہے۔

عشق میں عاشق پر جو گزرتی ہے اس کا بیان بھی احساس و جذبے کے اسی سطح پر ہوا ہے جس میں سوز نے ایک لوچ پیدا کر دیا ہے جس سے ولی کے شعر پڑھنے یا سننے والے کو اپنے دل کو مٹھی میں لینا پڑتا ہے ؎

عشق کے ہاتھ سے ہوئے دل ریش
جگ میں کیا بادشاہ کیا درویش
جو ہوا رازِ عشق سے آگاہ
وہ زمانے کا فخرِ رازی ہے

ولی کی شاعری فکر و فلسفہ کی جگہ حواس محسوسات اور جذبات کی شاعری ہے جیسا کہ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے لکھا ہے کہ ''ولی کے تصورِ عشق میں وفاداری بشرط استواری کا عقیدہ بہت اہمیت رکھتا ہے یہاں نہ عاشق بوالہوس ہے کہ حُسن پرستی شعار کر لے اور نہ ہرجائی ہے کہ دردر جھانکتا پھرے۔'' اس وفاداری کے سبب سے اس کے ہاں جلنے تڑپنے اور اندر ہی اندر عشق کی آگ میں سلگنے کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے جب کہ دوسرے شاعر مثلاً شاہیؔ نصرتیؔ اپنے شکار سے کھیلتا ہوا نظر آتا ہے لیکن ولیؔ ایسا نہیں ہے۔ شاہیؔ جب محبوب کو دیکھتا ہے تو اس کے ہاتھ اس کے جسم کی طرف بڑھنے لگتے ہیں اور سیج کے پھول مہک اٹھتے ہیں چنانچہ شاہی یوں کہتا ہے ؎

جو بن پھرک کتے ہیں پیو مست ہو ملیں گے
آلنگ بدل رہوں اب بند کھول انگیا کا

اسی مضمون کو نصرتی نے یوں بیان کیا ہے ؎

پکڑے یہ دل الگ سوں نکو چپ بھواں کوتان
سنپڑے شکار پر تو چڑاتی کمان کیا

لیکن وؔلی جب اپنے محبوب کو دیکھتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ ؎

لب پہ دلبر کے جلوہ گر ہے جو خال
حوضِ کوثر پہ جیوں کھڑا ہے بلال،
تو سر سے قدم تلک جھلک میں
گویا ہے قصیدہ انورؔی کا

ولی کے یہاں رنگ رلیاں منانے جنسی تشنگی کو لذتِ وصل سے بجھانے اور عاشق کے ندیدے پن کا احساس نہیں ہوتا۔ ولی کے ہاں عشق میں ایک شائستگی ہے سنجیدگی اور گہرائی ضبط اور ٹھہراؤ ہے۔ یہاں اردو غزل میں پہلی بار تصورِ عشق علوی سطح پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔

دوسرے وہ نئی آواز 'آنکھوں کو لگاتی جا'، 'پانی سوں'، 'یہ آگ بجھاتی جا' کے لہجے میں محسوس ہوتی ہے جو آج بھی اردو شاعری اور زبان کی زندہ آواز ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو ولی کو سرخیل شعرائے جدید بنانے پر مجبور ہے۔

ولی جب محبوب کے چہرے کی تعریف کرتے ہیں تو یوں کرتے ہیں ؎

مکھ تیرا آفتاب محشر ہے
شور اس کا جہاں میں گھر گھر ہے

ولی اپنے محبوب کے گیسو کی تعریف اور اس کا منظر کچھ یوں کھینچتے ہیں ؎

تری زلفاں کی طولانی کوں دیکھے
مجھے لیلِ زمستاں یاد آوے

غرض کہ ولی کی عشقیہ شاعری بھی بہت دل چسپ ہے جو اپنے شیرینی کی وجہ کر ہمیشہ پڑھی جائے گی۔

□ □ □

# میرؔ کی غزل گوئی کی خصوصیات

میر تقی میرؔ شہنشاہِ غزل بہ لفظ دیگر خدائے سخن ہیں۔ ان کی شاعری میں ان کے زمانے کے دل دوز مصائب پیوست ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے شاعری میں بلا کا درد پایا جاتا ہے۔ میر کی شاعری کا دوسرا کمال یہ ہے کہ انہوں نے بول چال کی زبان کو ایسے سلیقے سے استعمال کیا کہ وہ شاعری کی زبان بن گئی۔ ہلکی ہلکی موسیقی اور نرم لہجے نے بھی ان کی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے۔ ان کی غزل گوئی کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ ان کی شاعری میں خود کلامی پائی جاتی ہے۔ میر کی غزل گوئی کے متعلق بابائے اردو مولوی عبدالحق فرماتے ہیں کہ

''میر تقی میرؔ سرتاج شعرائے اردو ہیں۔ ان کا کلام ذوق وشوق سے پڑھا جائے گا جیسے سعدیؔ کا کلام فارسی زبان میں، اگر دنیا کے ایسے شاعروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا تو میرؔ کا نام اس فہرست میں ضرور شامل کرنا ہوگا۔ یہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جنہوں نے موزونِ طبع کی وجہ سے یا اپنا دل بہلانے کی خاطر یا تحسین سننے کے لیے شعر کہے ہیں بلکہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمہ تن شعر میں ڈوبے ہوئے تھے۔''

میر کی غزل گوئی کی خصوصیات کئی ہیں۔ میر کی شاعری فنِ غزل گوئی کے حوالے سے دیکھی جائے تو یہ شعر زبان پر مچلنے لگتا ہے

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں شعر میر کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں

میرؔ اپنے حالات واردات وحادثات کو پُر تاثیر اور اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ ایک عالم چھا جاتا ہے۔ وحشت وجنون کا موضوع اردو شاعری میں عنقاء رہا ہے لیکن یہاں یہی مضمون بھرپور تاثر کے ساتھ ہے ہزار بار بھی پڑھے جانے کے باوجود اس کی تاثیر میں کمی نہیں آتی ۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

میر کی غزل گوئی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عام بات اور معمولی خیالات کو بہت ہی خوش اسلوبی سے ادا کرتے نظر آتے ہیں ایک شعر دیکھئے ۔

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

داخلی اور قلبی وارداتِ غم کی عکاسی میں میر کو کمال حاصل ہے۔ ان کے اشعار میں جو اثر طرفگی اور ماورائیت ہے اس کی مثال اردو کے کسی شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔

غزل گوئی کی خصوصیات اور غزل کے تقاضے کو میرؔ نے پورا کرنے کوشش کی ہے چنانچہ ان کی شاعری میں تغزل غنائیت موسیقیت ونغمگی اور زندگی کی قدریں بلکہ ساری چیزیں موجود ہیں جن کی بنا پر ان کی غزل گوئی عالمِ ادب پر بسیط ہے۔

غرض کہ میر کی غزل گوئی کی کئی ایک خصوصیات ہیں جو قابلِ توجہ بھی ہیں اور قابلِ اعتناء بھی۔

## میر تقی میرؔ کی عشقیہ شاعری

قدیم شعرا کی طرح میرؔ کی شاعری کا بھی خاص موضوع عشق ومحبت ہے۔ محبت سے متعلق میرؔ کے بیانات رسمی نہیں بلکہ محبت کی چوٹ کھائے ہوئے دل کے تجربات ہیں چنانچہ

یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں محبت کا آزار ان کی ذات کے ساتھ لگا رہا میرؔ نے مجازی محبت کی سرحدوں کو پار کر کے حقیقی محبت کے حدود میں بھی قدم رکھا ہے۔ عشق کے ساتھ ناکامی اور محرومی وابستہ رہی ہے اسی عشق نے میر کے اوپر بھی قہر توڑا ہے مثال کے طور پر یہ شعر دیکھا جا سکتا ہے ؎

جب نام تیرا لیجئے تب آنکھ بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

میرؔ کی شاعری عشق اور اوصافِ حسن سے بھری پڑی ہے۔ان کے نزدیک عشق اہم چیز ہے چنانچہ وہ یوں فرماتے ہیں ؎

سب میر کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں میں اپنی
اس خاک رہِ عشق کا اعزاز تو دیکھو

ان کی شاعری عشق کے جذبے سے لبریز کیوں نہ ہوتی کیوں کہ میرؔ کے والد نے ہمیشہ میر کو عشق کی تعلیم دی؛ وہ کہتے تھے ''اے بیٹے عشق اختیار کر کہ اس کارخانے میں اسی کا تصرف ہے اگر عشق نہ ہو نظمِ کل کی صورت نہیں ہو سکتی ہاں عشق کے بغیر وبال ہے دل میں عشق کا سمایا ہوا ہونا کمال کی علامت ہے۔ عالم میں جو کچھ ہے وہ عشق کا ظہور ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ میرؔ کی شاعری عشق کے پاکیزہ جذبے سے معمور ہے چنانچہ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں ؎

عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ
عشق میں تم کہو کہیں ہے کچھ

'شعلۂ عشق' میں محبت کی تفسیر میرؔ یوں کرتے ہیں ؎

محبت میں ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

میرؔ عاشق مجاز تھے یہی وجہ ہے کہ دیوانگی اور جنون کی کیفیت میں بھی ان کو اپنے محبوب

کا عکس نظر آتا ہے۔وہ اپنے محبوب کی شکل چاند میں تلاش کرتے ہیں ؎

دل پر خون کی اک گلابی سے
عمر بھر ہم رہے شرابی سے

ان کے نزدیک عشق خالق عشق ہی خلق اور عشق ہی باعثِ ایجاد خلق ہے جسے میر یوں بیان کرتے ہیں ؎

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
ہر جگہ اس کی ایک نئی ہے چال
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینے میں آہ سرد ہوا

بلکہ میرؔ کے یہاں عشق ساری کائنات پر حاوی ہے ایک جگہ وہ اپنی زبان یوں وا کرتے ہیں ؎

لوگ بہت پوچھا کرتے ہیں کیا کہئے میاں کیا ہے عشق
کچھ کہتے ہیں سرِ الٰہی کچھ کہتے ہیں خدا ہے عشق

غرض کہ میرؔ عشقیہ شاعری کے حوالے سے بھی یاد کیے جائیں گے

## میرؔ کی شاعری: دل اور دلی کا مرثیہ ہے/
## میرؔ نے غمِ جاناں کو غمِ دوراں بنا دیا

میرؔ کی شاعری کو المیہ رنگ و آہنگ اُس طوفان نے بخشا تھا جس سے وہ اپنی ذاتی زندگی میں گزرے تھے مشہور شاعر شیلے کا قول ہے کہ ''ہمارے شیریں ترین نغمے غم انگیز خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔'' یہ صحیح ہے تو اسی سے میرؔ کی شاعری پر گہرا اثر پڑا چنانچہ خواجہ احمد فاروقی کے قول کے مطابق ''ان کی شاعری دل اور دلی کا مرثیہ بن گئی۔'' میر خود لکھتے ہیں ؎

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

میؔر کی شاعری میں غم واندوہ اور سوز و گداز کے جو دفتر ملتے ہیں اس کا بڑا حصہ ان کی شخصیت کا پیچ وخم سے عبارت ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے غموں کے اس بوجھ کو واقعتاً اپنا سرمایۂ حیات تصور کرلیا ہے اسی لیے نہ زندگی سے فرار ہے اور نہ حالات کو کوستے رہنے کی عادت دکھائی دیتی ہے۔ میؔر کی شاعری میں صرف غم واندوہ کا تذکرہ نہیں۔ اسی طرح صرف اپنے بکھرے ہوئے عہد کا نوحہ نہیں بلکہ یہ شاعری اس وسیع وعریض انسانی منظرنامے کا واقعی بیان ہے۔ جس کی کوئی نظیر اردو شاعری نے پیدا نہیں کیا۔ تجربات مشاہدات اور تخیل کی یہ ایسی دنیا ہے۔ جس کے مظاہر نئے نئے طریقے سے ہمارے سامنے آرہے ہیں۔

میؔر کی شاعری کو بعض ناقدین نے دل اور دلّی کا مرثیہ کہا ہے۔ میؔر کے قول کے مطابق انہوں نے کئی بار عشق کیا لیکن ایک میں بھی کامیابی نہیں ملی تو دوسری طرف زمانے کی ریت نے ساتھ بھی نہ دیا۔ یہی محرومی کیا کم تھی۔ دوسری طرف ان کی ہر دل عزیز دلّی بھی لٹ گئی لہٰذا ناقدین کا یہ کہنا کہ میر کی شاعری دل اور دلّی کا مرثیہ ہے صحیح معلوم ہوتا ہے۔

میر کی شاعری میں ان کے دور کی روح جاری وساری ہے۔ میؔر کا غم دراصل انسانی زندگی کا ایک حصہ ہے ؎

میر صاحب رلا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بھی لائے تھے

میؔر کے غم میں غمِ دوراں چھپا ہوا ہے۔ میر کے غم نے قرینہ سیکھا ہے ؎

میرے تغیر حال پہ مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

میؔر کی کلیات میں سیکڑوں ایسے اشعار ہیں جن سے خون ٹپکتا ہے چند اشعار دیکھیے ؎

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

آنکھوں سے جو پوچھا حال دل کا
میر ایک بوند ٹپک پڑی لہو کی

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ میر کی شاعری دل اور دلی کا مرثیہ ہے اسی طرح ان کے غم کے پردہ میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں پوشیدہ ہے۔ میر کا غم ذاتی نہیں بلکہ اجتماعی غم تھا۔ میر قنوطی شاعر نہیں تھے اور جو بھی ایسا کہتے ہیں وہ حقیقت سے واقف نہیں۔

مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ میر کی شاعری جہاں دل اور دلی کا مرثیہ ہے وہیں یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ میر نے غمِ جاناں کو غمِ دوراں بنا دیا ہے۔

□ □ □

# غالب کی شاعرانہ عظمت

غالب اردو کا ہر دل عزیز شاعر ہے۔انہوں نے اردو شاعری کے عظیم چمن میں جو گل بوٹے کھلائے ہیں وہ عدیم المثال ہیں جو دوسروں کے یہاں کم نظر آتے ہیں جس فکر وفن کی شمع غالب نے اپنی شاعری کے ذریعہ روشن کی ہے وہ ہمیشہ ہی ادب وتہذیب کی بنیاد کو جگمگاتی رہے گی یہی وجہ ہے کہ کوئی انہیں مغلیہ دور کا عطیۂ خاص قرار دیتا ہے۔عبدالرحمٰن بجنوری نے غالب کے دیوان (دیوانِ غالب) کو الہامی کتاب قرار دیا ہے چنانچہ عبدالرحمٰن بجنوری لکھتے ہیں کہ"""دیوانِ غالب" کا ہر مصرعہ تارِ رباب ہوتا ہے" اس کی مثال غالب کے اِس شعر سے یوں دی جاسکتی ہے ؎

تیرے فکر و فن سے ملی روشنی
ملی تم سے گلشن کو پھر تازگی

غالب کی شاعری یک رنگی صفات کی حامل نہ ہو کر بڑی تہہ دار ہے اس میں بیک وقت دل و دماغ کو آسودہ کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ ماضی حال اور مستقبل کی دھڑکنیں اس میں سنائی دیتی ہیں۔غالب کی شاعری میں پرانے اور نئے پن کا مکمل امتزاج ہے۔چنانچہ اس کے بارے میں پروفیسر آلِ احمد سرور لکھتے ہیں کہ"ماضی کا رچا ہوا شعور حال کے پیچ وخم کا احساس اور آنے والے دور کی کرنیں سبھی کچھ موجود ہیں۔"

غالب سے پہلے اردو شاعری دل والوں کی دنیا تھی یعنی اس کا تعلق صرف دل لگی سے تھا لیکن غالب نے اردو شاعری کو ذہن دیا اور اس میں نت نئے موضوعات اور نئے مضامین

داخل کر کے اردو شاعری کے دامن کو وسیع کر دیا۔

غالب کے متعلق ڈاکٹر وحید اختر ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''غالب بڑے فن کار تھے اگر وہ بڑے فن کار نہ ہوتے تو ان کی فکر پر بات کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔'' ان کے متعلق طالب کاشمیری لکھتے ہیں کہ ''مرزا ایک جدت طراز فن کار ہیں وہ شاہ راہ عالم سے ہٹ کر اپنی راہ الگ نکالتے ہیں اور بہر صورت اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہیں۔''

غالب نے اردو شاعری کو تخیل کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ان کی شاعری نقش ہائے رنگ رنگ کی جلوہ گاہ ہے جو ایک ہفت رنگ پھلجھڑی کی طرح ہے جس کی ہفت رنگ شعائیں پھوٹتی ہیں اور جن سے پوری اردو شاعری کی دنیا منور و تاباں ہے۔

پروفیسر آلِ احمد سرور کا خیال ہے کہ ''غالب کی عظمت کا راز یہ ہے کہ انہوں نے اردو کو سوچنے والا ذہن دیا۔'' غالب کے کلام کی بلاغت اور حسنِ بیان کا کوئی دوسرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک شعر دیکھئے ؎

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

غالب صرف میرؔ موؔمن کی طرح لفظوں کے استعمال پر قدرت نہیں رکھتے بلکہ اسے فاتحانہ انداز میں برتتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ جن لفظوں کو استعمال کر رہے ہیں وہ انہیں کے خاطر وجود میں آئے ہیں۔ میر صاحب کی استادی کو ماننے کے باوجود اپنی شاعرانہ عظمت کا انہیں احساس تھا چنانچہ وہ یوں کہتے ہیں ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیان اور

غالب کی وجہ سے تخیل کا رمزی اور ایمائی انداز اپنے کمال کو پہنچا۔ غالب رمز و کنایہ سے ایک خاص قسم کی فضا پیدا کرتے ہیں چنانچہ لفظ خاموش ہونے پر بھی خود بول اٹھتے ہیں اور عالمِ معنی کا راز ہم پر کھولتے ہیں۔ غالب نے رمز نگاری کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
ہاں ورنہ حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

غالب نے حسنِ ادا کو چمکانے کے لیے رعایتِ لفظی کا بھی خیال رکھا ہے ایک شعر دیکھئے

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز
تو آرائشِ خمِ کا کل
میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

اس طرح غالب کے کلام میں شوخی اور ظرافت کا بھی اچھا خاصا اجتماع ہے چنانچہ اس حوالے سے ایک شعر دیکھئے

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنت کا کیا کرے کوئی

غالب کی شاعرانہ عظمت کا راز حیات و کائنات کے باب میں ان کا شعری بیان ہے جو ہمہ جہت بھی ہے اور ہمہ گیر بھی۔

مختصر یہ ہے کہ غالب کی شاعرانہ عظمت روز روشن کی طرح عیاں ہے

□ □ □

# آتشؔ کی شاعری

آتشؔ لکھنوی دبستانِ لکھنؤ کا نمائندہ اور شیریں کلام شاعر ہے۔ ان کی آنکھ جب کھلی اُس وقت لکھنؤ میں نور برس رہا تھا۔ قصیدے لکھے جا رہے تھے۔ فرسودہ مضامین کی بھرمار تھی، ماحول میں کیف و مستی چھائی ہوئی تھی اور معشوق کی سراپا نگاری پر نگاہ ٹک چکی تھی۔ آتشؔ لکھنوی نے بھی شروع میں اسی رنگ کو اپنایا اور یوں گویا ہوئے ؎

ہر روز روزِ عید ہے ہر شب شبِ برات
سوتا ہوں ہاتھ گردنِ مینا میں ڈال کر

اسی طرح آتشؔ کے ایک عامیانہ شعر کو دیکھئے ؎

کچھ اشارہ جو کیا میں نے ملاقات کے وقت
ٹال کر کہنے لگا دن ہے ابھی رات کے وقت

یہ سارے اہلِ ادب جانتے ہیں کہ دہلی کا رنگِ تصوف لکھنو میں رنگِ تعشق سے بدل گیا تھا لیکن آتشؔ ہی لکھنؤ کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے دہلی اور لکھنؤ کے شاعری میں توازن پیدا کر کے اپنی شاعری کو تابنا کی اور ہر دل عزیزی عطا کی۔ ان کے متعلق ڈاکٹر عبداللہ لکھتے ہیں کہ

> ''آتش صرف مرصع ساز نہ تھا بلکہ سوچنے والا اور غور کرنے والا شاعر تھا، اس کو تجزیہ کرنا آتا تھا۔ وہ نرا قافیہ پیما نہ تھا، حقائق شناس بھی تھا لکھنؤ کے تمام شاعروں سے زیادہ۔'' ان کے بارے میں خلیل الرحمٰن

اعظمی لکھتے ہیں کہ ''آتش ہی اردو غزل کی تاریخ میں پہلا شاعر ہے
جس کے یہاں ہم زندگی کے بارے میں اثباتی نقطۂ نظر پاتے ہیں،
ان کے یہاں یاس و ناامیدی لذت و ہوس سکون و جمود کے، ایک
صحت مند نشاط و سرشاری اور زندگی سے بھرپور رجائی انداز ملتا ہے۔''

آتش اپنی شاعری کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے بھی ہیں اور کبھی کبھی طنزیہ انداز میں اپنے دور کے شاعروں کے شاعرانہ مزاج سے پریشان ہو جاتے ہیں ؎

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

آتش کی شاعری میں دہلی اسکول والی خصوصیت بھی تھی جسے ایک شعر کے ذریعہ دیکھا جاسکتا ہے ؎

کسی نے مول نہ پوچھا دل شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

آتش کے یہاں توکل و معرفت پر مبنی بہت سارے اشعار ملتے ہیں۔ ایک شعر دیکھئے ؎

فقیری جس نے کی گویا اس نے بادشاہی کی
جسے ظلِ ہما کہتے ہیں درویشوں کا کمبل ہے

یہ بھی اہلِ علم پر واضح ہے کہ لکھنؤ کے شعراء کے یہاں معشوق کے آستانے پر سر تسلیم کرنے کا رواج عام تھا لیکن آتش نے خودداری دکھلایا ؎

کون ملتا ہے اگر ملتا نہیں وہ نازنیں
میں بھی اُس نا آشنا کا آشنا ہوتا نہیں

عاشقوں کے یہاں صرف ناکامی کا رونا رویا جاتا ہے مگر آتش کے یہاں کامیابی و ناکامی دونوں دیکھنے کو ملتا ہے۔ آتش معشوق کے خدو خال کو مذہبی اجزا سے تشبیہ دے کر لذت اور تازگی پیدا کرتے ہیں جو لکھنؤ کے دوسرے شعرا کے یہاں نہیں ملتی ؎

دستِ علی کے ضرب کا جنبش میں ہے اثر

ان ابروؤں میں معجزہ ہے ذوالفقار کا

آتش کے کلام میں تشبیہات واستعارات ہیں مگر پیچیدگی کا کوئی مسئلہ نہیں ان کے یہاں محبوب کوئی ماورائی نہیں۔ان کے کلام میں تصنع تکلف اورآورد کا احساس کم ہی ہوتا ہے ان کے متعلق آزاد لکھتے ہیں کہ ''جوکلام ان کا ہے۔حقیقت میں محاورہ، اردو کا دستورالعمل اورانشاپردازیٔ ہند کا اعلیٰ نمونہ۔''

الغرض آتش کی شاعری ہمیں miss کرتی رہے گی۔

□ □ □

Prof. SHARIB RUDAULVI
COLLECTION

# شاد عظیم آبادی کی غزل گوئی

اردو غزل گوئی کی دنیا میں شاد ایک منفرد اور بلند مقام رکھتے ہیں بقول صاحب شعرالہند ''وہ موجودہ دور کے خوش گو شعراء کے پیش رو ہیں۔'' شاد نے دبیر اور فریاد سے فیض حاصل کیا مگر میر کا رنگ ان کے کلام میں غالب ہے اور بعض جگہوں پر انہوں نے غالب کا تتبع بھی کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے انہیں اپنے دور کا میر کہا ہے حقیقت بھی یہی ہے۔ وہی انداز بیان وہی سوز و گداز وہی حسرت و یاس اور وہی کسک و درد ہے ؎

اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

دبیر فریاد اور غالب کے اثرات کے باوجود اس میں شک نہیں کہ جو رنگ اور انداز ان کا ہے وہ خالص ان کا اپنا ہے ؎

بتا دیا مجھے بچ بچ کے راستہ چلنا
خدا بھلا کرے اے شاد نکتہ چینوں کا

یہ بات مسلم ہے کہ عظیم آباد نے دہلی کی روایتِ شاعری کو اپنایا اُسے زندہ رکھا اور اس میں ترقی کے راستے وا کیے۔ شاد نے بھی دہلی کی روایت کو اپنایا ساتھ ہی لکھنؤ کے محاسن سے بھی فیض حاصل کیا۔ انہوں نے دلّی کی داخلیت اور لکھنؤ کی خارجیت کے امتزاج سے اپنی شاعری کی دنیا سجائی۔ اس کے نتیجہ میں ایک طرف تو ان کے کلام میں تاثر اور گہرائی پیدا ہوگئی ہے تو دوسری طرف اس میں زبان و بیان کی ظاہری خوبیاں آ گئی ہیں۔ ایک باشعور فنکار کی طرح انہوں نے دونوں کی خوبیاں دیکھ لیں۔ ان کی کمزوریوں کو بھی خوب سمجھا اور

خوبیوں کے امتزاج سے اپنے فنکاری کے کامیاب حصے کی طرح ڈالی۔ انہیں ظاہری اور باطنی خوبیوں نے شاؔد کو وہ مقام عطا کیا کہ ان کا نام اردو کے غزل گو شعراء کی مختصر فہرست میں آنا ضروری ہے اور بقول شخصے ''بہار میں تو ابتدائے عہد ریختہ سے اس وقت تک ایسا با کمال غزل گو کوئی پیدا نہیں ہوا۔''

## شاؔد کی غزل گوئی کی امتیازی خصوصیات

شاؔد کی شاعری میں سوز و گداز کا عنصر بہت زیادہ ہے۔ شاؔد کی زندگی فراخی اور اطمینان سے بسر نہ ہوئی۔ کچھ تو غمِ روزگار اور کچھ حریفوں کی زیادتیاں۔ نجی زندگی کی حرماں نصیبی نے ان کے کلام میں سوز و گداز، داخلیت اور تغزل پیدا کیا چنانچہ اشعار دیکھئے ؎

خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے
یونہی راتوں کو تڑپیں گے یوں ہی جاں اپنی کھوئیں گے
تری مرضی نہیں اے دردِ دل اچھا نہ سوئیں گے

شاؔد کی شاعری میں تخیل اور معنویت کی جلوہ گری بڑے فنکارانہ اور سادگی کے ذریعہ ہوئی ہے۔ کلاسیکی شاعری کی روایتوں سے شاؔد نے پورا پورا فائدہ اٹھایا جس کے نتیجہ میں ان کے کلام میں تخیل و جذبات دونوں کی کارفرمائی ملتی ہے ؎

میرے شعروں میں جلوہ شاہدِ معنی کا پیدا ہے
نظر آتا ہے لفظوں کا فقط ہلکا سا ایک پردہ

شاؔد کے تغزل میں صوفیانہ خیالات کی نشاندہی واضح طور پر موجود ہے لیکن صوفیانہ خیالات کسی جگہ پر بھی فن کو منفی انداز میں اثر پذیر نہیں کرتے کیوں کہ شاعر نے اپنے صوفیانہ جذبات کے میلانات کو فنکار کی طرح پیش کیا ہے۔ انہیں تبلیغ تصوف سے زیادہ فن کی فکر رہتی ہے۔ صوفیت کی آمیزش سے انہوں نے عشق و محبت کو پاکیزگی معرفت اور بلندی عطا کی ہے اور اپنے اشعار میں اخلاق و موعظت کے موتی پروئے ہیں ؎

ہر طرف ہے وہی ہر شئے میں ہے جلوہ اس کا
ترک نعمت جو کروں ترک ہے گویا اس کا

کلامِ شادؔ کی ایک اہم خصوصیت اس کی سادگی اور سلاست ہے جو شستہ اور رواں ہے۔ ان کے یہاں نہ ثقالت ہے نہ سپاٹ سادگی بلکہ ایک تراشیدہ بیدار نفیس اور پر اثر سادگی پائی جاتی ہے ؎

فقط بھروسہ پہ ترے ہے زندگی اپنی
خدا حیات تری آئے اجل دراز کرے

اسی طرح کلامِ شادؔ میں تمثیل، رمز، ایما اور کنایہ واستعارہ کا فنکارانہ استعمال ملتا ہے جو کلام کو معنویت بخشتا ہے ساتھ ہی تجربات کو گہرائی و گیرائی بھی بخشتا ہے۔ شادؔ کی غزلوں میں حسین ترکیبیں بھی ملتی ہیں جن میں معنویت کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ جذبات نگاری کرتے ہوئے بھی وہ تشبیہ واستعارہ، مجاز وکنایہ، رمز وایما اور مصوری سے کام لے کر اسے ہنر بنا دیتے ہیں ؎

خیال وصل کو اب آرزو جھولا جھلاتی ہے
قریب آنا دلِ مایوس کے پھر دور ہو جانا

لطیف جذبات واحساسات کی تصویر کشی میں شادؔ خصوصی مہارت اور فنکاری کا ثبوت دیتے ہیں۔ محبت کے جذبات کو انہوں نے بڑی خوبصورتی سے اپنی غزلوں میں پیش کیا ہے۔ ان کی جذبات نگاری میں نیرنگی بھی ہے اور تنوع بھی۔ شادؔ نے اکثر جگہوں پر الفاظ کے ذریعہ عمدہ تصویریں اُتاری ہیں چنانچہ اشعار دیکھئے ؎

اُف اُف وہ ہتھیلی سے ان کا شرما کے چھپانا آنکھوں کا
برچھی کا ادا کی جل جانا اس تیرِ نظر کا رہ جانا
موتی تمہارے کان کے تھرتھرا رہے ہیں کیوں
آواز کس غریب کی گوش آشنا ہوئی

شاعری دراصل الفاظ کی جادوگری ہے۔ انتخابِ الفاظ، ترکیبِ الفاظ، فقروں کی بندش، سلاست وفصاحت ترنم وآہنگ وغیرہ یہ سب اسی سے متعلق ہیں اوران سب کے متناسب اور فنکارانہ استعمال سے شاعری کا فن بلند ہوتا ہے۔ جس سے کلامِ شاؔد لبریز ہے اسی طرح معنویت آفرینی اورنازک خیالی کے ساتھ مرقع کاری بھی ان کا حصہ ہے

بوسۂ سنگ آستاں مل نہ سکا ہزار حیف
آگے قدم نہ بڑھ سکا ہمت سر فراز کا

اسلوب بیان اور طرز اظہار میں بھی انہوں نے جدت طرازی کا ثبوت دیا ہے۔ ہندی الفاظ وتراکیب اور فارسی اور عربی مصرعوں کو انہوں نے کامیابی اور خوبصورتی کے ساتھ اپنے کلام میں کھپایا ہے۔

مختصر یہ کہ شاؔد کی شاعری سوز وگداز، اثر ومعنویت، صوفیانہ خیالات، لطیف احساسات وجذبات سے مملو ہے۔ اس میں رعنائی سلاست انفرادیت اور حسن ہے جو ہمیں ہمیشہ اپنی یاد دلاتی رہے گی۔

□ □ □

# یاس یگانہ چنگیزی کی شاعری

یگانہ کی شاعری دل کی شاعری ہے۔ وارداتِ قلبی کا اظہار اور تجربات کا نتیجہ ہے وہ حسن و عشق کے شاعر نہیں تھے بلکہ حقیقی شاعری کے لیے زندگی کے حقائق کی ترجمانی ان کا نصب العین تھا لیکن یہ چیز اس لیے کچھ زیادہ قابل قبول نہیں ہے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں ؎

دیوانہ وار دوڑ کے کوئی لپٹ نہ جائے
آنکھوں میں آنکھ ڈال کے دیکھا نہ کیجئے

البتہ اُن کے یہاں ایک مقام ایسا آتا ہے جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ عشق و محبت کے دامن پر آنچ آرہی ہے تو وہ بیتاب ہو کر یہ کہہ اُٹھتے ہیں ؎

جنسِ وفا نہ تھی کوئی مردے کا مال تھا
دل ہٹ گیا نگاہِ خریدار دیکھ کر

نگاہِ خریدار دیکھ کر دل کا ہٹ جانا ان کی نازک مزاجی اور خودداری کی غمازی کرتا ہے جسے بالفاظِ دیگر یوں کہتے ہیں ؎

ہائے یہ روشنی طبع اُف یہ بلائے رنگ و بو
چشمِ ہوس پرست نے پھر سے جواں بنا دیا

ان کے متعلق مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں کہ

''یگانہ پہلے شاعر ہیں جو ہم کو زندگی کا جبروتی رُخ دکھاتے ہیں اور ہمارے اندر سعی و پیکار کا ولولہ پیدا کرتے ہیں......غزل کو جو اب تک حسن و عشق کی شاعری سمجھی جاتی تھی یگانہ نے زندگی کی شاعری بنا دیا

اور انسان و کائنات کے ہستی کے رموز و اشارات کو اپنی غزلوں کا موضوع قرار دیا۔‘‘

اگر یگانہ کا لب ولہجہ نیا تھا تو اُن کے افکار بھی نئے تھے وہ عشق کو حسن سے افضل سمجھتے تھے اس لیے زندگی پر بھروسہ کرتے تھے، تھک بیٹھنے کے وہ قائل نہ تھے، حسرت و یاس کو منہ نہیں لگاتے تھے، ہجر ووصال کے گن نہیں گاتے تھے پر وہ تو وہی کہتے تھے جو اُن کے ل پر گزرتی تھی ؎

خضرِ منزل اپنا ہوں اپنی راہ چلتا ہوں
مرے حال پر دنیا کیا سمجھ کے ہنستی ہے

یگانہ وجدانی فنکار تھے۔شعور سے کہیں زیادہ لاشعور پر ان کی گرفت تھی وہ محسوسات کے شاعر تھے۔ وہ زبان وفن کی باریکیوں سے آشنا تھے۔ یگانہ ظاہری اخلاق خبط مذہب اور تعصب کے ضرور باغی تھے وہ علماء کے پیش کردہ دین کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور صاف صاف کہتے تھے ؎

جیسے دوزخ کی ہوا کھا کے ابھی آیا ہے
کس قدر واعظِ مکار ڈراتا ہے مجھے

یگانہ لامذہب تھے نہ بے دین۔علیؑ اور اولادِ علیؑ سے ان کو بے حد عقیدت تھی اور وہ ان حضرات پر جان چھڑکتے تھے چنانچہ غالب کے سلسلہ میں ایک رباعی میں انہوں نے کھلم کھلا کہا ہے ؎

دونوں دیوانے ہیں علیؑ کے طالب
جان ایک ہے گو جدا جدا ہے قالب
مذہب میں شاعری میں قومیت میں
غالب ہیں یگانہ اور یگانہ غالب

انہوں نے خودی کا نعرہ تو نہیں لگایا لیکن اپنی راہ الگ متعین کر کے یہ صدا ضرور بلند کی

مجھ دل کی خطا پر یاسؔ شرمانا نہیں آتا
پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

یاسؔ ہار ماننے والوں میں نہیں ہیں وہ مصیبت کے پہاڑ کی استقامت کا یقین نہیں رکھتے۔ زندگی سے ان کو والہانہ پیار ہے اور اس کو اتنا ارزاں نہیں سمجھتے کہ سر پر تیشہ مار کر ختم کر لیں۔

اگر ہم حالیؔ کی غزل کو جدید کہتے ہیں تو یگانہؔ کی غزل کو بھی شوق سے نئی غزل کہہ سکتے ہیں بلکہ یہ حالیؔ کی غزل کی طرح روکھی پھیکی بھی نہیں ہے اس میں سادگی کے ساتھ ساتھ پُرکاری بھی ہے یہ فارسی نثر نہیں ہے بلکہ خالص ہندستانی ہے۔ یہ روایتی کارنامہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ محسوسات و واردات کا حسین مجموعہ ہے۔ یگانہؔ کا فن تمام تر خلوص پر مبنی ہے یہاں تنگ نظری کی کوئی گنجائش نہیں۔

یگانہ نے غزل کو حقیقت سے قریب تر کر دیا ہے ان کے یہاں نہ دہلی کے طرحدار لڑکے جادو جگاتے نظر آتے ہیں نہ لکھنؤ کی طوائف جو اپنے عشوہ سے دل کی دنیا میں تہلکہ مچاتی دکھائی دیتی ہے ؎

ہنوز زندگی مئے تلخ کا مزہ نہ ملا
کمالِ ضبط ملا صبر آزمانہ ملا

مذکورہ بالا اشعار سے یگانہؔ چنگیزی کے رجحان فکر کا اندازہ ہو جاتا ہے وہی ایک ایسے شاعر اس دور میں نظر آتے ہیں جو یہ کہہ سکتے تھے ؎

بے نیازی کی کوئی حد بھی ہے آخر کب تک
ہاتھ اُٹھاؤ بھی کہیں یاسؔ منا جاتوں سے

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ یگانہؔ عظیم شاعر تھے۔

□ □ □

# فراق گورکھپوری کی شاعری

غزل گوئی کے حوالے سے اقبال کے بعد فراقؔ کی اہمیت مسلّم ہے۔ فراق کی شاعری داخلیت سے لے کر دنیا کی باہری اور خارجی وسعتوں کا بھی احاطہ کرتی ہے فراق صرف روایتی شاعری کے گُر سے واقف نہیں بلکہ وہ ہندو کلچر اور دیومالا سے بھی پوری طرح واقف ہیں۔

فراق کی شاعری میں جمالیاتی شعور کا احساس کارفرما ہے۔ بقول گوپی چند نارنگ ''فراق حسن و جمال کی بولتی ہوئی روح کے شاعر ہیں۔'' ان کے اشعار میں ایک کسک اور سوز بھی پایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ایک شعر دیکھئے

ہم غم زدوں کی گفتگوئے تلخ پر نہ جا
قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں

فراق نے غزل کے قالب میں روح اور جسم ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے متعلق بعضے حضرات کا خیال ہے کہ ان کے یہاں میرؔ کی جھلک ملتی ہے۔ انہوں نے اردو کی عشقیہ شاعری کے مفہوم اور نقطۂ نظر کو بھی اپنی شاعری میں بدلنے کی کوشش کی ہے۔

انہوں نے فارسی عربی کی روایات کے ساتھ ساتھ ہندوی تجربات کو بھی فکری سطح پر آزمایا بلکہ لسانی اعتبار سے بھی ایک وسیع سرمایہ تیار کیا۔

ان کی شاعری رومانیت اور عشق و عاشقی کا سنگم ہے۔ فراق جدید غزل کے معماروں میں شامل ہیں بلکہ ان کے اثرات جدید غزل پر کچھ زیادہ ہی ہیں۔

فراق کی شاعری میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کی امتزاجی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے

زندگی کیا ہے آج سے اے دوست
سوچ لیں اور اداس ہو جائیں

فراق نے تشبیہوں میں ندرت کا خاص لحاظ رکھا ہے۔ایک جگہ یوں فرماتے ہیں کہ ؎

طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تیری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

فراق بڑے شاعر تھے اور انہیں اس کا احساس بھی تھا ایک جگہ اپنی شاعری پر کچھ اس طرح فخر (Proud) کرتے نظر آتے ہیں ؎

میری ہر غزل کو یہ آرزو تجھے سج سجا کے نکالئے
میری فکر ہو تیرا آئینہ میرے نغمے ہوں تیرا پیرہن

مختصر یہ ہے کہ فراقؔ گورکھپوری اقبالؔ کے بعد سب سے بڑے شاعر ہیں یہی وجہ ہے کہ کلیم الدین احمد جیسے نقاد نے بھی کہا کہ ''میں فراق کو اردو غزل کا ایک اہم ستون تسلیم کرتا ہوں۔'' بلکہ یگانہؔ چنگیزی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ'' دنیا سے جاتے ہوئے غزل کو فراق کے ذمے کیے جا رہا ہوں۔''

الغرض فراقؔ گورکھپوری اقبال کے بعد سب سے بڑے شاعر ہیں۔

□ □ □

# اصغرؔ گونڈوی کی شاعری

اصغرؔ کی حیثیت ایک صوفی شاعر کی ہے وہ محض رسمی طور پر 'قال' کے صوفی نے تھے بلکہ 'حال' کے صوفی تھے۔رشید احمد صدیقی اصغرؔ گونڈوی کی شخصیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''مرحوم کا ذکر چھیڑتا ہوں تو بار باران کا کلام سامنے آجاتا ہے اور ان کے کلام کی طرف رجوع کرتا ہوں تو اصغرؔ صاحب..... ان کے کلام کو جسم و جان میں منتقل کیجئے تو اصغرؔ صاحب اور اصغر صاحب کو الفاظ و عبارت میں تحویل کیجئے تو ان کا کلام۔''

اس میں شک نہیں کہ ان کے کلام میں جا بجا غالبؔ کا سا نامکمل فلسفہ اور کہیں کہیں اقبالؔ کی سی قطعیت کی جھلک پائی جاتی ہے۔اصغرؔ غالبؔ و اقبالؔ کے طرز کلام سے متاثر ہیں اس لیے ان کے یہاں تحیُر بلند خیالی اور معنویت ہے لیکن بعض جگہ متصوفانہ فلسفہ طرازی نے شعریت کو دبا دیا ہے۔تصوف کے مضامین مقرر ہیں۔ان میں لطف صرف طرز بیان اور سوز اثر سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔انہوں نے حسن وعشق، مجاز وحقیت، جبر واختیار، کعبہ وبُت خانہ اور کفر وایما جیسے موضوع پر بار ہا قلم اُٹھایا ہے اور خوب خوب گلکاریاں کی ہیں ؎

عرش تک تو لے گیا تھا ساتھ اپنے عشق کو
پھر نہیں معلوم اب خود عشق کس منزل میں ہے

تصوف میں حقیقت اور مجاز دونوں کے ڈانڈے مل جاتے ہیں یہاں خیال کے ساتھ بیان کی تازگی و شگفتگی بھی قابل توجہ ہے حقیقت ومجاز سے متعلق اصغرؔ کے خیالات دیکھئے ؎

حل کرلیا مجاز و حقیقت کے راز کو
پائی ہے میں نے خواب میں تعبیر خواب کی

صوفیوں کا مشرب بہت وسیع ہوا کرتا ہے اس لیے اصغر بھی کعبہ و بُت خانہ کی حد بندیوں سے ایک قدم اور آگے بڑھانے کے متمنی ہیں

یہ دین و دنیا یہ کعبہ و بُت خانہ
اک اور قدم آگے اے ہمت مردانہ

صوفیوں کے لیے تصوف کا سب سے اہم مسئلہ عرفان الٰہی ہے۔اس کے بے شمار پہلو ہیں۔مذہب اسلام نے بھی عقائد میں توحید کو پہلی جگہ دی ہے۔لیکن صوفی کا تصور وحدت الوجود توحید کے عام تصورات سے بہت مختلف ہے اور کسی قدر پیچیدہ بھی۔وحدت الوجود کی اس پیچیدگی نے فلسفہ ہمہ اوست اور فلسفہ ہمہ از اوست کو جنم دیا۔

اس سے متعلق اشعار ہمیں کلام اصغر میں بھی ملتے ہیں

کس طرح حسن دوست ہے بے پردہ آشکار
صدہا حجاب صورت و معنی لئے ہوئے

ہستی وعدم سے متعلق اصغر کی شگفتہ بیانی دیکھئے

لو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے
فانوس کی گردش میں کیا کیا نظر آتا ہے

خواجہ احمد فاروقی نے کلام اصغر کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے مضمون ''اصغر کی شاعری'' میں درست کہا ہے کہ ''ان کے یہاں (کلام اصغر میں) شجر طور اور شیوۂ منصور کی تکرار تو ہے لیکن زبان اور لہجے میں وہ سوز وساز نہیں جو واقعیت کو بھی ماورائیت کا درجہ دے دیتا ہے۔

کلام اصغر کا اگر مطالعہ کیا جائے تو پتا چلے گا کہ اصغر کے یہاں تصوف سے زیادہ دلکش ان کا تغزل ہے۔ان کے تغزل کی بڑی خوبی وہ پاکیزگی اور سلیقہ مندی ہے جو صرف ان کا حصہ ہے۔ان کے کلام میں بقول خواجہ احمد فاروقی ''شیرینی بھی ہے ترنم بھی شوخی بھی ہے

اور سادگی و متانت بھی۔'' ان سب باتوں نے ان کے کلام میں ایک نئی انفرادیت پیدا کر دی ہے۔ان کا تصورِ حسن ملاحظہ ہو ؎

اس عارضِ رنگیں پر عالم وہ نگاہوں کا
معلوم یہ ہوتا ہے پھولوں میں صبا آئی

اصغرؔ کی نظر میں حسن و عشق ایک ہی سکّے کے دو پہلو ہیں یا پھر ایک رنگ ہے اور دوسرا بو۔اور اگر ایک برگِ گل ہے تو دوسرا زرِ گل۔ وہ نازِ حسن اور نیازِ حسن کے قائل نہیں بلکہ حسن و عشق کی باہمی کشش پر بہت زور دیتے ہیں اور عشق میں بھی حسن کا مشاہدہ کرتے ہیں ؎

محو ہے ذوقِ دید بھی جلوہ حسنِ یار میں
ایک شجاعِ نور ہے اب یہ نظر نظر نہیں

کلامِ اصغرؔ کی ایک اہم خصوصیت اس کا نشاطیہ رنگ و آہنگ ہے۔ان کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے کلیم الدین احمد نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ

''غالبؔ کا ایک رنگ فانیؔ کی شاعری میں نظر آتا ہے تو دوسرا اصغرؔ کی شاعری میں...... فانیؔ یاسیت کے امام ہیں اور اصغرؔ نشاط کے بادشاہ۔ اس لیے انہوں نے اپنے مجموعوں کا نام ''نشاطِ روح'' اور ''سرودِ زندگی'' رکھا ہے۔''

اصغرؔ نے شیوۂ فرسودہ آہ و فغاں کو ترک کر دیا ہے۔ان کی شاعری میں نشاط کا عنصر جزوِ لاینفک کی حیثیت رکھتا ہے۔انہوں نے اپنے کلام میں جابجا ایسے نقوش اُجاگر کیے ہیں جن سے ان کے شاعرانہ مسلک کی وضاحت پوری طرح ہوتی ہے۔شعرِ ذیل سے اس خیال کی تصدیق ہو جاتی ہے ؎

شعر میں رنگینیٔ جوشِ تخیل چاہئے
مجھ کو اصغرؔ کم ہے عادت نالہ و فریاد کی

ان کی شاعری میں حرکت و عمل کے عناصر بھی موجود ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ کلامِ اصغرؔ پر فکرِ اقبالؔ بھی واضح ہے ؎

یہاں کوتاہی ذوق عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

ان کے کلام کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ محاسن معنوی کے علاوہ ان کے یہاں بیان وبدیع کی خوبیاں اور صنعتیں بھی ملتی ہیں ۔

وہ موت ہے کہ کہتے ہیں جس کو سکون سب
وہ عین زندگی ہے جو ہے اضطراب میں

اسی طرح کلامِ اصغر میں لطیف تشبیہات اور استعارات کی مثالیں بھی ملتی ہیں ۔

جو مجھ پہ گزری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم
ٹپک رہا ہے مژگاں پر ستارۂ سحری

اصغر عصر حاضر کے شعراء میں ایک بلند مقام پر فائز ہیں۔ اصغر کی ان ہی خصوصیات نے کلیم الدین احمد کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ ''طرز ادا پختہ، سنجیدہ اور مترنم ہے۔ ہر لفظ نگینے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ اصغر کا لہجہ ہمیشہ بلند رہتا ہے۔ وہ کہیں عامیانہ رنگ اختیار نہیں کرتے بلکہ اپنا دامن پاک رکھتے ہیں۔''

غرض کہ اصغر گونڈوی شاعری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

□ □ □

# مجروح سلطان پوری

مجروح سلطان پوری روایتی غزل کے شاعر نہیں ہیں۔انہوں نے جہاں غزل کو نئے انداز سے آشنا کیا وہیں غزل کی مریضانہ ذہنیت کو دور بھی کیا۔ان کی غزل کا لہجہ بیباک ہے مجروح کی غزل گوئی کا خمیر روایتی اور کلاسیکی تغزل سے اٹھا انہوں نے یہ ثابت کردیا کہ ہر طرح کے ترقی پسندانہ خیالات کے لیے غزل ایک کامیاب صنف سخن ہے۔

مجروح سلطان پوری کی غزلوں کے حُسن کے متعلق یعقوب یاور یوں رقم طراز ہیں کہ

''منظر نگاری تصویر کشی مرقع نگاری نے غیر معمولی اضافہ کردیا ہے،
ان کے اشعار میں نغمگی ہے جو ہمارا دل اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔''

پہلے بھی تیز رو تھے پہ اس دل نشیں کے ساتھ
یہ چشمِ نم یہ مستی رفتار دیکھنا

مجروح سلطان پوری کے یہاں چُست بندشوں اور دلکش ترکیبوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ غزل کے نبض شناس ہیں ان کے یہاں بھی ندرتِ طبع قدرتِ اظہار کا پتا ملتا ہے۔اس حوالے سے ایک شعر دیکھیں ؎

شبِ انتظار کی کشمکش یہ نہ پوچھ کیسے بسر ہوئی
کبھی اک چراغ جلادیا کبھی اک چراغ بجھا دیا

مجروح سلطان پوری روایات کے منکر بھی نہیں مگر پھر بھی اس میں اپنی انفرادیت قائم رکھنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ اس حوالے سے کہتے ہیں ؎

ہم روایات کے منکر نہیں لیکن مجروح
سب کی اور سب سے جدا اپنی ڈگر ہے کہ نہیں

غرض کہ مجروح سلطان پوری نے اپنی انفرادیت قائم کی ہے لہٰذا ان کا نام غزل کے حوالے سے ہمیشہ لیا جائے گا۔

□ □ □

rekhta

# نظیرا کبرآبادی کی شاعری

نظیرا کبرآبادی درویش صفت انسان اور متواضع طبیعت کے حامل تھے۔انہوں نے زندگی اوراس کے نیرنگیوں کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا تھا۔

انہوں نے جس چیز کا منظر بھی کھنچا ہے اس کے ساتھ ساتھ تمام جزئیات کو بھی بیان کیا ہے۔نظیر صحیح معنوں میں پہلے عوامی شاعر ہیں جنہوں نے خالص ہندستانی رنگ و آہنگ کو ایک ایسے زمانے میں اپنایا جس زمانے میں پوری اردوشاعری پر فارسی کے اثرات غالب تھے۔اردوشاعری میں زندگی اور خارجی دنیا کی صحیح نمائندگی کا آغاز ان کی ہی شاعری سے ہوا۔انہوں نے ہی اردوشاعری کو جمہوری مزاج عطا کیا اور عام انسان کی زندگی کو اپنے فن کی اساس بنایا۔

نظیرا کبرآبادی کو شیفتہ اور محمد حسین آزاد نے اپنے اپنے تذکروں میں لانا گوارہ تک نہ کیا لیکن آج کا نقاد نظیرا کبرآبادی کو نظم نگاری کا امام قرار دیتا ہے۔

نظیرا کبرآبادی نے بہت ساری ایسی نظمیں کہی ہیں جن سے اعلا اخلاقی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔کلجگ کا شعر ملاحظہ ہو ؂

میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے

انہوں نے اپنی نظم ''آدمی نامہ'' میں انسان کی مختلف خصلتوں کا بیان کچھ اس طرح کیا ہے ؂

پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں
اور آدمی ہی ان کی چُراتے ہیں جو تیاں

ہندستان کے کسی زبان کا کوئی شاعرایسا نہیں جس کی شاعری سے ایکتا بھائی چارہ قومی یکجہتی کی تعلیم ویسی ملتی ہو جیسی نظیر کی شاعری سے ملتی ہے۔

انہوں نے علامتی نظمیں بھی پیش کی ہیں انہیں الفاظ کے استعمال اور انتخاب پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی انہوں نے تشبیہ اور استعارہ کا انتخاب بڑی ہی چابک دستی سے کیا ہے۔ یہ واضح رہے کہ نظیر نے عوامی زندگی کے ہر پہلو کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور عوام کے ہر دل عزیز شاعر کہلائے۔ ان کے متعلق نیاز فتح پوری لکھتے ہیں کہ

> ''نظیر اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ہندوستان کا عجیب وغریب شاعر تھا جس میں کبیر کے اخلاق اور خسرو کی ذہانت کا دلکش امتزاج پایا جاتا تھا لیکن افسوس ہے کہ وہ بہت قبل از وقت پیدا ہوا۔ وہ اس زمانے کا شاعر تھا اور اس زمانے میں اُسے ہونا چاہئے تھا۔''

مختصر یہ ہے کہ نظیر اکبرآبادی کی نظم گوئی قابل قدر اور مسلّم ہے۔

# اکبرالہ آبادی کی شاعری

اکبر کی شاعری ان کے عہد اور ان کے ماحول کا آئینہ ہے۔ بقول کلیم الدین احمد ''اکبر کی شاعری اپنے عہد کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔'' یہ وہ زمانہ تھا جب دو مختلف تمدن میں زبردست تصادم ہو رہا تھا۔ اسلامی تمدن کے شیرازے بکھرنے لگے تھے اور انگریزی تمدن اپنے دلفریبی کا سکہ لوگوں پر جما رہا تھا۔

اکبر اسلامی تمدن اور اس کے نظام کے پرستار تھے وہ انگریزی تہذیب و تمدن کے یلغار کو تنہا روکنا چاہتے ہیں ان کی باریک نگاہیں دشمن کی کمزوریوں کو دیکھ لیتی ہیں اس لیے جب مولانا الطاف حسین حالی یہ کہتے ہیں ؎

بدل جائے زمانہ تو بدل جاؤ
زمانہ ہاتھ سے جانے نہ پائے

تو اکبر ان پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ؎

پہن لے سایہ مری جان اُتار شلوار
زمانہ نو بہ نو ساز تو بہ زمانہ ساز

اکبر شبلی ہی کی طرح پرانے نظام کو اچھا سمجھتے تھے اور سرسید کی مخالفت بھی صرف اسی لیے کی کہ سرسید ہر قیمت پر مغربی قوموں کے دوش بدوش اپنی قوم کو لانا چاہتے تھے

اکبر مشرقی تہذیب اور تمدن کے عاشق ہیں اس لیے وہ نئی تہذیب کی ترویج میں تخریب کے آثار پاتے ہیں ؎

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پر ہے جاں مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں

وہ مذہب تہذیب اور روایات کا تحفظ چاہتے ہیں اس لیے ماضی سے اپنا رشتہ توڑنا نہیں چاہتے۔

اک برگِ مضمحل نے یہ اسپیچ میں کہا
موسم کی کیا خبر نہیں اے ڈالیوں

اچھا جواب خشک یہ ایک شاخ نے دیا
موسم سے باخبر ہوں تو کیا جڑ کو چھوڑ دوں

اکبر جڑ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ وہ سچے مذہبی تھے اور مذہبی ہونا کوئی جرم کی بات بھی نہیں۔

ہم نشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
لیکن کہتا ہوں بھائی یہ گیا تو سب گیا
درخت جڑ پہ ہے قائم تو استوار بھی ہے
کبھی خزاں ہیں اور اس پر کبھی بہار بھی ہے

اکبر تصور پرست نہیں حقیقت پسند تھے وہ زندگی کو مجموعی طور پر دیکھتے تھے۔اس رائے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے یہاں سنجیدگی نہیں ہے اکبر کی تنگ دامنی ان کا نقش ہے کیونکہ اکبر کا آرٹ مختصر تصویریں بنانے کا ہے اور ہر تصویر حسین بھی ہے اور موثر بھی۔ وہ ایسے اشعار تراشتے ہیں جو نشتر کی طرح دلوں میں چبھتے ہیں۔

اکبر میں نکتہ سنجی اور ان کے تخیل میں تیز پردازی بھی ہے وہ آسانی سے ایسے مضامین تک پہنچ جاتے ہیں جس کا کسی کو وہم وگمان تک نہیں ہوتا وہ معمولی سی بات کو غیر معمولی بنا کر پیش کرتے ہیں اور کبھی کسی دور افتادہ نکتے کو نہایت سہولت سے بیان کرتے ہیں۔

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ سرسید عورتوں کی تعلیم اور جدید انگریزی تعلیم کے حامی تھے اور اکبر کو یہ باتیں قطعی گوارا نہ تھیں۔عورتوں کی بے پردگی مغربی تہذیب اور جدید طرز تعلیم اکبر کے دل پر چوٹ کرتی تھی۔آزادیٔ نسواں کے بالکل مخالف تھے وہ کہتے ہیں کہ

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمعِ انجمن پہلے چراغِ خانہ تھی

اسی طرح نئی تہذیب اور نئی تعلیم پر اس طرح چوٹ کرتے ہیں ۔

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

عورتوں کی آزادی اور ان کی تعلیم کے حوالے سے اکبر یوں گویا ہیں ۔

ان سے بیوی نے فقط اسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

اکبر کے کلام میں خالص طنز، ظرافت آمیز طنز اور خالص ظرافت تینوں کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں۔ ان کی ظرافت اور ان کے طنز کے خاص رنگ کو دیکھیں ۔

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جاکر

اکبر الہ آبادی اپنی وضع پر قائم رہ کر دنیا کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کی تلقین بھی کرتے ہیں ۔

تو اپنی وضع پر قائم رہ، فطرت کی مگر تحقیر نہ کر
دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر

مختصر یہ کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ان کے کلام کی سادگی سلاست روانی اور برجستگی مطالعہ پر مجبور کرتی ہے اور اب تک اردو شاعری میں اکبر کے بعد اس پایہ کا کوئی دوسرا طنز و مزاح کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ الغرض وہ ایک منفرد شاعرِ طنز و مزاح کی حیثیت سے مسلّم ہیں۔

# جوش ملیح آبادی کی شاعری

حسن پرستی خود پسندی انانیت اور سیمابیت جیسی جاگیردارانہ نظام کی خصوصیات انہیں ورثہ میں ملی تھیں جن کا اثر اُن کی شاعری میں نظر آتا ہے۔

جوشؔ حسن پرست فطرت کے مالک تھے اور اسی طبیعت نے انہیں عشقیہ نظمیں لکھنے پر اُکسایا تو دوسری طرف انقلاب پسند باغی فطرت نے باغیانہ نظموں کی طرف متوجہ کیا۔

جوشؔ کی نظموں میں سرشاری اور سرمستی ضرور ملتی ہے لیکن ان کے عشق کی اہمیت کچھ زیادہ نہیں ہے کیوں کہ ان کی شخصیت عشق کی آگ میں تپی نہیں ہے۔

جوشؔ کی کچھ ایسی انقلابی نظمیں ہیں جو قاری کے دلوں پر اپنا نقوش چھوڑ جاتی ہیں جہاں وہ جذبات کو قابو میں رکھ سکے ہیں اور جوشِ بیان میں مشتعل نہیں ہوئے ہیں۔ ''مساوات'' ''ہمدردی'' ''غریبوں کی اشک سوئی'' جیسی نظمیں اعلیٰ قدروں کی حامل ہیں اور کچھ نظمیں طنزیہ بھی ہیں جسے خلیل الرحمٰن اعظمی نے بھی پسند کیا ہے۔ جوش کی شاعری کا ایک پہلو جو ہمیں خاص طور سے متاثر کرتا ہے وہ ان کی منظر نگاری ہے۔

جوشؔ شاعرِ انقلاب اور شاعرِ شباب ہونے کے ساتھ ساتھ شاعرِ فطرت بھی ہیں اور پیغمبرِ فطرت بھی۔ ''البیلی صبح'' میں وہ صبح کی منظر کشی کچھ اس طرح کرتے ہیں ؎

نظر جھکائے عروسِ فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارہ ہے زلزلے میں افق کی لو تھرتھرا رہی ہے

جوشؔ کو فطرت کی ہر شی میں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ''برسات کی شفق'' میں یوں لکھتے

ہیں ؂

یہ سنہری دھاریاں نیلم کے یہ نقش و نگار
یہ زمردی چٹانیں یہ طلائی آبشار

جوشؔ کی مرقع نگاری مندرجہ ذیل دو اشعار میں دیکھیں ؂

بے چین تھیں ہوائیں بادل تھا ہلکا ہلکا
بھیڑیں چرا رہی تھیں دوشیزگان صحرا
کچھ لڑکیاں چنے کے کھیتوں میں گا رہی تھیں
کچھ پھول چن رہی تھیں کچھ ساگ کھا رہی تھیں

جوشؔ کی شاعری کے کچھ امتیازات ہیں تو وہیں کچھ عیوب بھی جیسے ان کا تصورِ عشق سطحی ہے ان کے یہاں فکر و فلسفیانہ بصیرت کی کمی ہے ان کی نظموں میں فنی کمی ہے لیکن ان تمام عیوب سے قطعِ نظر جوشؔ ایسے شاعر ہیں جنہوں نے میر انیسؔ کے بعد اردو شاعری کو خزانۂ الفاظ سے سب سے زیادہ نوازا ہے۔

مختصر طور پر کہہ سکتے ہیں کہ 20/ویں صدی کے عظیم اردو شاعروں جوش بھی ہیں، جنہوں نے اردو نظم کو مرتبۂ کمال تک پہنچا دیا۔

❑ ❑ ❑

# فیض احمد فیضؔ کی شاعری

فیض احمد فیضؔ ترقی پسند شاعری کا ایک بڑا نام ہے۔ ان کی شاعری نظریاتی اعتبار سے اشتراکیت پسندانہ شاعری ہے جو موضوع کے اعتبار سے انقلاب و رومان کی شاعری کہی جاتی ہے۔ فیض احمد فیض گرچہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں لیکن ان کے کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں غزل کی زبان پائی جاتی ہے۔ ان کی نظمیں سیال ہیں اور غزلیں مسلسل، لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ اس آمیزش سے ان کے یہاں فنی ہیئت کمزور نہیں ہوئی ہے بلکہ ایک خاص ارتقائی صورت نکل آئی ہے۔ فیضؔ کے یہاں رومانیت اور حقیقت کا خوبصورت امتزاج بھی ایک قابلِ قدر وصف ہے۔ ایک ترقی پسند شاعر کی حیثیت سے ان کے کلام میں اعتدال اور سنجیدگی کی خوبیاں اُسے ممتاز بناتی ہیں۔ فیضؔ کے یہاں یہ خصوصیت بھی ملتی ہے کہ اُن کی انقلابی شاعری گھن گرج کا شکار نہیں ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ فیض کے کلام میں تشبیہ کا حسن بھی اُسے مقبول اور بلند شعری مرتبہ عطا کرتا ہے اور اس کے بول بڑے پیارے اور معصوم نظر آتے ہیں ؎

سرخ ہونٹوں پر تبسم کی ضیائیں جس طرح
یاسمن کے پھول ڈوبے ہوں مئے گلنار میں

حقیقت یہ ہے کہ فیض کی شاعری کا کینوس بہت ہی وسیع ہے اور اس میں ہمارے دور کے تمام حوصلے تمام اُمیدیں تمام حسرتیں اور تمام آرزوئیں سمٹ آئی ہیں فیض نے اپنے احساس کی شدت اپنی مخصوص شخصیت اور اپنے تجربات و مشاہدات کی گہرائی کو اس طرح اپنی شاعری میں ڈھال دیا ہے کہ اُس کی آواز ہمیں اپنے دل اور اپنے ہی دور کی آواز معلوم

ہوتی ہے۔فیض کے یہاں کلاسیکی شاعری کا رچاؤ اور عہدِ جدید کی فکری وفنی تازگی دونوں ہی ایک خاص توازن کے ساتھ پائی جاتی ہے۔فیض کی شاعری میں وطن کی محبت اور سچی سماجی اور معاشرتی و معاشی آزادی کی تڑپ ملتی ہے۔ ان کی نظم ''صبحِ آزادی'' ایک کامیاب اور نمائندہ نظم ہے جس میں ایمائیت نے پائیدار تاثیر پیدا کر دی ہے جس سے شاعر کے خلوص کا بھی پتا چلتا ہے۔

یہ داغ داغ اُجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا ، یہ وہ سحر تو نہیں

فیض کی شاعری میں شکستگی اور حوصلگی کے مختلف انداز اور تصور و حقیقت کی متضاد کیفیتیں ملتی ہیں لیکن یہ شاعر کا خلوص اور والہانہ پن ہے جس نے ان کیفیات کو شاعری میں دولخت نہیں ہونے دیا ہے۔

شاعری میں رومانویت فیض ہی کا حصہ ہے انہوں نے جو الفاظ وتراکیب لایا ہے اس میں سوؔدا کے جیسی شوکتِ لفظی اور استحکام ہے بھی لیکن اُن کے یہاں جو لہجہ ملتا ہے وہ اپنے سوز وگداز میں میرؔ کی شاعری سے قربت کا احساس دلاتا ہے۔فیض کی شاعری میں رازداری کے بول ہیں، انقلاب کی بات ہے لیکن انقلاب کا لہجہ نہیں ہے۔

فیض کے کلام میں اجتماعی تجربات کا ادراک آفاقی صداقت بن کر سامنے آتا ہے۔ ان کا طرزِ بیان سہلِ ممتنع کا نمونہ پیش کرتا ہے اور اس کے اکثر شعری اظہارات وتراکیب کہاوتوں کا درجہ پا لیتے ہیں۔ فیض کی شاعری میں سے شیشوں کا مسیحا، یہ داغ داغ اُجالا، متاعِ لوح وقلم اور بول کہ لب آزاد ہیں تیرے جیسے الفاظ وتراکیب ضرب المثل اور مقبول بن چکے ہیں۔

ہم پر ورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

اگرچہ فیض کے یہاں کچھ فنی اور عروضی غلطیاں بھی ہیں اسی طرح ارتکاز اور قوت و

وضاحت کی کمی بھی ہے۔ تخیل میں بلندی، مواد میں فراوانی اور فکر میں اقبالؔ جیسی تنظیم نہیں ہے۔ فیضؔ کا سیاسی موضوع محدود ہے۔ نظم میں فنی اعتبار سے ڈھیلا پن، زیادہ لفظوں میں کم باتیں کہنے کا عیب، ابہام اور استعارہ کی بہتات ہے اس کے باوجود بھی فیضؔ کی حیثیت مسلّم اور ثابت شدہ ہے۔

□ □ □

# میرا جی

جدیدیت کے علم برداروں میں میرا جی کا نام آتا ہے، انہیں جدید نظم کا موجد بھی گردانا جاتا ہے ان کی حیثیت ایک بڑے شاعر کی ہے انہوں نے سب سے پہلے شاعری میں جدید امکانات کی دریافت کی وہیں انہوں نے قدیم شاعری کی روایات سے انحراف کیا ساتھ ہی ساتھ اردو شاعری میں نظم نگاری کے جدید عناصر شامل کیے۔

میرا جی نے جلد ہی ملکی پیمانے پر شہرت حاصل کرلی انہوں نے بالکل نئی اور منفرد آواز لے کر اردو شاعری میں قدم رکھا، انہوں نے جدید شاعری کے اصول بھی وضع کیے اور انہوں نے ہی سب سے پہلے اردو شاعری میں ابہام اور علامت نگاری کا تجربہ کیا۔

آزاد نظم نگاری میں باغی شاعر اگر کوئی ہے تو وہ میرا جی ہے چنانچہ ان کے متعلق وقار عظیم لکھتے ہیں کہ ''نئی شاعری کے سب سے زیادہ بدنام رکن ہیں اور اس بدنامی میں ان کی شاعری کی ہیئت اور اس کے موضوع دونوں چیزوں کا برابر حصہ ہے، ان کے یہاں بغاوت ملتی ہے۔'' ان کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں کہ ''میرا جی کی شاعری اردو شاعری کی تاریخ میں منفرد ہے'' ......

میرا جی کے فکر وفن کے نمایاں ترین تین پہلو ہیں (1) جنسی فعل اور اس کے متعلقات کا بیان (2) نظموں میں ابہام کی کارفرمائی (3) آزاد نظم کی ہیئت کا استعمال۔

میرا جی نے آزاد اور پابند دونوں طرح کی نظمیں پیش کی ہیں انہوں نے مغربی آزاد نظم کی تکنیک سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اردو کو بہت ساری نظمیں دیں، ان کی ایک نظم ' بندی

جوان''، جس میں وہ کہتے ہیں کہ ؎

چار ہاں چار فقط چار قدم
فاصلہ مجھ سے ہے ترے جسم کا ہے

انہوں نے گیت کو بھی نئے سرے سے آزمایا، میراجی عاشقی اور ہوس پرستی کو ایک ہی شئی سمجھتے ہیں، ان کی نظموں میں ہوس پرستی کا درس ملتا ہے جو ہماری تہذیب کے شایانِ شان نہیں پھر بھی ان کے تجربات شعری کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا مگر ان کے دیئے گیے اسباق کو نہ ماننے میں ہی ہماری بھلائی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ میراجی کی شخصیت جدید نظم نگاری کے حوالے سے اہم ہے۔

□ □ □

# اختر الایمان کی شاعری

اختر الایمانؔ کی شاعری کا آغاز اس وقت ہوا جب ن۔ م راشدؔ، میراجیؔ اور فیضؔ جیسے شعرا کی معتبر اور توانا آوازیں اردو نظم کی دنیا میں گونج رہی تھیں۔ اختر الایمانؔ نے ان تینوں کی پیروی بھی کی اور اپنی انفرادیت کا نقش بھی جمایا۔ ان کی نظموں میں ان کے عہد کے تمام مسائل، اخلاقی اور مذہبی قدروں کا زوال معاشرے کا بکھراؤ، بھری انجمن میں انسان کی تنہائی اور بے بسی، غیر یقینی مستقبل کا خوف سبھی کچھ نظر آتا ہے جو ماضی کی یاد اور کسک بن کر ان کی شاعری کے بڑے حصے پر چھائی ہوئی ہے۔

وہ مسجد کے حوالے سے مذہب کے زوال کی داستان اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

ایک ویران سی مسجد کا شکستہ سا کلس
پاس بہتی ہوئی ندی کو تکا کرتا ہے
اور ٹوٹی ہوئی دیوار پہ چنڈول کوئی
مرثیہ عظمتِ رفتہ کا بڑھا کرتا ہے

انسان کے لرزتے ہاتھوں نے مذہب کا دیا روشن تو کر دیا مگر انسان اس کی نگہداشت سے قاصر رہا اور جب اس کی حیثیت ایک لاشئی بے جان کی سی رہ گئی تو کسی کو یہ توفیق بھی نہ ہوئی کہ اس کی آخری رسوم ادا کر دے نتیجتاً یہ ایک بے وارث لاشوں کی طرح پڑا ہوا ہے ؎

ایک میلا سا اکیلا سا فسردہ سا دِیا
روز رعشہ زدہ ہاتھوں کہا کرتا ہے
تم جلاتے ہو کبھی آ کے بجھاتے بھی نہیں

اختر الایمان کے شعری طریقِ کار میں ایک بات خاص طور پر لائق توجہ ہے وہ یہ کہ انہوں نے خارجی مشاہدات و تجربات کو بھی اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے اسی طرح داخلی واردات اور ذاتی کیفیات کو بھی۔ لیکن دونوں طرح کے موضوعات نے جو تخلیقی پیکر اختیار کیا ہے وہ اپنے رنگ و آہنگ لب ولہجہ اور اثر و تاثیر کے اعتبار سے ایک جیسا ہے وہ خارجی مشاہدات اور تجربات کو اسی وقت نظم کے پیکر میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں جب وہ ان کے داخلی محسوسات ان کے شعری وجدان اور تخلیقی شخصیت سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اختر الایمان کی نظمیں ایک طرف سچی اور پُر خلوص شاعری کا نمونہ ہیں تو دوسری طرف اپنے دور کے عمومی احساسات اور ارتعاشات کی کامیاب مصوری بھی۔

اختر الایمان نے اپنی مختصر اور طویل دونوں طرح کی نظموں میں یہ خصوصیت برتی ہے کہ وہ ایسی عام فہم واضح اور شفاف ہوں اور ان کو ایسے پسِ منظر میں اُبھارا جائے کہ ان سے ایک عام قاری بھی حسب توفیق لطف اندوز ہو سکے اور دوسری طرف ان میں ایسی رمزیت اور بلاغت ہو کہ وہ اپنے دور کی ہمہ گیر حقیقتوں اور وسیع تر صداقتوں کا احاطہ کر سکیں۔

اختر الایمان کی نظم ''یادیں'' بھی کیا خوب ہے! دیکھئے ؂

یہ بالک آج بھی حیراں میلہ جوں کا توں ہے لگا
حیراں ہے بازار میں چپ چاپ کیا کیا بکتا ہے سودا
کہیں شرافت کہیں نجابت کہیں محبت کہیں وفا
آل اولاد کہیں بکتی ہے کہیں بزرگ اور کہیں خدا

اختر الایمان وقت کی بادشاہت کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کی بہت سی نظموں میں اس کا اعتراف پایا جاتا ہے اس کے جبر کو انہوں نے اپنی ذاتی زندگی میں بھی بہت اچھی طرح دیکھا اور اس کے ظلم سہے شاید ''جمود'' میں یہی کرب نمایاں ہے۔ دیکھئے ؂

دل پہ انبار ہے خوں گشتہ تمناؤں کا
آج ٹوٹے ہوئے تاروں کا خیال آیا ہے

ایک میلہ ہے پریشان سی اُمیدوں کا
چند پژ مردہ بہاروں کا خیال آیا ہے
پاؤں تھک تھک کے رہے جاتے ہیں مایوسی میں
پُر محن راہ گزاروں کا خیال آیا ہے

یہ بات بھی یادرر کھنے کی ہے کہ ان کی ابتدائی زمانے کے کلام میں زیادہ ترنم اور نغمگی پائی جاتی ہے جس میں آگے چل کر نمایاں کمی ہوتی چلی جاتی ہے اور ڈرامائی عنصر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔رمزیت ایمائیت اور علامت سازی اختر الایمان کی نظموں کا خاصہ ہے ایسی نظموں کی تعداد بھی ان کے یہاں کم نہیں جو بار بار پڑھنے اور غور کرنے کے باوجود سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ بعض نقادوں کا تو کہنا بھی ہے کہ شاعری ہر کس و ناکس کے آگے اپنے چہرے سے نقاب نہیں اُٹھاتی۔

وزیر آغا نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ''تاریک سیارہ'' سے اختر الایمان کے یہاں ایک تبدیلی نمودار ہوتی ہے۔سماجی مسائل کی طرف ان کی توجہ بڑھ جاتی ہے اور اظہار میں فلسفیانہ انداز بیاں ہو جاتا ہے اب وہ پرانی پُر اسرار فضا باقی نہیں رہتی۔استدلالی اسلوب رمزیت وایمائیت کی جگہ لے لیتا ہے۔اب ایک اکھڑی اکھڑی سی کیفیت اور کھردرا پن پیدا ہوجاتا ہے۔دراصل وہ اپنے اِردگرد کی زندگی کو جیسا بے کیف پاتے ہیں اس کو ویسے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ قاری کے دل میں اس ماحول کے خلاف ایک طرح کی نفرت اور کراہیت پیدا ہوجائے۔مندرجہ ذیل مثال سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے ؎

ساری ہے بے ربط کہانی، دھندلے ہیں اوراق
کہاں ہیں وہ سب جن سے جب تھی پل بھر کی دوری بھی شاق

مختصر یہ کہ مکمل تکنیک کی تلاش، طرز بیان میں ایجاز واختصار اور اپنے خیال یا تاثر کو حد درجہ مکمل طریقے پر بیان کرنے کی کوشش وجستجو میں اختر الایمان پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔

# مخدوم محی الدین

مخدوم محی الدین کو محنت کشوں کا شاعر کہا جاتا ہے۔ انہیں فیضؔ کے بعد ترقی پسند شعرا میں سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے، انہوں نے اپنی شاعری کا آغاز عشقیہ اور انقلابی جذبات کے ساتھ کیا، ان کی بیشتر نظمیں سیاسی ہیں شاید اس وجہ سے کہ وہ آندھرا پردیش اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر رہتے، انہوں نے بہت ہی کم شعری سرمایہ اردو کو دیا ہے۔ ان کی شاعری میں صرف حالات کا بیان نہیں بلکہ اس میں گہرائی کا بھی ہمیں احساس ہوتا ہے، انہوں نے جو بھی کہا تر و تازہ کہا۔ گھسی پٹی چیزوں سے اپنے دامن کو بچائے رکھا۔ ان کی ابتدائی نظموں میں فنی پختگی کم ہے مگر 'گلِ تر' کے بعد لکھی جانے والی نظموں میں فنی پختگی اور تازگی کا پورا پورا احساس ہوتا ہے، ان کی ایک نظم ''بلور'' ہے۔ ان کے چند مصرعوں کو دیکھئے ؎

منور خموشی کے بلور جھونکے
کلی چٹکی آواز کے پھول مہکے
کئی نور کی انگلیاں جگمگائیں
اندھیرے کے پردے ہلے ساز چونکے

انہوں نے اپنی شاعری کے تمام چھوٹے بڑے سیاسی و سماجی مسائل کو اپنی نظموں کا

''راشدؔ اور میراجی کی طرح مخدوم کی نظموں میں نفسیاتی الجھنوں
لاشعور کی گتھیوں اور شکست وخوردگی کے جذبات کو نظم نہیں کیا گیا ہے
بلکہ اسے فکر کی تابانی اور حوصلہ کی جلوہ سامانی بھی عطا کی گئی ہے۔''

ان کے یہاں سیاسی اور رومانی دونوں طرح کی نظمیں ملتی ہیں۔ یاد رہے کہ ان کی ابتدائی شاعری رومانی تھی۔ بعد میں انہوں نے صرف سیاسی شاعری کی مگر لہجہ ہمیشہ حقیقت پسندانہ رکھا۔ غرض کہ مخدوم محی الدین اپنی شناخت ہر حال میں قائم رکھتے ہیں۔

□ □ □

# میر انیسؔ کی مرثیہ نگاری

اردو مرثیہ اور میر انیس ہم معنی الفاظ لگتے ہیں۔ میر انیسؔ کا ذکر چھڑے اور اردو مرثیہ درمیان میں نہ آئے ناممکن ہے۔

اردو میں مرثیہ نگاروں کی فہرست زیادہ طویل نہیں جو ادبی شخصیات اس صنف سے پوری طرح جڑے ہوئے ہیں ان میں دو نام سرفہرست ہیں ایک میر انیسؔ اور دوسرے مرزا دبیرؔ۔ میر ضمیرؔ میر فصیحؔ اور میر خلیقؔ کے بعد میر انیسؔ اور مرزا دبیر دو نام ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے مرثیہ نگاری کو عروج کمال تک پہنچا دیا۔

میر انیسؔ کے مرثیوں میں جذبات نگاری کے مختلف النوع نمونے نظر آتے ہیں۔ ان جذبات میں مختلف احساسات کی کشمکش رونما ہوتی ہے یعنی کہیں محبت اور حیا کہیں فرض و محبت آپس میں دست و گریباں نظر آتے ہیں۔ انیس نے اپنی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے ان ملے جلے جذبات کے مجموعی تصورات کو نہایت ہی حسن و خوبی سے پیش کیا ہے۔ مدینہ سے امام سفر کے لیے تیار ہیں۔ صغریٰ بھی ساتھ جاتی ہیں لیکن اجازت نہ ملنے پر مجبور ہو کر سب سے رخصت ہوتی ہیں جناب شہر بانو اصغر کا ہاتھ ماتھے پر لے جا کر کہتی ہیں کہ لو علی اصغر تمہیں سلام کرتے ہیں اس پر جناب صغریٰ جو درد بھرے الفاظ کہتی ہیں انہیں سن کر بھی رونے لگتے ہیں جس منظر کو انیس نے یوں پیش کیا ہے

سب بی بیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
چھاتی سے لگا کر اُسے کہنے لگے شبیر

لو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر
منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے یہ آنسو نکل آئے

مندرجہ بالا بند میں باپ کے حکم کے آگے ایک لڑکی کی بے بسی مایوسی اور صبر کی بڑی فنکارانہ پیشکش ہے۔ جذباتی کشمکش کی جو تصویر انیس نے پیش کی ہے وہ ان کے فنی مہارت کا ثبوت ہے۔

انیس کے مرثیوں میں واقعہ نگاری کے متعلق کلیم الدین احمد لکھتے ہیں کہ

''انیس واقعہ نگاری میں کمال رکھتے ہیں۔ انسانی کردار، افعال خصوصاً جنگ و نزع کو نہایت جوش و صفائی سے بیان کرتے ہیں۔ کہیں کوئی شئے مبہم و تاریک نظر نہیں آتی۔ ہر تفصیل روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ انسانی افعال ساکن ہوں یا متحرک وہ ہر دو رُخ کی تصویر یکساں کھینچتے ہیں۔ واقعیت کی بجنسہٖ نقل نہیں کرتے بلکہ اپنے تخیل سے ان میں رنگ بھرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ بے جا نہیں ہے کہ ان کی نقاشی سے مانی و بہزاد دنگ ہیں۔ یہ محض شاعرانہ تعلی نہیں کہ خون برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ۔''

حضرت عباسؑ کی رخصت کا واقعہ میر انیس نے یوں بیان کیا ہے ؎

باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینب سر جھکائے
تھرّا رہی ہے زوجۂ عباس نامور
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر
مانع ہے شرم روتی ہے منہ پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہے نہ بول سکتی ہے
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

یہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ مرثیے کے کردار تاریخی ہیں یہاں مرثیہ نگار کرداروں کی تلاش میں اِدھراُدھر نہیں جاتا اور نہ ہی وہ آزاد ہے یہی وجہ ہے کہ مرثیہ میں عموماً کردار نگاری کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔

حق وصداقت کے سب سے بڑے علم بردار امام حسینؑ کا کردار مرثیہ میں سب سے اہم ہے۔ کربلا کے آخری شہید ہونے کی وجہ سے یہ اور بھی اہم ہیں جب وہ اپنی چھوٹی بچی سکینہ کو سمجھاتے ہیں تو ان کے لہجہ اور انداز میں باپ کی محبت الفاظ سے جھلکتی ہے

حضرت نے کہا میں تری آواز کے قرباں　　اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو میری جاں
غربت کہاں راحت کا ساماں　　بن باپ کے تم کو نہیں چین کسی آں
اچھی نہیں عادت یہ ، نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

مرثیہ میں جنگ کے بیان کی بڑی اہمیت ہے۔ مرثیہ کا دارومدار اسی پر ہے اس کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے مثلاً میدانِ جنگ کا ماحول آمد ورجز تلوار کی تعریف گھوڑے کی تعریف اور جنگ۔

میدانِ کارزار کا ایک منظر ملاحظہ ہو

نعرے تھے کہ حیدرؓ کے دلبروں سے دغا ہے
گھوڑے بھی بھڑکتے تھے کہ شیروں سے دغا ہے

میر انیسؔ نے اپنے مرثیوں میں صبح کا سماں بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے اور ہر منظر میں حقیقی رنگ دکھانے کی کوشش کی ہے

طے کر چکا جو منزل شب کاروانِ صبح　　ہونے لگا افق سے ہو یدا نشان صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح　　ہر سو بلند ہوئی صدائے اذان صبح
پنہاں نظر سے روئے شب تار ہو گیا
عالم تمام مطلع انوار ہو گیا

میر انیس کے متعلق ڈاکٹر اعجاز حسین لکھتے ہیں کہ

''مناظرِ قدرت کے بیان کرنے میں انیس کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ دریا جنگل صبح شام دوپہر وغیرہ کا سماں الفاظ سے ایسا کھینچتے ہیں کہ مصور کا قلم بھی ایسی کیفیت اور نمونہ پیش کرنے سے عاری ہے۔''

میر انیس کی دیگر خوبیوں کے علاوہ جس چیز نے مرثیہ میں خاص اثر پیدا کیا ہے وہ میر انیس کی صاف شستہ اور بامحاورہ زبان ہے۔ زبان کی درستگی محاورات کی دل آویزی اور مضمون کی رنگارنگی پڑھنے والے کی طبیعت کو بوجھل نہیں ہونے دیتی۔

مختصر یہ کہ انیس کا کلام اپنی فصاحتِ زبان اور ندرتِ بیان کے لیے مشہور ہے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ میر انیس نے مرثیہ نگاری کے تعلق سے اردو ادب کی جتنی بھی خدمات کی ہیں ان کا اعتراف ہر دور کرے گا۔ شعروادب کی تاریخ میں میر انیس کا نام و مقام ہمیشہ زندہ اور بلند رہے گا جس کا خود انہیں بھی احساس تھا

میری قدر کر اے زمینِ سخن
تجھے بات میں آسمان کر دیا

□ □ □

# سوؔدا کی قصیدہ نگاری

سوؔدا نے اردو قصیدہ نگاری کو عروج بخشا بلکہ اس صنف کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا۔ چناں چہ بہت سارے تذکرہ نگاروں نے سوؔدا کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے مصحفیؔ نے انہیں قصیدے کا ''نقاشِ اول'' کہا ہے۔ مرزا علی لطفؔ نے کہا کہ ''قصیدہ ختم مرزا سودا پر ہوا۔'' عبدالسلام ندوی کا قول ہے کہ ''اردو قصیدہ نگاروں میں سودا سب سے سرخیل ہیں۔''

اردو قصیدہ نگاروں میں سودا نے سب سے زیادہ قصیدے لکھے انہوں نے مدحیہ قصائد اور ہجویہ قصائد دونوں لکھے ہیں مگر مدحیہ قصائد کی تعداد زیادہ ہے انہوں نے صرف معتبر شخصیتوں کی شان میں قصیدہ خوانی کی ہے ان کے ممدوحین میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور ائمہ کرام جیسی بے مثال شخصیتیں ہیں ساتھ ہی ساتھ انہوں نے درباری مداحی بھی کی ہے۔ انہوں نے شجاع الدولہ، آصف الدولہ، نواب حسن رضا خاں اور گورنر جنرل رچرڈ جونس وغیرہ کی مدح میں قصیدے لکھے ہیں۔

سوؔدا قصیدہ نگاری کے حوالے سے بہت مشہور ہوئے لیکن ان کی اصل شہرت مذہبی قصائد کی وجہ کر ہے جہاں انہوں نے فن کاری کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے اور اپنے زمانے کے حالات کی صحیح تصویروں کو پیش کیا ہے۔

سوؔدا کو تشبیب اور استعارہ کا حاکم یا فرماں روا کہا جاتا ہے۔ انہوں نے خود اپنے قصیدہ کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے ؎

جس جا میں لُغات فراہم کروں تو داں
ذرہ رکھے نہ صاحبِ فرہنگ رنگ ڈھنگ

قصیدے عام طور پر غیر مردف قافیوں میں لکھے جاتے رہے ہیں لیکن سودا نے ردیف اور قافیے دونوں کی پابندی کی ہے۔ ان کے یہاں قصیدے میں جہاں فارسی الفاظ ہیں وہیں ہندی الفاظ بھی در آئے ہیں۔

سودا کے مطلع کی برجستگی ندرت اور شگفتگی بھی کیا خوب ہے ایک مثال دیکھئے

کہے ہے کاتب دوراں سے منشی تقدیر
سمجھ کے دفترِ قسمت کیا کر اب تحریر

انہوں نے تشبیب پر زیادہ سے زیادہ اپنی توانائی خرچ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ تشبیب کا حُسن دوبالا ہو گیا ہے۔

سودا نے حضرت علیؓ کی مدح کچھ اس طرح کی ہے

علم تیرا نہیں کچھ علم خدا سے باہر
ہے عمل بھی وہی تیرا جو خدا کا ہے عمل

انہوں نے صرف مدحیہ قصیدے ہی نہیں لکھے بلکہ ہجویہ قصیدہ نگاری بھی کی ہے۔

قصیدے عام طور پر غیر مردف قافیوں میں لکھے جاتے رہے ہیں لیکن سودا نے ردیف اور قافیے دونوں کی پابندی کی ہے۔ ان کے یہاں قصیدے میں جہاں فارسی الفاظ ہیں وہیں ہندی الفاظ بھی در آئے ہیں۔

سودا کے مطلع کی برجستگی ندرت اور شگفتگی بھی کیا خوب ہے ایک مثال دیکھئے

کبھی ہے کاتب دوراں سے منشی تقدیر
سمجھ کے دفترِ قسمت کیا کر اب تحریر

انہوں نے تشبیب پر زیادہ سے زیادہ اپنی توانائی خرچ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ تشبیب کا حُسن دوبالا ہو گیا ہے۔

سودا نے حضرت علیؓ کی مدح کچھ اس طرح کی ہے

علم تیرا نہیں کچھ علم خدا سے باہر
ہے عمل بھی وہی تیرا جو خدا کا ہے عمل

انھوں نے صرف مدحیہ قصیدے ہی نہیں لکھے بلکہ ہجویہ قصیدہ نگاری بھی کی ہے۔

# قرۃ العین حیدر بحیثیت ناول نگار

اردو فکشن کی دنیا میں قرۃ العین حیدر کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔قرۃ العین حیدر کے ناولوں کے موضوعات اوران کے کارنامے کے حوالے سے پروفیسر نورالحسن نقوی رقم طراز ہیں کہ

> ''تقسیمِ ہند نے ہجرت کا ایک نیا موضوع دیا اور اُسی پسِ منظر میں انسانی رشتوں کی پیچیدگی ناول نگاری کی توجہ کا مرکز بنی اور کرداروں کے ذہنوں کی گرہیں کھولنا اس نے اپنا شعار بنایا تکنیک کے نئے تجربے ہوئے،شعور کی رو سے ناول میں بہت کام لیا گیا اوراس ضمن میں قرۃ العین حیدر کا کارنامہ یقیناً ناقابلِ فراموش ہے۔''

انہوں نے اپنا پہلا ناول ''میرے بھی صنم خانے'' 1949ء میں تقسیمِ ہند کے موضوع پر لکھا دوسرا ناول ''سفینۂ غمِ دل'' چار سال بعد منظر عام پر آیا۔1959ء میں ''آگ کا دریا'' جیسا مشہور ناول شائع ہوا جس نے اردو ناول کو ایک نئی سمت و جہت عطا کی۔ان ناولوں کے علاوہ ''آخرشب کے ہم سفر''، ''گردشِ رنگِ چمن'' اور ''چاندی بیگم'' ان کے مشہور ناول ہیں ان کا ایک سوانحی ناول بھی ہے جسے ''کارجہاں دراز ہے'' کے عنوان سے جانا جاتا ہے۔ انہوں نے اس کے علاوہ کچھ ناولٹ اور افسانے بھی رقم کیے ہیں۔

انہوں نے اپنے ناولوں کے ذریعہ جہاں بعض چیزوں کی دریافت کی ہے وہیں شعور کی رَو کی تکنیک کا استعمال خوش اسلوبی کے ساتھ کیا ہے،انہوں نے وقت کے تسلسل

اوراس کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں کے ذریعہ یہ پیغام بھی دینے کی کوشش کی ہے کہ زندگی ہمیشہ حرکت کرتی رہتی ہے اور وقت ہی سب کچھ ہے اس پر کسی کا زور چلتا نہیں۔

انہوں نے اپنے ناولوں کو محسوس کرنے کی چیز بنادیا ہے غرض کہ جدید ناول نگاری میں قرۃ العین حیدر معرف عینی آپا سب سے ممتاز مقام پر فائز ہیں۔

❏ ❏ ❏

# پریم چند

سید سجاد حیدر یلدرم کے بعد دوسرے اہم افسانہ نگار پریم چند ہیں۔ انہوں نے اپنا پہلا افسانہ ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' 1908ء میں شائع کرایا لیکن محققین ان کے ''سیرِ درویش'' افسانہ کو پہلا افسانہ قرار دیتے ہیں۔

سارے اہل علم ودانش جانتے ہیں کہ پریم چند نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ناول سے کیا بعد میں چل کر افسانے لکھے اور بہت مقبول افسانہ نگار کہلائے۔

ان کا افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' جون 1908ء میں شائع ہوا جسے حکومت نے ضبط کرلیا اس کے افسانوں میں ایسا کچھ نہیں تھا جس سے حکومت کی بنیاد لرز جاتی۔ اس میں تو صرف اصلاح پسندی کا جذبہ کارفرما تھا۔

ان کے پورے عہد کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(1) آدرش وادی دور (2) گاندھیائی اثرات (3) سفاک حقیقت پسندی

انہوں نے 1920ء تک جو بھی لکھا اس میں آدرش وادی دور کو دیکھا جاسکتا ہے اس کے بعد سے 1932ء تک جو لکھا اس میں گاندھیائی اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جو گاندھی جی کی مصاحبت کا اثر تھا اور اس کے بعد سے لے کر 1936ء تک سفاک حقیقت پسندی کو پیش کیا ہے۔

ان کے افسانوں کے مجموعے پریم پچیسی، خاکِ پروانہ، آخری تحفہ اور زادِ راہ کے نام سے شائع ہوئے جنہیں ملک میں شرفِ قبولیت سے نوازا گیا۔

انہوں نے شروع کے افسانوں میں شاعرانہ زبان جذباتی انداز بیان اختیار کیا ہے لیکن یہ قابلِ اعتنا نہیں کیوں کہ یہ ان کے افسانے کا تشکیلی دور تھا بعد میں چل کر دیہات کی زندگی کی کامیاب تصویر کشی کی اور اپنے افسانے کا موضوع سماجی مسائل کو بنایا۔

ان کے افسانوں کے بیشتر پلاٹ منظم ہیں، ان کے کردار فطری اور اصلی ہیں ان کے افسانے کی ایک بہت اہم اور نمایاں خوبی یہ ہے کہ ان کے افسانے کی زبان سادہ سلیس شفاف اور بے تکلف ہے۔انہوں نے اردو کے افسانوی ادب کو ایک جاندار اور شگفتہ اسلوب عطا کیا ہے غرض کہ پریم چند افسانوی ادب میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

❑ ❑ ❑

rekhta

# سعادت حسن منٹو

سعادت حسن منٹو کا شمار اردو کے صفِ اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ان کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ گہرا تھا۔سعادت حسن منٹو کچھ دنوں کے لیے ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے تھے لیکن بعد میں پھر اپنی راہ الگ بنالی۔

انہوں نے خاکے بھی لکھے جو ''گنجے فرشتے'' کے نام سے شائع ہوئے ،اس خاکے میں بے باک حقیقت نگاری سے کام لیا گیا ہے مگر منٹو کی شہرت و مقبولیت کا دارو مدار ان کی افسانہ نگاری پر ہے۔

منٹو کا اصل میدان جنس ہے۔جنسی کج روی انہیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور وہ اس پر بے روک ٹوک لکھ ڈالتے ہیں بعضے کے مطابق منٹو جنس زدہ ہیں مگر یہ غلامی کے الزامات تھے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ان کے کچھ ایسے بھی افسانے ہیں جن میں جنس نہیں ہے مثال کے طور پر ٹو بہ ٹیک سنگھ اور نیا قانون اس حوالے سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔

منٹو کا کمال یہ ہے کہ جو دیکھتے ہیں بے جھجک اس کو لکھ ڈالتے ہیں،منٹو نے افسانہ نگاری میں سب سے پہلے یہ کام کیا کہ مرد وعورت کو مرکزیت عطا کی۔انہوں نے پریم چند کی زبان کو اور سادہ کیا اور جملے کو چھوٹا چھوٹا لکھا،انہوں نے زبان کی سادگی اور طنز کو ادبی حربہ کے طور پر استعمال کیا اور طوالت کم کیا یہ بھی ان کا کمال ہے۔انہوں نے سماج کے ناسور کو اپنے افسانوں کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کی ہے مختصر یہ کہ سعادت حسن منٹو بہت بڑے افسانہ نگار ہیں۔

# راجندر سنگھ بیدی

راجندر سنگھ بیدی مقبول افسانہ نگار ہیں وہ پہلے ایک پوسٹ آفس میں کلرک تھے،انہوں نے اپنے افسانوں میں پنجاب کے گاؤں کی زندگی کو ابھارا جب کہ پریم چند نے اپنے افسانوں میں شمالی یوپی کے دیہاتوں کو مدِ نظر رکھا۔

''بھولا'' راجندر سنگھ بیدی کا پہلا اور مقبول افسانہ ہے۔انہوں نے 52/سال میں صرف 66/افسانے لکھے جب کہ پریم چند نے 31/سال میں 300/سے زائد افسانے لکھے۔انہوں نے ایک ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' بھی لکھا، کچھ ڈرامے بھی لکھے مگر مقبولیت انہیں افسانوں نے عطا کیا ہے۔

راجندر سنگھ بیدی عورتوں کے نفسیاتی نباض ہیں مگر یہ الزام منٹو پر عائد کیا جاتا ہے، انہوں نے زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ان کے افسانوں کا موضوع حقیقی زندگی کے انسان ہیں،ان کے افسانوں کا پلاٹ بہت منظم اور گٹھا ہوا ہے کہ ایک لفظ بھی بیکار معلوم نہیں ہوتا۔

ان کی زبان صاف ستھری اور نکھری ہوئی ہے،ان کے افسانوں میں بے جا تصنع کا احساس نہیں ہوتا۔ان کی زبان غیر ضروری آلائش سے پاک ہوتی ہے۔

راجندر سنگھ بیدی فن کے لحاظ سے بھی بہت کامیاب ہیں انہوں نے ایک ایک جملے کو سوچ سمجھ کر لکھا ہے۔انہوں نے خود کو بہترین کاری گر اُس وقت کہا جب منٹو نے ان پر طنز کیا تھا غرض کہ راجندر سنگھ بیدی افسانہ نگاری میں بہت اہم مقام رکھتے ہیں۔

# آغا حشر کاشمیری بہ حیثیت ڈراما نگار

آغا حشر کاشمیری کو اردو ڈرامے کا شیکسپئر کہا جاتا ہے۔انہوں نے 1901ء سے ڈرامے لکھنا شروع کیے ان کو اردو کا مکمل ڈراما نگار کہا جا سکتا ہے کیوں کہ انہوں نے ڈراما کے تمام عناصر کو یکجا کر دکھایا ہے۔ ڈراما میں انہوں نے بہت سی اہم تبدیلیاں کیں، انہوں نے گانوں کی تعداد کو جہاں کم کیا وہیں اس زمانے کے تقاضے کے مطابق چھوٹے چھوٹے فقرے لکھے اور قافیے کی پابندی کو بھی برقرار رکھا۔

انہوں نے پہلا ڈراما ''آفتابِ محبت'' لکھا پھر ''خوبصورت بلا''، ''یہودی کی لڑکی'' اور ''رستم وسہراب'' جیسے ڈرامے تخلیق کیے۔ان کے کچھ ڈرامے وہ ہیں جو طبع زاد نہیں؛ ''اسیرِ حرص''، شہیدِ ناز، صیدِ ہوس، خوابِ ہستی جیسے ڈراموں کو اس حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔

آغا حشر کاشمیری کے ڈراموں کی بنیاد کشمکش پر ہوتی ہے۔ ڈرامائی عمل پلاٹ پر حاوی ہوتا ہے اور پلاٹ عام طور پر سادہ ہوتے ہیں۔ان کے ڈرامے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آخر میں حق کی فتح اور باطل کی شکست نظر آتی ہے۔

ان کے اکثر ڈراموں میں اصل قصے کے پہلو بہ پہلو کوئی مزاحیہ پلاٹ بھی چلتا ہے جو مرکزی قصے سے غیر متعلق ہوتا ہے اور ایسا وہ اس لیے کرتے تھے تا کہ ناظرین خوش ہوں۔ زبان پر ان کی گرفت تھی اور تاثر آفرینی ان کی دسترس میں تھی جس کی وجہ سے مقبول ہوئے غرض کہ آغا حشر کاشمیری بہت بڑے ڈراما نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔

# رشید احمد صدیقی

رشید احمد صدیقی کو بڑے طنز و مزاح نگار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے انہیں پروفیسر احتشام حسین نے اس دور کا سب سے بڑا مزاح نگار تسلیم کیا ہے

طنز ناآسودگی اور بیزاری کا ترجمان ہوتا ہے۔ نشتریت، اس کا خاصہ ہے اور کنایہ و استعارہ اس کے لطیف جوہر ہیں۔ طنز نگار اپنے زمانے کا نباض اور حکیم ہوتا ہے اور وہ حیات و معاشرہ کے نقصِ نظام اور عدم توازن پر ضرب کاری لگاتا ہے چنانچہ ایک جگہ رشید احمد صدیقی خود اپنے طنز و مزاح کے متعلق یوں لکھتے ہیں کہ ''طنز و ظرافت کسی کی آبروریزی یا اپنی نالائقی کی تسکین کے لیے نہیں بلکہ معاشرے کی اصلاح و ارتقاء کے لیے ہوتی ہے۔''

انہوں نے خاکے انشائیے اور علمی مضامین بھی لکھے لیکن ان کی شہرت طنز و مزاح کی وجہ کر ہے۔ ان کے مزاح کے حوالے سے پروفیسر نورالحسن نقوی لکھتے ہیں کہ ''ان کے قلم سے جو تحریر بھی نکلی اس میں مزاح موجِ تہ نشیں کی طرح کارفرما ہے، علمی مضامین میں اس کی گنجائش کم ہے مگر ان کی شگفتہ مزاجی یہاں بھی اپنا کرشمہ دکھائے بغیر نہیں رہتی۔''

ان کی علمیت کو ظریفانہ مضامین میں بھی دیکھا جا سکتا ہے، ان کی تحریروں میں تفکر کی کارفرمائی نظر آتی ہے انہوں نے جہاں قارئین کو ہنسانے کی کوشش کی ہے وہیں وہ غور و فکر پر بھی مجبور کرتے نظر آتے ہیں

رشید احمد صدیقی کی تحریریں غور و فکر کی دعوت دینے کی وجہ سے بوجھل ہوگئی ہیں جس کی وجہ سے ہر طرح اور ہر سطح کا قاری فیضیاب نہیں ہوسکتا لہٰذا یہ خامی اور عیب ہے۔ اسی طرح استعاروں علامتوں اور مبہم اشاروں کے سبب عام قارئین تک اس کی رسائی مشکل ہوگئی ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ انہیں زبان پر بے پناہ دسترس حاصل تھی۔

پھر بھی اس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں کہ رشید احمد صدیقی اپنے دور کے سب سے بڑے مزاح نگار تھے۔

# سحرالبیان

میر حسن نے غزل کے دیوان اور ایک تذکرہ ''تذکرہ شعرائے اردو'' کے علاوہ چھوٹی بڑی 12 رمثنویاں لکھی ہیں لیکن میر حسن کو جس مثنوی نے زندہ جاوید بنا دیا وہ یہی مثنوی ''سحرالبیان'' ہے۔ یہ 1199ھ بمطابق 1784ء میں لکھی گئی جو آصف الدولہ کے دور کی یادگار ہے۔

''سحرالبیان'' میں مذکورہ قصے کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیوں کہ نہ تو اس میں جدت ہے اور نہ ہی نیاپن پھر بھی میر حسن اپنی مثنوی پر نازاں ہیں اور یوں فرماتے ہیں ؎

سنو اک کہانی بنا کرنئی　　　دُرِ فکر سے گوندھ لڑیاں کئی

لے آیا ہوں خدمت میں بہر نیاز　　　یہ امید ہے پھر کہ ہوں سرفراز

''سحرالبیان'' کے خصوصی کرداروں میں بےنظیر، بدرمنیر، نجم النساء، ماہِ رخ اور فیروز شاہ ہیں۔ اس مثنوی کی کہانی بےنظیر، بدرمنیر اور نجم النساء کے ذریعے آگے بڑھتی ہے اور پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ میر حسن نے اس مثنوی میں لکھنوی تہذیب کو بیان کیا ہے۔ ''سحرالبیان'' حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس میں سب سے زیادہ فعال اور متحرک کردار نجم النساء کا ہے۔

میر حسن کی یہ مثنوی معنویت فضا آفرینی کردار نگاری اور گہرے سماجی شعور کا پتا دیتی ہے۔ اس کے اسلوب میں بلا کی سادگی روانی اور موسیقیت ہے الفاظ کے ساتھ خیال کی سادگی میر حسن کی شاعری کو نیچرل شاعری کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ میر حسن کے اسلوب میں دہلی کی سادگی اور لکھنؤ کی پُرکاری کا حسین امتزاج ہے۔

غرض کہ مثنوی ''سحرالبیان'' اردو ادب کی سب سے بہترین مثنوی ہے اور یہ میر حسن کا ایسا لازوال کارنامہ ہے جس کے حوالے سے وہ تادیر یاد رکھے جائیں گے۔

# گلزارِ نسیم

''گلزارنسیم'' لکھنؤ میں لکھی جانے والی عشقیہ مثنوی ہے جو 1838ء میں مکمل ہوئی۔ ''گلزار نسیم'' نہال چند لاہوری کے نثری قصے ''مذہب عشق'' کا منظوم ترجمہ ہے۔ دیا شنکر نسیم نے اپنی مثنوی میں کرداروں کے حوالے سے فارسی اور ہندی ناموں کی آمیزش کی ہے۔ زین الملوک، تاج الملوک جہاں فارسی نام ہیں وہیں چتر سین اور چتراوت ہندی نام ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اس مثنوی میں گل بکاولی کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

دیا شنکر نسیم آتش کے شاگرد تھے مگر مشکل پسند طبیعت ہونے کی وجہ سے انہوں نے ناسخ کا رنگ پسند کیا مثنوی ''گلزارنسیم'' کی چند خوبیاں جیسے زبان کی خوبی خودداری زندگی کی بے ثباتی بے باکی برجستگی اوراس کا اختصار ہے اس کے حوالے سے برج نرائن نے لکھا ہے کہ ''ان کے کلام میں تصنع تو ضرور ہے مگر اسے ان کی طبیعت مزے دار بنا دیتی ہے۔'' دیا شنکر نسیم تناسب لفظی کا بہت خیال کرتے ہیں وہ معنویت اور پاکیزگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کے کلام میں استعاروں کی ندرت، تشبیہوں کی دل کشی سے ایک نمایاں شگفتگی پیدا ہوگئی ہے۔ رشید حسن خاں لکھتے ہیں کہ ''دو مثنوی ایسی ہے جنہیں شہرتِ دوام حاصل ہے۔ (1) سحرالبیان (2) گلزارنسیم۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مزاج دونوں کا الگ الگ ہے۔'' ایک دوسری جگہ رشید حسن خاں لکھتے ہیں کہ ''رعایت لفظی شیوہ تو ضرور قرار دیا مگر لفظوں کو بے کیف کھیل بنانے کے بجائے معنی آفرینی کا ایک نیا انداز دیا۔ اس مثنوی کا یہ بھی کمال ہے کہ اختصار اور جامعیت کے باوجود اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی گو کہ کہیں کہیں تکرار بھی

ہے۔اس مثنوی میں چند خامیاں بھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ رنگین بیان کی وجہ سے سوز وگداز کی کمی دیکھنے کوملتی ہے۔کہانی پن میں کوئی ندرت اور نشتریت نہیں ہے۔صنائع و بدائع کی زیادتی کی وجہ سے کلام میں تصنع اور آورد پیدا ہوگیا ہے۔اسی طرح پلاٹ میں تھوڑی پیچیدگی ملتی ہے۔مناظرِ فطرت کے بیان میں دیاشنکر نسیم کمزور پڑ جاتے ہیں لیکن ان خامیوں کے قطع نظر زبان کی خوبیوں کے اعتبار سے یہ کامیاب مثنوی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دیاشنکر نسیم کے اشعار آج ضرب المثل بن کر رہ گئے ہیں ؎

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجئے
جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجئے

بے وقت کس کو کچھ ملا ہے
پتا کہیں حکم بن ہلا ہے

الغرض ''گلزارنسیم'' ایک کامیاب مثنوی ہے جو اپنی شناخت خود ہمیشہ قائم رکھے گی۔

□ □ □

# زہرِ عشق

مرزا شوق لکھنوی نے چار مثنویاں لکھیں۔ ''زہرِ عشق''، ''لذتِ عشق''، ''فریبِ عشق'' اور ''بہارِ عشق'' لیکن شوق کی شہرت کا انحصار ان کی اسی مثنوی ''زہرِ عشق'' پر ہے۔

''زہرِ عشق'' کے قصے کے متعلق احسن لکھنوی نے لکھا ہے کہ مثنوی ''زہرِ عشق'' میں دراصل ستارہ کی خودکشی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

''زہرِ عشق'' کا قصہ بہت سادہ ہے۔ شوق ہی میر افسانہ ہیں اور محلے کے عالی خاندان سوداگر کی اکلوتی بیٹی 'مہ جبیں' جو یہاں بطور ہیروئن ہے۔ اس خوش گلو خوش جمال اور خوش تقریر لڑکی کی تعریف یوں کرتے ہیں ؎

ایک دختر تھی اس کی ماہِ جبیں　　شادی اس کی نہیں ہوئی تھی کہیں
ثانی رکھتی نہ تھی وہ صورت میں　　غیرتِ حور تھی حقیقت میں
سبز نخلِ گلِ جوانی تھا　　حسنِ یوسف فقط کہانی تھا
رُخ پہ گیسو کی لہر آفت تھی　　جو ادا اس کی تھی قیامت تھی

مرزا اور سوداگر کی بیٹی ایک ہی نظر میں ایک دوسرے کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ عشق کی ابتدا اور اس کا پسِ منظر بڑا دلچسپ اور مناسب ہے جس نے واقعیت اور نفسیاتی کیفیت کو اور نمایاں کر دیا ہے، لکھتے ہیں ؎

ایک دن چرخ پر جو ابر آیا　　کچھ اندھیرا سا ہر طرف چھایا
کھل گیا جب برس کے وہ بادل　　قوس تب آسماں پہ آئی نکل
دل مرا بیٹھے بیٹھے گھبرا یا　　سیر کرنے کو بام پر آیا

الغرض مثنوی ''زہرِ عشق'' ایک پُرخلوص محبت کی سیدھی سادی سی داستان ہے جو بہت سادہ انداز میں بیان کر دی گئی ہے اس لیے اس میں سوز واثر کی نمایاں کیفیت اور جذبات کا

اظہار پورے طور پر موجود ہے۔اس کی زبان میں تصنع نہیں ہے۔ بے تکلفی سادگی اور نغمگی
ہر جا موجود ہے۔شوقؔ نے عورتوں کی زبان کا حق ادا کر دیا ہے۔انہوں نے تشبیہ اور استعارے
سے بھی کام لیا ہے لیکن یہ رنگ ان کے یہاں اسی حد تک ہے جیسا کہ بقول آزادؔ ''آنکھوں
میں سُرمہ اور چہرے پر غازہ۔''شوقؔ کے یہاں حسیت کا کمال نظر آتا ہے اور اسی وجہ سے
ان کی مثنوی ''زہر عشق'' غیر معمولی اثرات کی حامل ہوگئی ہے۔ پوری مثنوی میں ایک جگہ بھی
ایسی نہیں ملتی جہاں شوقؔ اثر انگیزی میں ناکام رہے ہوں اسی طرح وہ کوئی ایسی چیز بیان نہیں
کرتے جو قدرت کے مسلمات کے خلاف ہو یا فطرت کے اصولوں سے متصادم نظر آتی
ہو۔ان کی زبان سادہ شستہ اور پُر اثر ہے، تشبیہیں اور استعارے قریب الماخذ ہیں۔
واقعات ایسے ہیں جو دنیا میں ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے کردار اسی دنیا کے انسان ہیں جن
میں خامیاں بھی ہیں اور خوبیاں بھی، اچھائیاں بھی ہیں اور بُرائیاں بھی لیکن ان میں سے ہر
ایک ہماری ہمدردیاں حاصل کرتا ہے اور ہم بہت خوشی کے ساتھ اس کی ہر اچھی بات میں
شریک رہتے ہیں۔

مثنوی ''زہر عشق'' اردو شاعری میں زبان و بیان سیرت نگاری نفسی واردات اور اپنے
حسیاتی رنگ کے اعتبار سے بڑی مکمل چیز ہے۔اس میں لکھنؤ کے زوال پذیر ماحول کی اچھی
ترجمانی پیش کی گئی ہے اور اس مرقع میں جتنی تصویریں ہیں وہ صاف اور روشن ہیں لیکن اس
کا ابتدائی حصہ عامیانہ ہے جس پر اعلیٰ مقاصد کا سایہ نہیں۔عورت کی پیش قدمی اور پھر اس کا
جلد حاصل ہو جانا اچھی قدروں کو ظاہر نہیں کرتا۔لیکن ''زہر عشق'' کے درد و تاثیر نے اس کے
عیبوں کو چھپا دیا ہے۔آخری ملاقات میں مہ جبیں عورت کی حیثیت سے اپنے ماحول سے اتنی
اونچی اُٹھ جاتی ہے کہ ہم اس سے ہمدردی اور اس کے جاگیردارانہ سماج اور اس کے ظالمانہ
قوانین سے نفرت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

مختصراً بقول خواجہ احمد فاروقی ''زہر عشق'' کی پستی میں بھی ایک جلال ہے، بلند افتادگی
برجستگی درد اور کسک ہے۔''

# باغ و بہار

''باغ و بہار'' میر امن دہلوی کی تصنیف ہے۔ میر امن نے اسے 1801ء میں لکھنا شروع کیا۔ 1803ء میں مکمل کیا اور 1804ء میں یہ شاہکار تصنیف زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر منظر عام پر آئی۔ یوپی ضلع اٹاوہ کے میر عطا تحسین کی تصنیف ''نوطرز مرصع'' 1775ء میں مکمل ہوئی جو قصۂ چہار درویش کا اردو ترجمہ ہے۔ میر امن لطف نے میر عطا تحسین کی اسی کتاب کو سادہ اور دیسی الفاظ میں پیش کر کے ''باغ و بہار'' نام رکھا جو صحیح معنوں میں ''باغ و بہار'' ہے۔ چنانچہ مصنف کا دعوی بجا ہے۔ میر امن کہتے ہیں کہ ''جو کوئی اس کو پڑھے گا گویا باغ کی سیر کرے گا بلکہ باغ کو آفتِ خزاں بھی ہے اور اس کو نہیں۔ یہ ہمیشہ سرسبز رہے گا ؎

مجھے بھول جاویں گے سب بعد مرگ
رہے گا مگر یہ سخن یادگار

فارسی اور اردو میں قصۂ چہار درویش کے متعدد نسخے ملتے ہیں اور باغ و بہار کا اصل ماخذ تحسین کی ''نوطرز مرصع'' ہے۔

میر امن نے ''باغ و بہار' میں چار درویش کے قصے کو بیان کرنے میں حقیقت پسندانہ اور فطری نظر سے کام لیا ہے اور مصنوعی اور غیر حقیقی کرداروں سے کم سے کم مدد لی ہے جب میر امن پہلے درویش کا قصہ بیان کرتے ہیں تو اس میں فوق الفطرت عناصر کہیں بھی نظر نہیں آتے بلکہ ہر جگہ حقیقی اور واقعی کرداروں کا دیدار ہوتا ہے۔ البتہ عشق و محبت کی کرشمہ سازی ضرور نظر آتی ہے۔ دوسرے درویش کا قصہ پیش کرتے وقت میر امن نے کئی مقامات پر ضرور

فوق الفطرت عناصر کا سہارا لیا ہے مگر وہ ناگوار محسوس نہیں ہوتے۔ میر امن نے چار الگ الگ درویشوں کے قصوں کو آزاد بخت کے قصے کے ذریعہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایک لڑی میں پرو دیا ہے جس سے میر امن کے اسلوب کی جدت اور ندرت کا پتا چلتا ہے مگر اس کتاب میں ''خواجہ سگ پرست'' کا قصہ محض اضافی معلوم ہوتا ہے۔ میر امن کی کردار نگاری میں رئیسانہ اور جاگیردارانہ انداز بھی ہے اور عام انسانی کردار نگاری بھی۔ مثال کے طور پر انہوں نے پہلے اور تیسرے درویش کے کرداروں میں سیرت و اخلاق کی خرابیاں اور کمزوریاں دکھائی ہیں۔

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ ''باغ و بہار'' ایک شاہکار داستان ہے جو قابلِ دید بھی ہے اور قابلِ مطالعہ بھی۔

☐ ☐ ☐

# فسانۂ عجائب

''فسانۂ عجائب'' ایک طبع زاد داستان ہے۔ ''باغ و بہار'' کا جواب دینے کے ارادے سے رجب علی بیگ سرور نے 1824ء میں اسے لکھا لیکن یہ داستان زیور طباعت سے 1843ء میں آراستہ ہوئی۔

اس داستان میں اگر ایک طرف لکھنؤ کی تعریف ہے تو دوسری طرف ریاست اتر پردیش کے مشہور ضلع کان پور کی مذمت بھی ہے۔ یہ لکھنوی تہذیب ومعاشرت کی پوری عکاسی کرتی ہے بلکہ یہ کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ اپنے عہد کا کامیاب اور سچا مرقع ہے ایسا نہیں کہ صرف لکھنوی تہذیب کو بیان کیا گیا ہے بلکہ اس میں مخلوط ہندستانی تہذیب بھی جلوہ گر ہے۔

اس میں رجب علی بیگ سرور نے مقفٰی مسجع زبان استعمال کیا ہے اور اپنے بیان کو پُر اثر اور رنگین بنانے کے لیے اشعار بھی خوب سے خوب کام میں لایا ہے۔ اس میں شعریت جیسی خوبی موجود ہے جس نے اسے شاہکار بنادیا ہے۔

''فسانۂ عجائب'' میں بہت ساری خوبیاں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کرداروں کے ذہنی سطح کے مطابق رجب علی بیگ سرور نے زبان کا استعمال کیا ہے اسی طرح مکالمہ نگاری میں بھی حفظِ مراتب کا خاص خیال رکھا ہے۔ اس داستان کو لکھنؤ کی شاہکار داستان کا درجہ حاصل ہے۔

□ □ □

# امراؤ جانِ ادا

یہ ناول 1899ء میں لکھا گیا اسے پہلا کامیاب اور مکمل ناول مانا گیا ہے اور اسے ہی اردو کا پہلا جدید ناول قرار دیا جاتا ہے۔

اس کا پلاٹ نہایت مربوط اور گٹھا ہوا ہے اسی وجہ سے اس کے پلاٹ کو بے مثال مانا جاتا ہے یہ بھی واضح رہے کہ منظم پلاٹ کی بنیاد پر پہلی بار یہ ناول لکھا گیا درحقیقت اس ناول میں غدر کے بعد کے ہندستانی معاشرہ کی بے بسی اور بے کسی کو دکھانے کی ابتدائی کوشش کی گئی ہے۔

اس ناول کا موضوع 'طوائف' ہے جس کے ذریعہ لکھنؤ کے معاشرے کی تصویر دکھائی گئی ہے اور اس طرح ہر طبقے کی زندگی اس میں در آئی ہے۔

اس ناول میں کردار نگاری بھی بہت اچھی ہے اس کے کردار زندہ اور متحرک نظر آتے ہیں۔ مکالمہ نگاری، جذبات نگاری فن اور زندگی کی ہم آہنگی نے اس کو بے مثال اور شاہکار بنادیا ہے، زبان و بیان کے حوالے سے بھی اچھا ناول ہے اور اس کی فضا شاعرانہ ہے مختصر یہ ہے کہ مرزا ہادی رسوا کا یہ ناول اردو ادب میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

□ □ □

# فسانۂ آزاد

''فسانۂ آزاد'' ایک مشہور اور معتبر ناول ہے جو پہلے اودھ اخبار میں قسط وار شائع ہوا لیکن بعد میں 1880ء میں اس کا نام ''فسانۂ آزاد'' رکھ کر اِسے کتابی صورت میں پیش کر دیا گیا۔

اس میں لکھنؤ کی تہذیب کو بیان کیا گیا ہے، اس کا اسلوب ظرافت آمیز ہے۔ ان کے اسلوبِ بیان کے حوالے سے علی عباس حسینی لکھتے ہیں کہ ''جہاں تک انشا پردازی اور اسلوبِ بیان کا تعلق ہے بلا شبہہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو ناول نویسوں میں سرشار کے برابر کوئی کامیاب نہیں ہوا۔''

لیکن اس ناول کا پلاٹ ڈھیلا ڈھالا ہے شاید اس کی وجہ سرشآر کی زود نویسی اور یکسوئی کی کمی تھی۔ اس میں بہت سارے الگ الگ قصے شامل ہیں

اس ناول کی عبارت مقفٰی مسجع ہے۔ منظر نگاری واقعہ نگاری اور مکالمہ نگاری میں انہیں کمال حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ سرشآر مکالموں کے بادشاہ اور King کہلاتے ہیں۔

محاورات کے استعمال پر بھی انہیں قدرت ہے مختصر یہ کہ اگر پلاٹ کی وجہ سے عیب دار ہے تو لطافتِ زبان کے اعتبار سے قابلِ دید اور قابلِ تعریف بھی، غرض کہ پلاٹ سے قطع نظر، ناول کی تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں۔

❑ ❑ ❑

# انارکلی

'انارکلی' ایک مشہور ڈراما ہے جو 1933ء میں امتیاز علی تاج نے دنیائے ادب میں پیش کیا جس میں شہزادہ سلیم اور انارکلی کے معاشقے کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ پہلا خالص اور کامیاب ادبی ڈراما ہے۔ اس میں جو پلاٹ پیش کیا گیا ہے وہ دلکش ہے جس کی تشکیل میں امتیاز علی تاج نے فن کارانہ بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے متعلق ''اصناف ادب اردو'' کے مصنفین یوں رقم طراز ہیں کہ ''سید امتیاز علی تاج کا ڈرامہ ''انارکلی'' بھی فنی تعمیر، پلاٹ کی حسن کارانہ تشکیل کردار نگاری اور مکالموں کی خوبصورتی کے اعتبار سے ایک معیاری ڈرامہ ہے۔''

اس ڈراما کے اہم کرداروں میں جلال الدین محمد اکبر، شہزادہ سلیم، بختیار، انارکلی، ثریا اور دل آرام وغیرہ ہیں۔ اس میں مکالمے کرداروں کے مطابق ہیں اور اس ڈرامے کا خاتمہ ایک ٹریجڈی پر ہوتا ہے۔

''انارکلی'' کس کا المیہ ہے؟ اس کے متعلق محمد حسن، سید احتشام حسین اور خود امتیاز علی تاج کا ماننا ہے کہ ''انارکلی'' اکبر کا المیہ ہے۔

اس ڈرامے کی بہت ساری خصوصیات ہیں لیکن ایک عیب بھی ہے وہ یہ کہ اس میں خود کلامی کے مکالمے ضرورت سے زیادہ طویل ہیں اس خامی کے قطع نظر ''انارکلی'' ایک شاہکار ڈراما ہے۔

□ □ □

# غبارِ خاطر

''غبار خاطر'' ابوالکلام آزاد کے خطوط کا مجموعہ ہے جس کو بعض حضرات مضامین یا انشا کا مجموعہ گردانتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ابوالکلام آزاد نے اپنے خطوط 1942ء سے 1945ء کے دوران لکھے یہ تمام خطوط حبیب الرحمٰن شیروانی کے نام لکھے گئے ہیں۔ یہ 24 رخطوط کا مجموعہ ہے،اس کتاب میں بہت ساری خوبیاں ہیں اس کا اسلوب،اس کی سب سے بڑی خوبی مانی جاتی ہے۔موضوع جہاں جیسا ہے،اسی طرح کا اسلوب بھی وہاں استعمال کیا گیا ہے۔ان خطوط میں سیاسی باتیں بیان نہیں کی گئی ہیں۔اس میں یادداشت اور حافظے کے سہارے بہت سارے اردو فارسی اور عربی اشعار استعمال کیے گئے ہیں۔بہت سارے محققین نے آج یہ باور کیا ہے کہ ان میں بیان کئے گئے کئی اشعار صحیح نہیں ہیں پھر بھی ابوالکلام آزاد کی ذہانت اور یادداشت کی داد دینی پڑتی ہے۔

''غبار خاطر'' میں ہر خط اپنا الگ اور علاحدہ مضمون رکھتا ہے۔اس میں انہوں نے چائے کا ذکر بڑے ہی خوش اسلوبی کے ساتھ کیا ہے اور اپنے ذوق کی وضاحت بھی کی ہے

اس میں خطیبانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔یہ انانیت ادب کی بہترین مثال ہے اور اس کی نثر اردو کی بہترین نثر میں شمار کی جاتی ہے اسی وجہ کر ایک مشہور نقاد نے کہا ہے کہ ''اگر قرآن پاک اردو نثر میں نازل ہوتا تو ابوالکلام آزاد کی نثر ہی میں نازل ہوتا'' غرض کہ ''غبارِ خاطر'' اردو نثر میں اپنی مثال آپ ہے۔

□ □ □

# علی گڑھ تحریک (سرسید تحریک)

19/ویں صدی میں مغلیہ سلطنت کا زوال دراصل ایک سلطنت کا نہیں بلکہ ایک تہذیب کا زوال تھا چنانچہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر علی گڑھ تحریک وجود میں آئی جو دراصل ایک فطری ضرورت تھی جس سے راہِ فرار اختیار کرنا مشکل تھا۔

علی گڑھ تحریک کو بظاہر صرف سیاسی اور محض تعلیمی تحریک خیال کیا جاتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ ہندستان میں سرسید کے زمانے سے کچھ پہلے ہماری علمی تصانیف کا دائرہ مذہبیات تاریخ تصوف اور تذکرہ نویسی تک محدود تھا۔ علومِ طبعی کا مذاق خال خال تھا ریاضی اور صنائع کی طرف توجہ کی ہمت مدتوں بعد کسی کسی کو ہوتی تھی۔ مذہبیات میں منقولات وروایات سے مواد حاصل کیا جاتا تھا اور مذہب کی ان قدروں پر خاص زور دیا جاتا تھا جو زندگی کو مادّی پہلوؤں سے دور لے جانے والی ہوں۔ تاریخ میں سرسری واقعہ نگاری کے سوا کسی فلسفۂ زندگی کی تلاش نہ تھی اور سرگزشت انسانی واقعات کی چند فہرستوں کے اندراج کے مترادف بن گئی تھی۔ باقی رہا صوفیانہ ادب سو اس کا مابعد الطبیعاتی انداز اور عرفانی رنگ غیر معین اور مبہم موضوعات کا متقاضی تھا۔ تذکرے بہت لکھے جاتے تھے مگر ان میں صحیح تذکرے کچھ زیادہ نہ تھے۔ مناقب اور فضائل کا مبالغہ آمیز بیان عموماً ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ سرسید کی علمی وادبی تحریک نے ان سب رجحانات کو بدل ڈالا اور ایک ایسے علمی مذاق کی بنیاد ڈالی جسے ایک طرف حقیقت اور سچائی کی تلاش تھی تو دوسری طرف وہ افادیت اور مقصدیت کا علم بردار بھی تھا۔ سچائی کی تلاش اور تکمیلِ زندگی وترقی، یہ دو اہم بنیادیں ہیں جن پر سرسید کے تمام علمی کاموں کی بنیاد کھڑی ہے اور یہی علی گڑھ تحریک

کی روح ہے۔ یہ وہ سائنٹی فک نقطۂ نظر ہے جسے پیدا کرنے کا سہرا علی گڑھ تحریک اور اس کے بانی سرسید کے سر ہے۔

علی گڑھ کی علمی تحریک کا اجتماعی عمل ابتداء میں علی گڑھ سے دور غازی پور میں سائنٹی فک سوسائٹی کے قیام سے شروع ہوتا ہے اس سوسائٹی نے جو علمی کارنامے انجام دیے یا دینے چاہئیں وہ بخوبی دیے۔علی گڑھ تحریک کا حقیقی کام وہ نہیں جو علی گڑھ کالج میں ہوا بلکہ وہ ہے جو علی گڑھ تحریک کے علمبردار سرسید اور ان کے رفقاء نے انجام دیا جوان کی تحریک کے اس علمی روح سے متاثر ہوئے اس میں خود علی گڑھ کالج یا علی گڑھ یونی ورسٹی کا حصہ کچھ زیادہ نہیں۔سرسید کے انتقال کے بعد علی گڑھ ایک تعلیمی مرکز ضرور تھا مگر علمی رہنمائی کا منصب اس کے ہاتھ سے چھن گیا تاہم سرسید کی پیدا کی ہوئی علمی لہر قیدِ مقامی سے آزاد ملک میں پھیل گئی۔ان متعدد اور نامور ہستیوں کی فہرست طویل ہے جنہیں ہم علی گڑھ تحریک کے اہم ارکان قرار دے سکتے ہیں اس موقع پر صرف چند نامور افراد کی فہرست پیش کی جاتی ہے:

نواب محسن الملک،نواب وقار الملک،مولانا الطاف حسین حالی،مولانا شبلی نعمانی،مولوی نذیر احمد،مولوی چراغ علی،مولوی ذکاءاللہ،وحید الدین سلیم،نواب عماد الملک اور عبدالحلیم شرر

ان کے بعد دوسرا سلسلہ سامنے آتا ہے:نواب صفدر یار جنگ، ڈاکٹر سرضیاءالدین صاحبزادہ آفتاب احمد خاں،مولوی عبدالحق،مولانا طفیل احمد،مولانا ظفر علی خاں،سجاد حیدر ندیم،مولوی عزیز،مرزا مولوی عنایت اللہ اور مولانا حسرت موہانی وغیرہ وغیرہ

تیسرے سلسلے کے لوگوں میں رشید احمد صدیقی،مولانا عبدالماجد دریا آبادی،خواجہ غلام السیدین،ڈاکٹر عابد حسین،سید ہاشمی فرید آبادی،ڈاکٹر ذاکر حسین،پروفیسر محمد مجیب، قاضی تلمذ حسین اور پروفیسر الیاس برنی

ادبی لحاظ سے علی گڑھ تحریک کے اثرات اور بھی وسیع اور دوررس معلوم ہوتے ہیں نہ صرف اسلوب بیان اور روح مضمون میں بلکہ ادبی انواع کے معاملہ میں بھی نامورانِ علی گڑھ کی توسیعی کوششوں نے بڑا کام کیا اور بعض ایسے اصناف ادب کو رواج دیا جو مغرب

سے حاصل کردہ تھیں اور ہمارے قدیم ادب میں یا تو سرے سے ان کا وجود ہی نہ تھا یا اگر تھا تو ان کی شکل مختلف تھی ان میں بعض نئے رجحانات خاص توجہ کے لائق ہیں مثلاً نیچرل شاعری کی تحریک جس میں آزاد کے علاوہ حالی بھی برابر کے شریک ہیں۔ قدیم طرز شاعری سے انحراف بھی اسی تحریک کا ایک جزو ہے۔ مولانا حالی کی تنقید شاعری میں اسی قسم کے بڑے بڑے اور اہم مسائل زیر بحث آئے ہیں اردو میں تنقید جدید کا آغاز بھی سرسید اور رفقائے سرسید سے ہوتا ہے اور اس سلسلے میں بعد کی بیشتر کوششیں دراصل اسی منزل اولین سے آگے بڑھتی ہیں۔ رفقائے سرسید میں شبلی اور حالی نے نقد ادب کو اس بلند معیار پر پہنچایا جہاں سے آگے وہ ابھی تک کچھ زیادہ نہ بڑھ سکی اس کے بعد سوانح نگاری کا نمبر آتا ہے اس میں خطبات احمدیہ کے بعد بہت نمایاں ترقی ہوئی ہے اور شبلی و حالی اس فن کو وسعت دیتے ہیں چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں فن سوانح نگاری کا مبداُ اور بڑا سرچشمہ تحریکِ سرسید ہی سے نکلتا ہے۔ صداقت اور حقیقت کی تلاش حسنِ ترتیب اور حسنِ انتخاب، ان کی سوانح عمریوں کا ایک خاص امتیاز ہے۔ تاریخ کا علمی انداز بھی اردو میں اسی دور میں پیدا ہوتا ہے۔ شبلی، شرر، ذکاءاللہ اس دور کے بڑے مورخ ہیں آزاد اگرچہ اس حلقے سے باہر ہیں مگر اس زمانے کی ہواؤں سے وہ بھی آزاد نہیں۔ شبلی کے شاگردوں اور رفیقوں نے اسلامی تاریخ کی تحقیق کا کام آگے بڑھایا۔ شبلی کے کارناموں کو علی گڑھ سے جدا کر کے نہیں دیکھ سکتے ہر چند کہ ان کا مرکز بدل گیا تھا، ناول نگاری بھی اسی حلقے کے گرد وپیش سے نمودار ہوئی۔ مولوی نذیر احمد سرسید کے رفیقِ خاص تھے جنہوں نے اردو میں قصے لکھ کر ناول کو مقبول بنایا اور زندگی کے بعض مسائل کی ترجمانی کے ذریعے ادب اور زندگی کا رابطہ قائم کیا۔ شرر جو سرسید کے دائرے کے ایک بزرگ ہیں۔ تاریخ ناول نگاری میں بڑا مقام رکھتے ہیں اور اس طرح ناول کی ترقی کا قدم آگے بڑھتا ہے۔ مکالمہ نگاری بھی سرسید کے طفیل اردو میں ایک مقام حاصل کرتی ہے۔ ''تہذیب الاخلاق'' کے مقالہ نگاروں میں سرسید کے بیشتر رفقائے عظام کے نام نظر آتے ہیں ان کے زیر اثر کچھ مدت کے بعد اردو میں مقالہ نگاری کا

فن ہمارے بڑے فنون ادبی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، شرر، شبلی اور حالی کے مقالے اردو ادب میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔

اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں بھی علی گڑھ تحریک کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ انہوں نے اردو قواعد پر رسالہ تالیف کیا اور اس میں عبارت کے لیے اعراب اور اصول و قواعد مقرر کیے۔ جو اردو میں اپنی نوعیت کا واحد کام تھا۔ سر سید کا ایک اور اہم کارنامہ اردو ٹائپ کو رواج دینا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی ''الہلال'' اور ''البلاغ'' کے لیے ٹائپ ہی کو ترجیح دی۔

علی گڑھ تحریک ایک ہمہ جہت تحریک تھی جس نے زندگی کے تمام روشن پہلوؤں کو اپنے اندر سمو لیا جسے سر سید تحریک کے نام سے بھی جانا جاتا ہے اس تحریک نے ہندستانی عوام خصوصاً مسلمانوں کو ایک نئی صبح کے طلوع ہونے کا پیغام دیا۔

## ترقی پسند تحریک: ادب کے حوالے سے

غریبوں پر کیے جانے والے ظلم اور اس کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کے بطن سے ترقی پسند تحریک وجود میں آئی۔

اس تحریک سے پہلے جتنی بھی تحریکیں سامنے آئی تھیں خواہ وہ ایہام گوئی ہو یا اصلاحِ زبان سے متعلق کوئی تحریک اُن میں کسی قسم کے ارادے کا دخل نہ تھا لیکن اس تحریک کے پیچھے ارادوں کا عمل دخل رہا ہے۔

ترقی پسند تحریک باضابطہ طور پر ادبی صورت میں 1936ء میں شروع ہوئی لیکن اس کی بنیاد اس سے پہلے ہی 1932ء میں شائع ''انگارے'' کے افسانوں سے پڑ چکی تھی۔ ''انگارے'' کے افسانہ نگار سجاد ظہیر، محمود الظفر، احمد علی اور رشید جہاں ہیں جنھوں نے آزادیٔ نسواں اور عورت و مرد کے رشتوں کی وضاحت جیسے اہم معاملات کو مرکزیت عطا کیا تھا۔ اس تحریک کا نظریہ ''ادب برائے زندگی'' یا ادب برائے سماج تھا۔

اس تحریک کی صدارت پریم چند نے کی تھی اور اس کا پہلا اجلاس لکھنؤ میں ہوا تھا۔اس کانفرنس میں ترقی پسند تحریک کے حوالے سے Fundamental اور بنیادی اصولوں کی طرف پریم چند نے رہنمائی بھی کی تھی۔

اس تحریک نے ادب کے تمام اصناف کو متاثر کیا مگر سب سے زیادہ تین اصناف؛ شاعری، افسانہ اور تنقید اس کی گرفت میں آئے

جہاں شاعری کے حوالے سے غزل کو وقار اور عظمت سے سرفراز کرنے والوں میں جذبیؔ، جاں نثار اخترؔ، مجروحؔ سلطان پوری، فیضؔ اور فراقؔ کے نام آتے ہیں وہیں ترقی پسندانہ لب ولہجہ عطا کرنے والوں میں جوشؔ ملیح آبادی، مجازؔ، مخدومؔ محی الدین اور علی سردار جعفریؔ جیسی شخصیتوں کے نام سرفہرست ہیں۔ترقی پسند افسانہ کی روایت کی پہل سب سے پہلے خود پریم چند نے کی اور ان کے بعد راجندر سنگھ بیدی، حیات اللہ انصاری، بہار کے پریم چند، سہیل عظیم آبادی، خدیجہ مستور اور قرۃ العین حیدر نے اسی مشن کو آگے بڑھایا اور ان لوگوں نے بھی سماج اور زندگی کی حقیقتوں کو اپنی اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے۔

تنقید کے حوالے سے مجنوں گورکھپوری سرفہرست ہیں ان کے بعد ترقی پسند تحریک کے سب سے بڑے نقاد سید احتشام حسین کا نام لیا جاتا ہے۔

اس تحریک کا اثر ناولوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اردو ادب کو زندگی سے قریب تر کر دیا اور اردو ادب کو زندگی کا ترجمان بنا دیا۔

اس تحریک نے اپنا رشتہ اپنے زمانے کے سیاسی سماجی اور قومی تحریکوں کے ساتھ بھی رکھا جس کی وجہ سے بہت جلد اسے مقبولیت بھی ملک میں حاصل ہوگئی۔اس تحریک نے اپنا وجود 1950ء تک باقی رکھا اور پھلتی پھولتی رہی اس کے بعد یہ تحریک زوال پذیر ہونے لگی پھر بھی آج اس تحریک کے اثر کو دیکھا جا سکتا ہے۔مختصر یہ کہ ترقی پسند تحریک ادبی حوالے سے بھی ایک اہم تحریک ہے۔

# آثار الصنادید

''آثار الصنادید'' سرسید کی تاریخ نگاری کا عمدہ نمونہ ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اس کے آخری جلد کو تصاویروں سے بیش از بیش مزین کیا گیا ہے۔

سرسید نے 1846ء میں ''آثار الصنادید'' لکھنی شروع کی اور 1847ء میں تقریباً ڈیڑھ سال کی مدت میں یہ کتاب مکمل کیا۔ پہلا ایڈیشن سرسید نے خود اپنے مطبع 'سید الاخبار' سے 1847ء میں شائع کرایا۔ یہ چار ابواب میں منقسم ہے۔ یہ ایڈیشن چھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور ہر باب کے صفحات نمبر الگ الگ ہیں اس میں دلی کی ایک سو اٹھائیس عمارتوں کے خاکے شامل ہیں جنہیں دو مصور مرزا شاہ رخ اور فیض علی خاں نے بنایا تھا۔ ابتدا میں آٹھ صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے۔ مقدمے میں یہ کتاب طامس مٹکاف کے نام منسوب کی گئی ہے۔ مقدمے میں مٹکاف کی نثری مدح کے علاوہ 78/ اشعار کا فارسی قصیدہ بھی شامل ہے

پہلا باب 238/ صفحات پر مشتمل ہے اس باب میں تقریباً ایک سوتیں آثار قدیمہ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ بیشتر عمارتوں کے ذکر کے ساتھ ان کے کتبے بھی نقل کیے گئے ہیں۔ دوسرا باب 44/ صفحات پر مشتمل ہے اس باب میں لال قلعے کی بتیس عمارتوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ باب سوم 72/ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس باب میں شاہ جہاں آباد کی فصیل کے اندر کی ستر عمارتوں دروازوں کھڑکیوں اور فیض نہر وغیرہ کی تفصیلات درج ہیں۔

چوتھا باب 246/ صفحات پر مشتمل ہے جو سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ سرسید نے باب کے شروع میں دلی کی مختلف آبادیوں یہاں کی آب وہوا اور زبان پر روشنی ڈال کر اپنے عہد کے دلی کے ایک سو انیس مشائخ مجذوبوں قاریوں حافظوں شاعروں خوش نویسوں اور موسیقی کاروں کے حالات لکھے ہیں۔ علامہ شبلی ''آثار الصنادید'' کے پہلے ایڈیشن کی زبان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''......''آثار الصنادید'' میں اکثر جگہ بیدل اور ظہوری کا رنگ نظر آتا ہے۔''

ہمارے زمانے کے ماہر آثارِ قدیمہ فرائی کن برگ نے ''آثار الصنادید'' کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''دلی کی اہم عمارتوں پر پُرانے زمانے کے آثار اور اُن کی مقتدر ہستیوں کی زندگی اور رسم و رواج جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے دلی سے تعلق تھا غالباً سب سے زیادہ مکمل اور مستند تفصیلات ''آثار الصنادید'' میں دی گئی ہیں۔''

ایک دوسرے ماہر آثارِ قدیمہ آر۔ ناتھ لکھتے ہیں کہ ''آثار الصنادید'' یورپ میں بہت مقبول ہوئی۔ اُن برطانوی اور فرانسیسی علماء جنہوں نے عہدِ وسطیٰ کے ہندستانی تہذیب پر کام کیا ہے اس سے بہت استفادہ کیا۔''

اسی طرح J.D.Begler نے سرسید کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''سید احمد کا دلی پر عظیم کام ''آثار الصنادید'' اب تک کی شائع ہونے والی (اس موضوع پر) کتابوں میں مکمل ترین ہے۔ میں نے ''آثار الصنادید'' کی ترتیب ہی کو اپنایا ہے۔ ہاں جو غیر دلچسپ چیزیں تھیں انہیں ترک کردیا ہے۔''

جب کہ اَڈورڈ تھامس نے اپنی کتاب ''The Chronicles of the Pathan Kings'' میں ''آثار الصنادید'' سے استفادے کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''اس کتاب میں درج بیش تر معلومات کے لیے میں سید احمد خاں کا شکر گزار ہوں جن کی عظیم الشان ''آثار الصنادید'' سے میں نے استفادہ کیا ہے۔''

غرض کہ آج ''آثار الصنادید'' کا فرانسیسی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی کتاب ہے جو تاریخ کا مرقع بھی ہے جہاں دہلی کی پُرانی عمارتیں Indirect way میں پوری طرح نظر آتی ہیں۔

# اسبابِ بغاوتِ ہند

یہ یادر ہے کہ ''اسباب بغاوت ہند'' ایک رسالہ ہے بعض جگہ اس کا نام ''اسباب بغاوتِ ہندستان'' بھی لکھا ہے دونوں سے ایک ہی رسالہ مراد ہے۔ ''اسباب بغاوت ہند'' کو خدا بخش لائبریری پٹنہ نے شائع کیا ہے یہ رسالہ تقریباً 60/65 صفحات پر مشتمل ہے۔

1857ء کے ناکام انقلاب کے بعد انگریز ہندستانیوں اور خاص طور سے مسلمانوں سے بڑی بے دردی سے بدلہ چکارہے تھے جسے دیکھ کر سرسید کو بہت تکلیف ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے ''اسباب بغاوت ہند'' لکھ کر انگریزی حکومت کے دل سے مسلمانوں کے خلاف پیدا ہونے والی بدگمانی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ بغاوت کا سبب وہ سب غلطیاں بھی تھیں جن کی ذمہ داری انگریز افسروں پر تھی۔ دوستوں نے اصرار کیا کہ سرسید اس رسالہ کی اشاعت نہ کریں کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ اس کی وجہ سے سرسید پر حکومت کا عتاب نازل ہو جائے گا۔ اس کے برعکس سرسید کا خیال تھا کہ مسلمانوں اور برطانوی حکومت کے درمیان جو غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے اُسے دور کرنے کے لیے اس رسالہ کی اشاعت ضروری ہے بہ قول حالی ''سرسید نے دو رکعتیں بطور نفل ادا کیں اور دعاء مانگی اور اُسی وقت دو کم پانچ سو جلدوں کا پارسل ولایت کو روانہ کیا اور ایک جلد گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دی۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1859ء میں مطبع مفصلیٹ گزٹ آگرہ سے شائع ہوا۔ حالی نے ''حیاتِ جاوید'' میں ضمیمے کے طور پر یہ کتاب شامل کر لی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 66/ صفحات پر مشتمل مطبع مفید عالم آگرہ سے 1903ء میں شائع ہوا۔ کسی انگریز افسر نے اس رسالے کا انگریزی میں ترجمہ کرنا شروع کیا لیکن وہ پورا نہیں ہو سکا پھر کرنل گریہم نے ترجمہ کیا جو 1873ء میں شائع ہوا۔

غرض یہ کتاب انگریزوں کو صحیح صورتِ حال سے باخبر کرانے کے لیے لکھی گئی تھی۔

# انتخاب مضامینِ سرسید

یہ تمام مضامین سرسید کے ہیں جن کی تعداد تقریباً 18/ ہے۔تعارف کے نام سے کچھ باتیں پروفیسر آل احمد سرور نے پیش کی ہیں اور سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر کے عنوان سے مولانا شبلی نعمانی نے بھی اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔''انتخاب مضامین سرسید'' تقریباً 124/صفحات پر مشتمل کتاب یا مضامین کا مجموعہ ہے جو لائق دید ہے۔اس مجموعہ کے اندر تعصب، تکمیل،عورتوں کے حقوق، تعلیم وتربیت، کاہلی، اخلاق، ریا، مخالفت ،خوشامد، گزرا ہوازمانہ، بحث وتکرار، امید کی خوشی، اپنی مدد آپ کے عنوان سے مضامین لکھے گئے ہیں۔

''گزرا ہوازمانہ'' کے تحت سرسید لکھتے ہیں کہ جب وقت گذر جاتا ہے تو ہائے ہائے کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ نیکی کر، نیکی ہی باقی رہنے والی شئی ہے۔

اخیر میں سرسید نے اپنے قوم کے بچوں کے مخاطب ہو کر کہا کہ قوم کی بھلائی پر کوشش کروتا کہ اخیر وقت میں بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔

''بحث وتکرار'' کے تحت سرسید فرماتے ہیں کہ انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتوں کی طرح بحث وتکرار کرنے سے پرہیز کرے۔

آگے لکھتے ہیں کہ انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اس کو پرکھنے کے لیے بحث ومباحثہ ہی کسوٹی ہے اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیکی ہے مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب وشائستگی، محبت اور دوستی کو ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہئے۔''

''امید کی خوشی'' کے تحت لکھتے ہیں کہ ہماری زندگی میں جو بھی چیز بہت دور ہے وہی ہم کو زیادہ خوش کرنے والی ہے۔'' سرسید امید کو یقین کی اکلوتی بیٹی قرار دیتے ہیں جس امید نے حضرت آدمؑ کو تسلی دیا۔آگے لکھتے ہیں کہ ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی دنیا جہاں ہم کو ہمیشہ رہنا ہے وہاں سورج کی اور زمانہ کی لہر بھی نہیں پہونچی۔تیری راہ تین چیزوں سے طے

ہوتی ہے(1)ایمان کے توشہ(2)امید کے ہادی(3)موت کی سواری سے، مگران سب چیزوں کوسب سے زیادہ قوت جو دیتی ہے وہ ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے جس کا پیارا نام امید ہے۔امید ہمیشہ دل کی تسلی کی راہ ہے۔غرض بڑے اچھے مضامین ہیں۔ہمیں پڑھ کرسبق حاصل کرنا چاہیے۔

❑ ❑ ❑

# 'مسدس حالی' کا تنقیدی جائزہ

''مسدس حالی'' در حقیقت 136 رصفحات پر مشتمل ہے۔ اُس میں مقدمات کے نام سے جناب سید سلیمان ندوی کا ایک مقدمہ ہے اور ''مسدس کی مصلحانہ شان'' کے عنوان سے ایک مقدمہ جناب خواجہ غلام السیدین کا ہے۔ ''مسدس حالی'' کے متعلق بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ'' حالی نے ذات پات کا جھگڑا بالکل اٹھادیا اور اس نے اپنا درد دل اُس زبان میں سنایا جسے اکثر لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں یہ تو آسان زبان کے متعلق مولوی عبدالحق کی رائے ہے۔

وہ اسلوب کے متعلق فرماتے ہیں کہ'' شروع سے آخر تک ایک عجیب تسلسل ہے۔جس کا تار کہیں نہیں ٹوٹتا اور پڑھنے والے کو ایک لمحہ کے لیے بھی کہیں رکنے کی نوبت نہیں آتی جوش کی وہ فراوانی ہے گویا ایک چشمہ ابل رہا ہے باوجود ادبی خوبیوں کے سادگی کا یہ عالم ہے کہ اس پر ہزار صنائع بدائع قربان ہیں اور ہزاروں خوبیوں میں ایک خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد صداقت پر ہے۔ادب میں حسن وخوبی کا آخری معیار صداقت یا حقیقت ہے۔''

ہماری شاعری میں مسدس نظم کی ایک ایسی قسم ہے۔جس کا نبھانا آسان نہیں ہے اچھے اچھے مشاق شاعر بھی رہ جاتے ہیں اور بھرتی کے مصرعوں سے چول بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انیس جیسا باکمال شاعر، بھی مسدس جس کی ملکیت ہوگئی ہے، بھرتی کے بے ربط مصرعے داخل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن حالی کا کمال یہ ہے کہ سارے مسدس میں مصرعہ تو کیا، ایک لفظ بھی بھرتی کا نظر نہیں آتا۔ ہر مصرعہ دوسرے سے ایسا گتھا ہوا ہے کہ چھیوں مصرعے ایک جان اور ایک ذات ہو گئے ہیں اس کے قطع نظر اس کے باطن کو دیکھئے تو ایسی

پُر جوش حیرت انگیز اور سبق آموز اور دلوں کو ابھارنے اور غیرت دلانے والی نظم ہماری کسی زبان میں نہیں۔ اس کا مدوجزر بہت ہی صحیح نام ہے بقول مولوی عبدالحق ''مسدس ہماری قومی زندگی کا کامل مرقع ہے جس میں ہمارے خدوخال صاف صاف نظر آتے ہیں، پھر حسنِ بیان نے اسے معراج کمال تک پہنچا دیا ہے۔ وہ اس میں اخوت ہمدردی اتفاق خودداری حب وطنی جفاکشی اور بے تعصبی وغیرہ کا سبق دیتے ہیں۔ یہاں تیز نشتر بھی ہے جو جگر کے پار ہوجاتا ہے لیکن یہ نشترِ غم گسار سرجن کا ہے نہ کہ بے دردو بداندیش کا۔''

دردمندانہ اقوال ادبی نکات اور اخلاقی جواہر پارے کا مجموعہ ''مسدس حالی'' ہے۔

اس کے متعلق مولانا عبدالماجد دریا آبادی یوں رقم طراز ہیں کہ ''زندگی اِس کلام کو بھی نصیب نہ ہوگی تو اور کس کو ہوگی؟ حق یہی ہے کہ اس کی عمر بڑھے اور خوب بڑھے اور ہم جیسے حشرات الارض قسم کے فانیوں کے تخیل سے انداز ے سے، کہیں بڑھ کر رہے!''

''مسدس حالی'' کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''قبولِ عام کا حال یہ ہے کہ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک اور جاہلوں سے لیکر عالموں اور واعظوں تک کی زبانوں پر اس کے بند کے بند چڑھے ہوئے ہیں۔''

سب سے پہلے مسدس نے اسباب تنزل پر روشنی ڈالا بایں طور کہ 1857ء کے بعد ہندستان میں مسلمانوں کو دفعتاً اپنی حالت دگرگوں نظر آنے لگی کل جو بادشاہ تھے وہ آج فقیر ہو گئے کل جو دسترخوانِ نعمت کے بادشاہ تھے وہ نان شبینہ کے محتاج ہو گئے۔

بغداد کی تباہی پر سعدی نے ماتم کیا۔ ٹھیک اسی طرح مسدس نے مرثیہ کا کام کیا اور لوگ اس کو پڑھ پڑھ کر دل کھول کر روئے۔ یہ ایک دردبھری داستان تھی جس نے سنا بیتاب ہو گیا۔

مسدس میں قوم کو حرکت میں لانے کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی قومی تاریخ کے پُر فخر کارناموں کو شاید سب سے پہلی دفعہ اس طرز و اسلوب سے اس ملک میں بیان کیا گیا تھا۔ عرب ہند مصر اندلس اور شام کی کہانی مسلمانوں نے مسدس کی زبان سنی، اس مسدس میں غم اور فکر کے سرمایے کے ساتھ اس عجیب وغریب کتاب میں موجودہ حالت کا احساس

پیدا کر کے آئندہ کی فکر کا سامان بھی تھا۔ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے عیوب اور کمزوریوں کا راز فاش کر کے اس کے سامنے اپنی حالت کے سدھارنے کا خاکہ بھی کھینچا گیا تھا۔

مسدس قوم کی 13 رسو برس کی حالت و کیفیت کا ایک آئینہ تھا جس میں اُن سب کے چہرے کا ایک ایک خط و خال نمایاں تھا۔

وہ شاعری جو صرف گل و بلبل کی حکایت کا سامان رہ گئی تھی اس میں شاعر نے اپنی مسیحا نفسی سے ایک عظیم الشان قومی انقلاب کی تاثیر پھونک دی۔

# مقدمہ شعروشاعری

''مقدمہ شعروشاعری'' میں حالیؔ نے شعروشاعری کے متعلق کارآمد نکات لکھے ہیں۔ شاعری کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ شاعری کا ملکہ بیکار نہیں ہے جہاں تک اس کی تاثیر کی بات ہے تو وہ اس بات کے قائل ہیں کہ شعر کی تاثیر مسلم ہے بلکہ لکھتے ہیں کہ پولی ٹیکل معاملات میں شعر سے بڑے بڑے کام لیے گئے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ شاعری ناشائستگی کے زمانہ میں ترقی پاتی ہے اسی طرح وہ لکھتے ہیں کہ شاعری شائستگی میں قائم رہ سکتی ہے۔

شاعری کے متعلق حالی کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(1) شاعری سوسائٹی کے تابع ہے۔

(2) قومی سلطنتوں میں شعرا کی قدر مفید ہوتی ہے مگر شخصی حکومت میں مضر ہوتی ہے۔

(3) شخصی حکومت میں شاعری کی آزادی سے اُس کو نقصان پہنچتا ہے۔

(4) بُری شاعری سے سوسائٹی کو نقصان کئی طرح کے پہنچتے ہیں۔

(5) بُری شاعری سے لٹریچر اور زبان کو صدمہ پہنچتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ حالیؔ نے شاعری کے لیے تین شرطیں ضروری قرار دی ہیں (i) تخیل (ii) کائنات کا مطالعہ (iii) تفحصِ الفاظ۔ حالیؔ یہ فرماتے ہیں کہ شعر میں سادگی بھی

ہونی چاہئے۔ سادگی کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ سادگی ایک اضافی امر ہے ہمارے نزدیک کلام کی سادگی کا معیار یہ ہونا چاہئے کہ خیال کیسا ہی بلند اور دقیق ہو مگر پیچیدہ اور ناہموار نہ ہو۔ الفاظ جہاں تک ممکن ہو روزمرہ کی بول چال کے قریب قریب ہو۔ جس قدر شعر کی ترکیب معمولی بول چال سے بعید ہوگی اُسی قدر سادگی کے زیور سے معطل سمجھی جائے گی۔

اصلیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس بات پر شعر کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ نفس الامر میں یا لوگوں کے عقیدہ میں یا محض شاعر کے عندیہ میں فی الواقع موجود ہو، یا ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اُسی کے عندیہ میں موجود ہے۔

شعر میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہیے۔ اس کے متعلق ملٹن کا خیال ہے کہ سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو۔ یوروپین محقق ان لفظوں کی شرح اس طرح کرتا ہے کہ ''سادگی سے صرف لفظوں ہی کی سادگی مراد نہیں ہے بلکہ خیالات بھی ایسے نازک اور دقیق نہ ہونے چاہئے جن کے سمجھنے کی عام ذہنوں میں گنجائش نہ ہو۔

حالی لکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کسی مضمون کے لکھنے پر اُس وقت تک قلم نہیں اٹھانا چاہئے جب تک اس کی چیٹک دل کو نہ لگی ہو۔ کسی کی فرمائش سے کسی کے دباؤ سے یا کسی اور مجبوری کے سبب بغیر اقتضائے طبعی اور ولولۂ باطنی کے جو شعر کہا جائے گا یا جو نظم سرانجام دی جائے گی اس میں اثر اور زور پیدا کرنا دشوار ہے۔

تین اصناف؛ غزل قصیدہ اور مثنوی کے متعلق چند مشورے دیئے گئے ہیں۔ غزل کی صلاح تمام اصنافِ سخن میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ غزل کی صلاح جس قدر ضروری ہے اُسی قدر دشوار بھی ہے۔ غزل میں جو عام دل فریبی ہے اصلاح کے بعد اس کا قائم رہنا نہایت مشکل ہے۔

غزل کو جن لوگوں نے چمکایا اور مقبول خاص و عام بنایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو آج تک ہل اللہ صاحب باطن یا کم سے کم عشقِ الٰہی کا راگ گانے والے سمجھے جاتے ہیں جیسے عدیؒ، رومیؒ، خسروؒ، حافظؒ، عراقیؒ، مغربیؒ، اور جامیؒ وغیرہ ان بزرگوں سے پہلے غزل کی رف زیادہ اعتنا نہیں پایا جاتا تھا۔

قصیدہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر قصیدہ بھی جس کے معنی مطلق مدح وذم کے لیے جائیں اور اس کی بنیاد محض تقلیدی مضامین پر نہیں بلکہ شاعر کے سچے جوش اور ولولے پر ہو تو شعر کی ایک نہایت ضروری صنف ہے۔

حالی فرماتے ہیں کہ زندوں کی تعریف کو قصیدہ بولتے ہیں اور مُردوں کی تعریف کو جس میں تأسف اور افسوس شامل ہوتا ہے مرثیہ کہتے ہیں۔عرب کی قدیم شاعری میں قصائد اور مرثیے ایسے سچے اور صحیح حالات و واقعات پر مشتمل ہوتے تھے کہ ان سے متوفی کی مختصر لائف استنباط ہو سکتی تھی۔

مرثیہ کے متعلق حالی یہ فرماتے ہیں کہ مرثیہ میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے کیوں کہ اس کا مقصد صرف رونا اور رولانا ہے مگر یہ سامعین کو دوسری طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیتا۔دوسری بات یہ ہے کہ ان کی پیروی اور اقتدا کرنے کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے تھا۔

وہ مرثیہ گویوں کی اتباع سے رکنے اور بچنے کی تعلیم دیتے ہیں۔انیس کی پیروی سے بھی روکتے ہیں اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس خاص طرز میں اب کوئی شخص ان کا سا کمال حاصل کر سکے، یہ امید نہیں معلوم ہوتی۔دوسرے وہ بتلاتے ہیں کہ مرثیہ میں رزم و بزم فخر و خودستائی اور سراپا وغیرہ کو داخل کرنا، لمبی لمبی تمہیدیں اور طولیے باندھنے گھوڑے اور تلوار وغیرہ کی تعریف میں نازک خیالیاں، بلند پروازیاں کرنے اور شاعرانہ ہنر دکھانے کے موضوعات مرثیہ کے بالکل خلاف ہیں۔حالی تو یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو شاعری کا سارا کمال زبان کی صفائی مضمون کی سادگی و بے تکلفی، کلام کے موثر بنانے اور آورد کو آمد دکھانے میں صرف کرنا چاہئے تاکہ وہ اشعار جو بے انتہا فکر و غور اور کاٹ چھانٹ کے بعد مرتّب ہوئے ہیں ایسے معلوم ہوں کہ گویا بے ساختہ شاعر کی قلم سے ٹپک پڑے ہیں۔ تیسرے یہ کہ مرثیہ کو صرف واقعۂ کربلا کے ساتھ مخصوص کرنا اور تمام عمر اسی مضمون کو دہراتے رہنا اگر محض بہ نیت حصول ثواب ہو تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن شاعری کے فرائض اس سے زیادہ وسیع ہونے چاہئیں وغیرہ وغیرہ

غرض کہ حالی نے غزل قصیدہ اور مرثیہ کی اصلاح کے بہت سارے کارآمد نسخے بتائے ہیں جن کی اگر شناخت کی جائے تو اردو ادب کے لیے کافی عمدہ نگار خانہ تیار ہو سکتا ہے۔

# فورٹ ولیم کالج

1800ء میں لارڈ ویلزلی کے حکم سے فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا اس کا مقصد انگریز ملازمین کو مقامی زبانوں سے آشنا کرنا تھا۔اس کالج سے اردو نثر کو بہت فائدہ پہنچا اس کے ذریعہ 400/ سے زائد کتابیں شائع ہوئیں۔

اس سے منسلک، بہت سارے مصنفین تھے اُن میں میر امن دہلوی سب سے زیادہ مشہور ہوئے انہوں نے ''باغ و بہار'' جیسی شاہکار تصنیف یہیں لکھی، ''گنج خوبی'' بھی اُن سے ہی یادگار ہے۔ اس کالج سے متعلق مصنفوں میں سب سے زیادہ کتابیں حیدر بخش حیدری نے لکھی؛ ''طوطا کہانی'' اور'' آرائشِ محفل'' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔میر شیر علی افسوس نے'' گلستاں'' اور'' خلاصۃ التواریخ'' کا اردو ترجمہ کیا ہے۔مرزا علی لطف نے ''تذکرۂ گلشنِ ہند'' رقم کیا۔میر بہادر علی حسینی نے ''سحر البیان'' کو''نثر بے نظیر'' کی شکل میں منتقل کیا ہے غرض کہ اس کالج کو اردو نثر کے ارتقاء میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

□ □ □

# زبانوں کا ہند آریائی خاندان

ہندستان میں زبانوں کا سب سے اہم خاندان ہند آریائی نام سے موسوم ہے۔ زبانوں کا یہ خاندان اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے آریہ ہندستان میں داخل ہوئے۔ یہاں آنے سے پہلے تک وہ جو زبان بولتے تھے وہ اپنے پہلے مرحلہ میں 'ہند یوروپی' کہلاتی ہے اور دوسرے مرحلہ میں 'ہند ایرانی'۔ پہلے اور دوسرے مرحلے سے مراد یہ ہے کہ آریہ ہندستان میں آنے سے پہلے ایرلن جاتے ہیں اور ایران جانے سے پہلے تک وہ اُس خطے میں رہتے ہیں جو کہ یوروپ اور ایشیاء میں مشترک ہے اِسی مشترک خطے کو آریوں کا اصل وطن بتایا گیا ہے۔

علمائے لسان نے اس زبان کی ترقی کے تین مدارج بتائے ہیں جو اس طرح ہیں:

(1) قدیم ہند آریائی 1500ر ق م سے 600ر قبل مسیح تک

(2) وسطی ہند آریائی 600ر ق م سے 1000ء تک

(3) جدید ہند آریائی 1000ء سے تا حال

## (1) قدیم ہند آریائی: (1500ر ق م تا 600ر ق م)

ہند آریائی کا قدیم دور ایک ہزار سال کے عرصے پر محیط ہے یہ دور 1500ر قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اور 500ر قبل مسیح پر ختم ہو جاتا ہے اس دور میں جس زبان کا عروج ہوتا ہے اُسے سنسکرت کہتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں:

(a) ویدک سنسکرت: (1500ر ق م تا 1000ر ق م)

(b) کلاسیکی سنسکرت: (1000ر ق م تا 500ر ق م)

## (a) ویدک سنسکرت

اس دور میں فروغ پانے والی زبان کی وہ شکل ہے جس میں وید لکھے گئے۔ لسانی اعتبار سے ''رگ وید'' کی بے حد اہمیت ہے۔ اس کتاب میں اس دور کی قدیم زبان کے نمونے محفوظ کردیئے گئے ہیں۔ ویدک سنسکرت میں بولیوں کے تین روپ ہیں۔ ''قدیم ترین روپ'' اُس وقت کا ہے جب آریہ محض پنجاب تک پہنچے تھے۔ اس کے بعد ''وسطی بولی'' ہے جب آریہ مدھیہ پردیش تک جا بسے تھے اور آخری منزل ''مشرقی بولی'' ہے۔

## (b) کلاسیکی سنسکرت

سنسکرت کی دوسری قسم کلاسیکی سنسکرت کہلاتی ہے جس میں ادبی نمونے پائے جاتے ہیں۔ کلاسیکی سنسکرت بعد کے برہمنوں، اُپنیشدوں، رامائن اور مہا بھارت کی زبان ہے۔
قدیم ہند آریائی دور کو تین علاقائی بولیوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(i) ادیچہ (ii) مدھیہ دیسی (iii) پراچیہ

(i) ادیچہ:۔ ادیچہ بولی ہندستان کے شمال مغرب خطے میں بولی جاتی تھی۔ یہ آریوں کی معیاری بولی سمجھی جاتی تھی۔ اس میں سنسکرت کے الفاظ کا صحیح تلفظ کیا جاتا تھا اور سنسکرت کے قواعد کی پابندی بھی کی جاتی تھی۔

(ii) مدھیہ دیسی:۔ ادیچہ اور پراچیہ کے درمیان کے علاقے کی بولی کو مدھیہ دیسی کہتے تھے۔ یہ بولی نہ تو بہت زیادہ معیاری تھی اور نہ بہت بگڑی ہوئی سمجھی جاتی تھی۔

(iii) پراچیہ:۔ ہندستان کے مشرقی علاقہ کی زبان ''پراچیہ'' کہلاتی تھی یہ بولی کم معیاری سمجھی جاتی تھی اس میں سنسکرت الفاظ کے تلفظ کو بگاڑ دیا جاتا تھا۔

## (2) وسطی ہند آریائی: (500ق م تا 1000ء)

500ق م تک پہنچتے پہنچتے سنسکرت زبان دم توڑ چکی تھی اور اس کی جگہ عوام نے ایک

ایسی زبان اختیار کر لی جو تلفظ کے لحاظ سے آسان اور قواعد کے لحاظ سے سادہ تھی۔ اس زبان کو "پراکرت" کہا گیا۔ پراکرتوں کی درج بندی تین حصوں میں کی گئی ہے:

(a) پہلی پراکرت (500 ق م تا 100ء)

(b) دوسری پراکرت (100ء تا 500ء)

(c) تیسری پراکرت (500ء تا 1000ء)

## (a) پہلی پراکرت یا پالی دور

پہلی پراکرت پراکرتوں کا ابتدائی دور ہے اس دور میں دو قسم کی زبانوں کا ارتقاء ہوتا ہے (i) پالی اور (ii) اشوک کے کتبوں کی زبان

(i) پالی:۔ 'پالی' کا تعلق مہاتما بدھ سے ہے کیوں کہ پالی ہی وہ پراکرت تھی جس کو انہوں نے بدھ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا۔

(ii) اشوک کے کتبوں کی زبان:۔ اُسی زمانے میں اشوک نے شمال مغربی ہندستان اور مشرقی علاقوں میں اپنے کتبے نصب کروائے تھے جس کی زبان کو بہت اہمیت حاصل ہوئی۔

## (b) دوسری پراکرت

اس دور میں ادبی پراکرتوں کا ارتقا ہوتا ہے۔ اس لیے وسطی ہند آریائی کے دوسرے دور کو ادبی پراکرتوں کا دور کہا جاتا ہے۔ ادبی پراکرتوں کی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں جو شمال مغرب سے لے کر مشرق تک پھیلی ہوئی تھی۔ ادبی پراکرتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(i) مہاراشٹری پراکرت:۔ یہ مہاراشٹر کے علاقے میں بولی جاتی تھی۔ ادبی حیثیت سے مہاراشٹری پراکرت کو سب سے زیادہ عروج حاصل تھا۔

(ii) شورسینی پراکرت:۔ اس کا مرکز "متھرا" تھا۔ سنسکرت کے بعد اعلیٰ طبقہ میں سب سے زیادہ مقبولیت اسی پراکرت کو حاصل تھی۔

(iii) ماگدھی پراکرت :۔ یہ مگدھ دیش کی پراکرت تھی۔ یہ وہ پراکرت تھی جو آریوں کی تہذیب وتمدن سے دور جاپڑی تھی۔

(iv) اردھ ماگدھی پراکرت:۔ یہ ماگدھی اور شورسینی پراکرت کے درمیانی علاقے میں بولی جاتی تھی آج کل یہ علاقہ مشرقی یوپی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

(v) پشاچی پراکرت:۔ یہ پراکرت ہندستان کے شمال مغرب علاقے میں بولی جاتی تھی جو آج پنجاب اور کشمیر کا علاقہ ہے۔عوام میں یہ زبان بھوت پریت کی زبان سمجھی جاتی تھی۔

## (c) تیسری پراکرت

500ء سے 1000ء تک کے عرصہ میں جس زبان کا ارتقاء ہوا اُسے ''اپ بھرنش'' کہتے ہیں۔ پراکرت جب بگڑ گئی تو یہی ''اپ بھرنش'' کہلائی۔

## جدید ہند آریائی

یہ دور 1000ء سے حال تک محیط ہے۔ یہ دراصل اُن اپ بھرنشوں کا دور ہے جو فطری زبانوں یا پراکرتوں کے پہلو بہ پہلو سر اٹھا رہے تھے جس طرح سنسکرت کو دھکیل کر پراکرتوں نے جگہ لے لی تھی۔اسی طرح اپ بھرنشوں نے پراکرتوں کو ہٹا کر خود ان کی جگہ سنبھال لیں اور عوام کی روزمرہ ضرورتوں کا بار اپنے سر لیا جس طرح سنسکرت کو شدھ اور پاک صاف رکھنے کے لیے اس کے قواعد نویسوں نے اس کو قاعدے قانون کی پابندیوں میں جکڑ دیا تھا اور یوں اس کا بڑھتا ہوا دہانہ سکڑ گیا تھا۔اسی طرح پراکرت کے قواعد نویسوں نے جب پراکرتوں کے لیے کچھ ایسے ہی کڑے اصول ایجاد کیے تو اس کی ترقی کو بھی صدمہ پہنچا اور اس کا چوڑا ہوتا دہانہ سمٹ گیا۔زبان کو خالص رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے والے چند لوگ ہوتے ہیں جو اُسے عوام کی ہمدردیوں سے محروم کردیتے ہیں۔روزمرہ ضرورتیں گفتار کے مختلف اسالیب اختیار کرتی ہیں جن میں صناعی اور بناوٹ کے بجائے ضرورت کی لغات پر زور ہوتا ہے چنانچہ ایک ٹوٹا پھوٹا شکستہ محاورہ عوام کی بارگاہ میں پروان چڑھنے لگتا ہے یہی

پراکرتوں کے ساتھ بھی ہوا۔ چنانچہ اپ بھرنش جس کے معنی تقریباً وہی ہیں جو ریختہ کے، آگے بڑھنے لگے اور سنسکرت کے اب تمام علاقوں میں پراکرتوں کی جگہ اپ بھرنش، انہیں ناموں سے آگئے۔ اُن اپ بھرنشوں کی لسانی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ آج کی جدید ہند آریائی زبانیں تقریباً سب کی سب انہیں اپ بھرنشوں سے نکلی ہیں۔ یہ کل 5/اپ بھرنش ہیں جو اس طرح ہیں:

(1) شورسینی اپ بھرنش:۔ علاقہ شورسین یعنی متھرا وغیرہ میں بولے جانے والے اپ بھرنش، جس سے (a) کھڑی بولی یا ہندستانی نکلی (جس سے موجودہ اردو اور ہندی نکلی) (b) راجستھانی (c) مشرقی پنجابی (d) گجراتی اور پہاڑی بولیاں۔

(2) ماگدھی اپ بھرنش:۔ یہ بڑے وسیع علاقے میں بولی جاتی تھی۔ مختلف جگہوں پر مختلف ناموں سے یاد کی جاتی تھی بنگال میں ''پراچیہ''، ''گوڑ'' اور ''ڈھکئی'' جس سے موجودہ آسامی اور بنگالی نکلیں۔ اڑیسہ میں یہ ''ات کل'' کہلائی جس سے موجودہ اُڑیہ نکلی۔ بہار کی تمام بولیاں اسی سے نکلیں۔ بہار کی مگہی، ماگدھی کی ہی بگڑی شکل ہے۔

(3) اودھ ماگدھی:۔ بہار سے الہ آباد تک کا علاقہ۔ پوربی یا مشرقی ہندی کی تمام بولیاں اسی کے تحت آتی ہیں۔ یعنی اودھی، چھتیس گڑھی، بھوج پوری وغیرہ

(4) مہاراشٹری:۔ سنسکرت میں جس صوبہ کو مہاراشٹر کہا گیا ہے وہ 'برار' تھا وہی اس کا خاص مرکز تھا

(5) مراچڈ اور کیکئی اپ بھرنش:۔ پراچڈ سے سندھی اور کیکئی سے ''لہندا'' نکلیں۔ سندھی اور لہندا میں مماثلت ہے۔

جدید زبانوں کا تعلق اپ بھرنش اور پراکرت کے وسیلے سے سنسکرت سے جاملتا ہے۔ اس طرح جدید ہند آریائی زبانیں اپنی اصل میں ایک ہی سرچشمے سے فیض یاب ہوئی ہیں۔

# کھڑی بولی

اردو اور کھڑی بولی کے رشتے کو سمجھنے کے لیے کھڑی بولی کے علاقے اور اس کے تاریخی پس منظر کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ مدھیہ دیس سے مراد مغربی اتر پردیش اور مشرقی پنجاب کا علاقہ ہے۔ ''رگ وید'' کے آخری اشلوک اسی گنگا جمنی وادی میں تربیت پائے۔ کلاسیکی سنسکرت کی بنیاد متھرا کے آس پاس رکھی گئی۔ سنسکرت کے بعد اسی علاقہ کی پراکرت اور اپ بھرنش کا سکہ چلتا رہا اس کے بعد ہندو مسلم ملاپ کے نتیجہ میں ایک نئی زبان پیدا ہوئی تو وہ بھی اسی علاقہ میں بولی جانے والی کھڑی بولی کو بنیاد بنا کر آگے بڑھی۔ شروع میں یہ روز مرہ بول چال کی زبان تھی رفتہ رفتہ ادب کی زبان بھی بننے لگی۔

خواجہ مسعود سعد سلمان (1130ء) کے بعد حضرت امیر خسرو کا کلام صاف وشستہ کھڑی میں ہے ان سے قبل کا ادب راجستھانی میں ہے یا برج میں، خسرو نے دہلی اور اس کے نواح میں بولی جانے والی زبان استعمال کی۔ یہ دور آگے کی طرف چلتا رہا جب کبیر داس کا زمانہ آیا تو ان کے یہاں بھی کھڑی کے خالص نمونے موجود ہیں ؎

کبیر کہتا جات ہوں سنتا ہے سب کوئے
رام کہہ بھلائے ہوگا نہیں تو بھلا نہ ہوئے

ان کے بعد گرونانک کا زمانہ آیا۔ گرونانک کی مادری زبان پنجابی ہے مگر ان کے کلام میں کھڑی کا ٹھیٹھ انداز موجود ہے۔

میر جعفر زٹلی کی ہزل گوئی میں بھی کھڑی بولی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے ؎

گیا اخلاص عالم سے عجب یہ دور آیا ہے
ڈرے سب خلق ظالم سے عجب یہ دور آیا ہے

ان میں اہم نام منور خاں دلگیر کا ہے جس کا زمانہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا زمانہ ہے۔ اس کے کلام میں کھڑی بولی کی جو شکل نظر آتی ہے وہ اپنے اصل روپ میں آج بھی جوں کی توں موجود ہے۔ کھڑی بولی کے محاورے اور روز مرے نے روز مرہ کی ضرورتوں کی کفالت کی

اورادب کی شکل اختیار کرنے کے بعد بھی اس نے بہت اہم رول ادا کیا۔خاصا عرصہ تک برج بھاشا کو امتیازی حیثیت حاصل رہی۔ پنجابی نے بھی کافی دنوں تک اردو کی دست گیری کی۔ ہریانی نے بھی پشت پناہی کی اسی طرح راجستھانی بھی اردو کو آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوئی۔اردو میں ان تمام بولیوں کا ایک لطیف امتزاج پایا جاتا ہے۔

ابتدائی اردو جو شمال میں لکھی گئی اس میں برج بھاشا کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔کلامِ ولی کی دلی آمد کے بعد بھی جب ریختہ گوئی کا چرچا عام ہوا اور ایہام گو شعرا منصۂ شہود پر آئے۔ یہ صاف برج بھاشا کا اثر ہی تھا چنانچہ اس کے بعد جب ایہام گوئی کی مخالفت شروع ہوئی اور شاہ محمد حاتم نے ایہام گوئی ترک کر کے اپنے کلام کی نئے سرے سے ''دیوان زادہ'' کی شکل میں تدوین کی تو اس دیباچے میں یہ صراحت بھی کی کہ عام فہم اور خواص پسند طریقہ اختیار کیا جائے اس طرح رفتہ رفتہ کھڑی بولی کا محاورہ اپنی اصل شان کے ساتھ نکھرتا گیا اور زبان نے اپنی اصل کو پالیا۔اس لیے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اردو کھڑی بولی کی یہی صاف شستہ نکھری ہوئی شکل ہے۔

□ □ □

# مغربی ہندی

مغربی ہندی نہ کسی زبان کا نام ہے اور نہ کسی ایک بولی کا۔ گریرسن کے مطابق مدھیہ پردیش میں بولی جانے والی پانچ بولیاں ''مغربی ہندی'' کی ایک اصطلاح کے تحت آتی ہیں جب کہ مشرقی علاقوں میں بولی جانے والی میتھلی، اودھی، چھتیس گڑھی، بگھیلی اور بھوجپوری کو وہ ''مشرقی ہندی بولیاں'' کہتا ہے۔

مغربی ہندی کی پانچ بولیاں یہ ہیں:

(1) کھڑی (2) ہریانہ (3) برج (4) بندیلی (5) قنوجی

مغربی ہندی کی ان تمام بولیوں کا تعلق اُس شورسین اپ بھرنش سے بتایا گیا ہے جو اپنے ماضی میں پراکرت کے واسطے سے سنسکرت سے متاثر رہی ہے جو اپنے دورِعروج میں لاہور سے بنگال تک اثر انداز ہوتی تھی اور جس سے بے شمار جدید آریائی زبانیں نکلیں۔

مغربی ہندی کی یہ پانچ بولیاں: دو گروہ میں:

(1) کھڑی اور ہریانوی رہریانی (2) برج، بندیلی اور قنوجی کھڑی اور ہریانوی میں ضمائر اور افعال کا خاتمہ 'الف' پر ہوتا ہے جیسے کہنا لینا دینا وغیرہ۔ جبکہ برج بندیلی اور قنوجی میں افعال اور ضمائر کا خاتمہ 'او'یا 'واو' پر ہوتا ہے۔ جیسے ضمائر میں میرو (میرا) تمہارو (تمہارا) اور افعال میں 'کہیو، لیجئیو' دیجئیو' وغیرہ۔ ع

میرا اسلام کہئیو اگر نامہ بر ملے

(1) برج بھاشا: برج بھاشا کو شورسینی اپ بھرنش کی سچی جانشیں بھی کہا گیا ہے۔ یعنی

برج بھاشا، مغربی ہندی کی دوسری بولیوں کے مقابلے میں شورسینی اپ بھرنش اور شورسینی پراکرت کی مجموعی خصوصیات کی حامل رہی ہے۔اس کی سچی جانشینی کے تین اہم ترین اسباب ہیں:

(a) برج بھاشا ہی ادب کی زبان تھی، سنسکرت پراکرت اوراپ بھرنشوں میں جو بھی ادب اور قواعد کی کتب تخلیق ہوئی۔اس سلسلۂ تصنیف وتالیف کو منقطع ہونے کے بعد جو درمیان کا خلا ہے،اس خلا کو برج نے ہی پُر کیا۔

(b) برج کی اس اہمیت کا راز '' بھگتی تحریک'' بھی ہے

(c) جب اکبر نے دہلی کے بجائے آگرہ کو راجدھانی بنایااور اکبر کے اس اقدام سے برج بھاشا کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی ، بازاروں منڈیوں ہی میں نہیں محلات شاہی اور سرکاری دفاتر میں بھی برج بھاشا کا بول بالا تھا۔

برج: متھرا، الہ آباد اور بھرت پور کی خاص بولی تھی اس کے علاوہ بُرج کے اثرات کا یہ سلسلہ گجراتی راجستھانی اور میواتی پر محیط تھا۔

(2) بندیلی یا بندیل کھنڈی: یہ علاقہ ہمیر پور، باندا، جھانسی او جالون کے ضلعوں پر مشتمل ہے۔ بندیلی ان اضلاع کے علاوہ مین پوری، شمالی آگرہ، اور ایٹہ تک بولی جاتی ہے۔ کیشو داس اور پدماکر جیسے بڑے شاعروں اور نقادوں کا تعلق اسی بولی سے ہے۔مثال جاڑا سے جارا، ساڑی کی جگہ ساری، جھاڑو کی جگہ جھارو۔

بعض تلفظ کی جداگانہ خصوصیات ہیں۔جیسے بیٹی کو بٹیا، گھوڑے کو گھُروا وغیرہ

(3) قنوجی بولی: یہ بولی ایٹہ، فرخ آباد اور شاہجہاں پور میں اپنی شکل میں آج بھی موجود ہے۔اس کا نام قنوج کی مناسبت سے ہے، قنوج ضلع فرخ آباد میں ہے۔اس مقام کو تاریخی حیثیت حاصل ہے، یہ راجپوتوں کے راٹھور ونش کا مرکز رہ چکا ہے،ان سے بھی پہلے رامائن میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

برج کے ہمہ گیر اثرات کے سبب یہ ادبی طور پر کبھی پنپ نہ سکی۔ یہ بھی یاد رہے کہ

گریرسن کو اسے الگ سے کوئی بولی ماننے میں تامل رہا ہے۔

(4) ہریانی: ہریانی کو بانگڑو اور جاٹو کہا گیا ہے۔ ہریانی دہلی کے شمالی مغربی اضلاع کرنال رہتک، حصار اور گڑگاؤں وغیرہ میں بولی جاتی ہے۔ اس علاقے کے لوگ زیادہ تر فوج میں بھرتی ہوتے تھے، یہ علاقہ سیاسی اتھل پتھل سے بھی کچھ زیادہ دوچار ہوتا رہا ہے، اس لیے اس علاقے کی بولی میں بہت زیادہ تبدیلیاں رونما ہوتی رہی ہیں یہ ایک طرف کھڑی کے اثرات کو قبول کرتی رہی مثلاً یہاں کرتا اور کہتا بھی ملتا ہے اور پنجابی کے زیر اثر کردا اور کہندا بھی ملتا ہے۔ ہریانی کے اس تبدل اور تغیر کے سبب گریرسن اسے کھڑی بولی کی ہی ایک شکل بتاتا ہے تاہم کچھ لوگ اسے گنوارو زبان سے تعبیر کرتے آئے ہیں۔ عبدالواسع ہانسوی کی ''غرائب اللغات'' ہریانی زبان کی پہلی تصنیف سمجھی جاتی ہے جس سے کچھ لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہانسی اور ہانسی کے نواح میں بولی جانے والی ہریانی، ایک زمانے میں معیاری بولی مانی جاتی تھی۔

(5) کھڑی بولی: کھڑی کا علاقہ میرٹھ، مظفرنگر، سہارن پور کے اضلاع اور دہرہ دون کا میدانی علاقہ ہے۔ مرادآباد خورجہ بجنور اور رام پور میں بھی کھڑی بولی ہی بولی جاتی ہے۔ میرٹھ، مظفرنگر اور سہارن پور کی کھڑی بولی مستند سمجھی جاتی ہے۔ کھڑی بولی دوسری بولیوں کے مقابلے میں قدیم ترین ہے لیکن اس کا کوئی ادبی نمونہ پندرہویں صدی سے قبل کا موجود نہیں ہے۔ یہ واضح رہے کہ اردو کی تہہ میں جو بولیاں ہیں ان میں کھڑی بولی کو ایک قسم کی بالادستی حاصل ہے۔

□ □ □

# دکن میں اردو کی ابتدااوراس کا ارتقاء

یہ بات اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ اردو زبان دہلی اور اطراف دہلی میں پیدا ہوئی لیکن اس پیاری زبان نے اپنے ارتقائی منازل شمالی ہند کے ساتھ ساتھ دکن میں بھی طے کیے۔اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ ادبی زبان کے طور پراس کی صحیح شناخت دکن میں ہوئی۔شروع شروع میں اس زبان کو ادبی مورخوں نے کبھی ہندی کبھی ہندوستانی اور کبھی دکنی کہہ کر پکارا ہے بقول پروفیسر مسعود حسین خاں: اس زبان کا دکنی نام بہت زیادہ قدیم نہیں، اُن کے خیال میں عہد بہمنی کے کسی مصنف نے بھی اپنی زبان کو دکنی نام سے نہیں پکارا ہے بلکہ یہ دکنی نام قطب شاہی اور عادل شاہی ریاستوں کے قیام کے بعد پڑا ہے۔

ویسے تو اردو شمالی ہند میں تقریباً ایک سو سال تک فروغ پانے کے بعد دکن کا رخ کرتی ہے۔دکن میں اردو کا عمل دخل دکن پر مسلمانوں کے حملوں سے شروع ہوتا ہے۔سب سے پہلے دہلی کے سلطان علاء الدین خلجی کی فوجیں جنوبی ہند پہنچیں اور دلی کی مرکزی سلطنت کا علاقہ دکن میں دور تک پھیل گیا، یہ 13/ویں صدی تھی۔ مسلمان فوجی عمال، اہل حرفہ،صوفی فقراء اور شمالی ہند کے لوگ اپنے ساتھ وہ ملی جلی زبان بھی لے گئے جو ابھی اچھی طرح نہیں بن پائی تھی بقول پروفیسر احتشام حسین'' تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ابتدا میں انہوں نے اسی زبان سے کام چلایا، یہاں تک کہ وہ ترقی کرکے ادب کی زبان بن گئی۔'' دوسرا اہم واقعہ جس نے جنوبی ہند میں اردو کے پھیلنے میں مدد کی وہ 14/ویں صدی میں پیش آیا جب محمد بن تغلق نے 1327ء میں دیوگری کو دولت آباد بنا کر اپنا دارالسلطنت بنایا اور دہلی کی تمام رعایا دکن کے لیے کوچ کرگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دکن میں اس زبان کو وہ مقبولیت ملی جس کا تصور

تھوڑا مشکل معلوم ہوتا ہے۔سب سے حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس زبان نے جہاں جنم لیا وہاں اس کا قابلِ اعتناء ادب نہ تھا جب کہ 14 رویں صدی ختم ہوتے ہوتے دکن میں اردو زبان رائج ہو چکی تھی۔

اردو کے حوالے سے دکن میں ابتدائی جو بھی رسالے ملتے ہیں، اس پر تصوف کا ہی غلبہ ہے اور یہ صوفیانہ ادب بہمنی سلطنت کے خاتمے تک پھیلا ہوا ہے پھر بہمنی سلطنت 15 رویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہی پانچ حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے جن میں تخلیقِ ادب کی نظر سے بیجاپور اور گول کنڈہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔جس سے آج بھی اردو کا دامن گراں بار ہے۔

سب سے پہلا نام جس سے دکنی اردو ادب کی ابتدا کی جا سکتی ہے خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا ہے جو بہت بڑے عالم تھے، فارسی اور عربی میں ان کی کئی کتابیں مشہور ہیں وہ مریدوں اور عام لوگوں کے لیے اپنے خیالات اردو ہی میں ظاہر کرتے تھے۔''معراج العاشقین'' ان کی تصنیف نہ سہی، لیکن ''شکار نامہ'' اور'' تلاوۃ الوجود'' ان کی تصنیفات ہیں۔ تقریباً آٹھ کتابیں اُن سے موسوم کی جاتی ہیں۔ان کے بعد ان کے پوتے عبداللہ حسینی ایک مشہور صوفی گزرے ہیں جنہوں نے مشہور کتاب ''نشأۃ العشق'' کا ترجمہ اردو میں کیا۔اسی زمانے میں نظامی نے ایک مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' لکھی۔اس طرح اردو ادب کی ابتدا تو ہو گئی مگر اس کی حقیقی اور واقعی ترقی بیجاپور اور گول کنڈہ کی ترقی کے ساتھ ہوئی۔فخر دین نظامی کے علاوہ 15 رویں صدی میں سب سے پہلا نام شاہ میراں جی کا ملتا ہے جو اپنے تصوف اور قابلیت کی بنیاد پر شمس العشاق کہے جاتے ہیں۔ان کی تصنیفات میں ''شہادۃ الحقیقت'' ''خوش نغز'' ''خوش نامہ'' اور ''شرح مرغوب القلوب'' مشہور و اہم ہیں۔میراں جی کے صاحبزادے برہان الدین جانم بھی بہت بڑے صوفی گزرے ہیں۔انہوں نے بھی کئی کتابیں لکھیں ان میں ''وصیت الہادی'' ، ''ارشاد نامہ'' قابل اعتناء ہیں۔انہوں نے نثر میں ''کلمۃ الحقائق'' تصنیف کی جو موضوع کے اعتبار سے ''معراج العاشقین'' کے مشابہ ہے۔

برہان الدین جانم کے صاحبزادے امین الدین اعلیٰ ہیں جو اپنے باپ دادا سے بڑے شاعر ہوئے۔ ان کی نثری تصنیفات بھی ان کی شاعری کی طرح اہمیت رکھتی ہیں۔ ''محب نامہ'' اور ''رموز السالکین'' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ امین الدین اعلیٰ کی نثری تصنیفات میں ''گنج مخفی'' اور ''وجودیہ'' بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ شاہ محمد قادری سید میران حسینی، سید شاہ اشرف بیابانی اور شاہ معظم اہمیت کے حامل ہیں۔

1490ء میں قائم ہونے والی عادل شاہی حکومت میں کئی بادشاہ خود اردو میں لکھتے پڑھتے تھے، ان میں سب سے مشہور ابراہیم عادل شاہ ثانی ہے وہ صرف دکنی زبان اور اس کی شاعری سے محبت نہیں رکھتا تھا بلکہ ہندستان کے فنِ موسیقی میں بھی کامل تھا۔ اُس نے ایک کتاب ''نورس'' کے نام سے لکھی۔ اس کے بعد محمد عادل شاہ کے چاروں طرف کئی شعراء جمع ہو گئے تھے جن میں رستمی، ملک خوشنود، دولت شاہ، عبدل اور مقیمی یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ رستمی کی طویل نظم ''خاور نامہ'' ہے، اسی طرح ملک خوشنود اپنی مثنوی ''ہشت بہشت'' کے لیے مشہور ہے، عبدلؔ نے ''ابراہیم نامہ'' تصنیف کی اس کے بعد علی عادل شاہ ثانی آیا وہ بھی شاعر تھا جو شاہیؔ کے نام سے لکھتا تھا جس کا درباری شاعر نُصرتی تھا جس کی دو کتابیں ''گلشنِ عشق'' اور ''علی نامہ'' بہت مشہور ہیں۔ ہاشمی بیجاپوری کی مشہور تصنیف ''یوسف زلیخا'' ہے۔

بیجاپور کی طرح گول کنڈہ میں بھی اردو ادب کی بڑی ترقی ہوئی۔ اس خاندان کے آخری چار بادشاہ اردو کے صرف شاعر ہی نہیں بلکہ شاعروں کے سرپرست بھی تھے۔ گول کنڈہ کا پانچواں بادشاہ محمد قلی قطب شاہ اردو ادب کا ایک عظیم شاعر تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کا بھتیجا محمد قطب شاہ خود ایک بڑا شاعر بلکہ شاعروں کا سرپرست بھی تھا۔ پھر محمد قطب شاہ کا بیٹا عبداللہ قطب شاہ گدی پر بیٹھا وہ بھی شاعر تھا اور اس کا مجموعۂ کلام بھی موجود ہے اس کے درباری شعراء میں غواصی، قطبی، ابن نشاطی، طبعی، جنیدی اور امینؔ خاص ہیں۔ اسی طرح گول کنڈہ کا آخری بادشاہ ابوالحسن قطب شاہ بھی شاعر تھا۔

محمد قلی قطب شاہ کے عہد حکومت میں وجہی نہایت معزز شاعر اور نثر نگار گزرا ہے

''قطب مشتری''، ''سب رس''اس کی شاہکار تصانیف ہیں۔غواصی کی تصنیفات میں ''سیف الملوک وبدیع الجمال''،''طوطی نامہ'' کا ذکر آتا ہے،ابن نشاطی کی''پھول بن''اس کے شاعر ہونے کی غماز ہے۔اس طرح اردو زبان 17 رویں صدی کے آخر میں گجرات مدراس،میسور کے کچھ حصوں میں پہنچ گئی اور وہاں بھی بہت کچھ لکھا گیا۔

غرض کہ دکن میں اردو کے ارتقاء کی کڑی ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی سے جا کرملتی ہے۔ولی نے غزل، مثنوی، قصیدہ بلکہ ہر ایک پر قلم فرسائی کی ہے۔ان کا دیوان متعدد بار شائع ہو چکا ہے،وہ دکن کے سب سے بڑے شاعر تھے انہیں اردوشاعری کا بابا آدم بھی کہا گیا ہے جہاں تک سراج اورنگ آبادی کی بات ہے تو انہوں نے بھی اردو کی آبیاری میں نمایاں حصہ لیا ہے جس پران کی کلیات گواہ ہے۔

مختصر طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو کو فکری سرمایہ یا جوروحانیت دکن کے شعراء نے عطا کیا وہ آج بھی زندہ وتابندہ ہے،اس طرح اردو کی ابتدااورارتقاء دکن میں ہوتی ہے۔

## دکنی اردو کی لسانی خصوصیات

اردو کے ارتقاء کے حوالے سے دکن کا اپنا ایک اہم مقام ہے، اس کا ادبی سرمایہ کافی وقیع ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اُس کی لسانی اہمیت سے بھی انکارنہیں کیا جا سکتا۔اس حوالے سے مرزا خلیل احمد بیگ یوں لکھتے ہیں کہ''دکنی اردو کی لسانی خصوصیات کچھ تو شمالی ہند کی بولیوں کی دین ہیں جن کے خمیر سے یہ زبان تیار ہوئی ہے اور کچھ مقامی لسانی اثرات کا نتیجہ ہیں۔''جب یہ زبان دکن پہنچی تو اس پر شمالی ہند بالخصوص نواحِ دہلی کی ایک سے زائد بولیوں کے اثرات تھے، دکن پہنچ کر یہ اثرات کم نہ ہوئے بلکہ اس پر مرہٹی کے اثرات بھی پڑنے شروع ہو گئے اسی طرح دکنی اردو پر تلگو اور دراویڈی خاندان کی دوسری زبانوں اور بولیوں کے اثرات بھی پڑے ہیں۔

ذیل میں دکنی اردو کی کچھ لسانی خصوصیات درج کی جاتی ہیں:

(1) 'ہ' اور 'ھ' عام طور پر استعمال میں نہیں آتے جیسے مُج (مجھ) تُج (تجھ) اندے (اندھے) وغیرہ

(2) 'ہ' کے بجائے 'ی' کا استعمال بھی ملتا ہے جیسے پیلا (پہلا)

(3) 'سوں'، 'سیں'، 'تھی' کے الفاظ 'سے' کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں

(4) یائے معروف (ی) یائے مجہول (ے) میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا

(5) جمع 'آں' لگا کر بنائی جاتی ہے جیسے مرد سے مرداں، لوگ سے لوگاں وغیرہ

(6) ماضی مطلق بنانے کے لیے علامتِ مصدر (نا) گرانے کے بعد 'یا' بڑھا دیتے ہیں جیسے پڑھنا سے پڑھیا وغیرہ

(7) فاعل اگر جمع مونث ہو تو فعل میں بھی 'آں' کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جیسے عورتیں جاتیاں وغیرہ

(8) الفاظ کا مشدد ہونا بھی ایک اہم صوتی خصوصیت ہے جیسے حلق کو حلّق وغیرہ

(9) 'ق' کو 'خ' میں بدل دیا جاتا ہے جیسے بندوق کو بندوخ وغیرہ

(10) کبھی کسی ساکن حرف کو حرکت دے دینا جیسے عقل سے عقَل وغیرہ اور اس کا برعکس بھی رائج ہے

(11) 'چ' کا استعمال دکنی اردو میں 'تاکید' کے لیے کیا جاتا ہے

(12) مستقبل کے لیے 'سی' کا استعمال کرتے ہیں

(13) علامتِ فاعل (نے) کا استعمال نہیں ہوتا جیسے عبدالحق پڑھا، عبدالوارث لکھا عبدالرافع کھایا وغیرہ وغیرہ

❑ ❑ ❑

# کدم راؤ پدم راؤ

بہمنی دور کی تصنیف ''کدم راؤ پدم راؤ'' اردوئے قدیم کی پہلی دریافت شدہ تصنیف ہے۔ مثنوی کے روپ میں دکنی زبان کا یہ پہلا شاہکار ہے جسے فخر دین نظامی بیدری نے تصنیف کیا ہے، یہ مثنوی احمد شاہ ولی بہمن کے دورِحکومت میں لکھی گئی۔ اس مثنوی کا بنیادی اسلوب سنسکرت اور پراکرت ہے چوں کہ نظامیؔ سنسکرت کے اسالیب سے بہت مانوس تھے چنانچہ اس کی مثالیں دیکھئے:

کون پرس جونا گرے پاؤ تھیں
کون رکھ جونا ڈلے باؤ تھیں

روئی گھانس تھیں آگ جھانپی جے جائے
تب اوگھڑ کیا کچھ سکے چھپائے

نظامیؔ کا شعری اسلوب ادق تو ضرور ہے مگر اس میں آہنگ کی روانی بھی موجود ہے، وہ استاد شاعر ہے اور ترکیبوں کی ساخت سے ایک ایسا شعری لحن بنانے میں قدرت رکھتا ہے جسے اس کے عہد کے لحن سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

''کدم راؤ پدم راؤ'' کی زبان بہت مشکل اور عسیر الفہم ہے اس پر سنسکرت، پراکرت اور علاقائی زبانوں کے الفاظ کا گہرا اثر ہے، زبان و بیان اور لسانی خصوصیات کے اعتبار سے یہ بولی گجراتی سے مماثل اور قریب ہے، اس میں دو اسلوب ملتے ہیں، یہ مثنوی ساڑھے پانچ سو سال سے زیادہ پُرانی تصنیف ہے اور اردو ادب کی اولین روایت کی نمائندہ ہے، اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ''کدم راؤ پدم راؤ'' کے بیان میں بیجا پھیلاؤ کا احساس نہیں

ہوتا بلکہ بات کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کا انداز ملتا ہے۔

''کدم راؤ پدم راؤ'' کے متعلق جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ'' بارہ ہزار الفاظ اس مثنوی میں استعمال ہوئے ہیں اور یہ مثنوی ہندو مذہب کے عوامی روایات سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن وہ مذہبی روایات سے بھی غافل نہیں رہے۔''

''کدم راؤ پدم راؤ'' کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ سابقے اور لاحقے میں ہندی عربی اور فارسی روایات کو جس آزادی کے ساتھ مثنوی نگار نے برتا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ اس مثنوی میں 1865 / اشعار ہیں، اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مثنوی قدیم ہے اور قدامت کی وجہ کر تھوڑی مشکل ہے مگر اختصار کی وجہ سے آج بھی مقبول خاص وعام ہے۔

❑ ❑ ❑

# گلشنِ عشق

بیجاپور کی بزم شاعری کے دورِ آخر سے تعلق رکھنے والا نُصرتی علی عادل شاہ ثانی کا عظیم درباری شاعر ہے جس نے مثنوی ''گلشنِ عشق'' تصنیف کیا ہے، یہ مثنوی طبع زاد نہیں ہے۔ نُصرتی وہ شاعر ہے جس نے شعری تجربات کی دنیا کو نہ صرف استحکام بخشا بلکہ اسے نئے تجربات کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اپنی ذات میں وہ نابغہ تھا، ماضی، حال اور مستقبل پر اس کی نظر گہری تھی، نُصرتی کی زبان دبستانِ بیجاپور کی قدامت پسندی پر زور نہیں دیتی۔ اس کے یہاں لفظوں کا داخلی پہاڑ موجود ہے، وہ زبان کے سماجی مسائل سے آنکھیں بند نہیں کرتا جس کی مثال ''گلشنِ عشق'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ''گلشنِ عشق'' نصرتی کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ یہ مثنوی 1068ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ ''گلشنِ عشق'' کی کہانی اُس عہد کی دیگر کہانیوں سے مختلف نہیں ہے۔ کہانی کے کردار واقعات حادثات، ارتقاء اور انجام مروجہ روایتی کہانیوں جیسا ہے۔ اُس عہد کی تمام کہانیوں میں دیو مالائی اثرات کا تانا بانا یکساں طور پر نظر آتا ہے۔ دکن کی آخری بڑی عشقیہ مثنوی ''گلشنِ عشق'' کا قصہ ایک فطری بہاؤ کی طرح رواں دواں نظر آتا ہے، اس میں قصے کے واقعات کی نشو و نما بھی ایک خودکار بہاؤ کی طرح جاری رہتی ہے۔ واقعات کی کڑی در کڑی بحسن و خوبی ایک دوسرے میں پیوست ہوتی چلی جاتی ہے اور ہر بار آگے بڑھ کر ایک نئے سلسلۂ واقعات سے منسلک ہو جانے کا عمل جاری رہتا ہے۔ قاری کی دلچسپی برقرار رہنا، گزشتہ واقعات سے مسحور ہوتے ہوئے اگلے واقعات میں جذب ہونے کا منتظر رہنا۔ یہ اچھی مثنوی کی شناخت کا معیار بھی ہے جو پوری طرح ''گلشنِ عشق'' میں نمایاں ہے۔ اس مثنوی میں منوہر اور مدمالتی کے عشقیہ جذبات کو

بیان کیا گیا ہے۔ بیشتر مثنوی نگار ہیرو کو لامتناہی مہمات میں پھنسا کر قصے کو طویل کرتے رہتے ہیں لیکن نصرتی نے یہاں بھی مہماتی عمل کو حدِ توازن ہی میں رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ مثنوی ایک دل چسپ قصہ کی مثنوی بن جاتی ہے۔ مناظر فطرت کی اگر ہم بات کریں تو اس کے بیان میں نصرتی کو کمال حاصل ہے۔ نصرتی کی شاعری کے جوہر وہاں کھلتے ہیں جہاں وہ مناظر فطرت، جذبات و کیفیات، مقامات کے نقشے، رسومات یا آرائش وغیرہ کی تصویر ابھارتا ہے۔ اس مثنوی سے اس دور کی معاشرت، تہذیب کی ایک تصویر نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ بیجاپوری دبستان میں نصرتی آخری بڑا شاعر ہے جس نے اُس مقامی اسلوب کی شدت پسندی کی جگہ واضح طور پر فارسی شعری لغت کا استعمال کر کے زبان کے دبے دبے اسلوب کو یک دم ایک وسیع شعری فضا میں سانس لینے کا موقع دیا۔ نصرتی نے اپنی عشقیہ مثنوی ''گلشنِ عشق'' میں فارسی شعری لغت کی طرف اپنے جھکاؤ کا ذکر کیا ہے وہ فخر سے کہتا ہے کہ اُس نے دکنی شعر کو فارسی بنا دیا ہے۔

''گلشنِ عشق'' کے حوالے سے جمیل جالبی یوں لکھتے ہیں کہ ''گلشنِ عشق'' میں تصور عشق کی وہی شدت نظر آتی ہے جو پہاڑوں کو کاٹ کر دودھ کی نہر نکالنے کا حوصلہ دیتی ہے جو عاشق کو صحرا صحرا پھراتی ہے جہاں زمان و مکان کے پردے جذبۂ عشق سے اٹھ جاتے ہیں۔ اظہارِ بیان ایسا کہ قدیم زبان ہونے کے باوجود ایک امنڈتے دریا کا احساس ہوتا ہے۔ زور بیان اور جوش ایسا کہ الفاظ ہاتھ باندھے نصرتی کے سامنے کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ مثنوی زبان و بیان کے اعتبار سے بیجاپوری اسلوب کے جدید روپ کا نقطۂ عروج ہے لیکن مزاج و ہیئت کے اعتبار سے یہ گول کنڈہ کی مثنویوں سے قریب تر ہے۔'' ملا وجہی کے مقابلے نصرتی کے یہاں زبان کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور رواں دواں شکل ہے۔ نصرتی لفظوں کے انتخاب میں بڑا ماہر ہے لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود کچھ کمزوریاں بھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عشق و رنگینی کی وہ دنیا جو بیجاپور میں شاہی اور گول کنڈہ میں محمد قلی قطب شاہ وجہی، غواصی کے یہاں موجود ہے، نصرتی کے ہاں نہیں ملتی، وہ ان کے مقابلے

سادگی کی طرف مائل ہے۔ اسی طرح نصرتی کے ہاں حسن کی تشبیہوں اور تمثالوں کا ایک میلہ تو ضرور موجود ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے پیچھے جذبے، احساس یا تخیل کی حرارت نہیں ہے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ نصرتی نے فارسی اور ہندی اسالیب میں نقطۂ مفاہمت پیدا کرنے کی پوری کوشش کی ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ نصرتی کی ''گلشنِ عشق'' ایک قابلِ قدر تصنیف ہے

❑ ❑ ❑

# علی نامہ

''علی نامہ'' ایک خالص رزمیہ نظم ہے اوراس رزمیہ کی بنیاد ٹھوس تاریخی واقعات وحقائق اور کرداروں پر مشتمل ہے، اس کے واقعات پُرعظمت ہیں۔اس مثنوی میں علی عادل شاہ ثانی کی حکومت کے ابتدائی دس سالوں کو بنیاد بنایا گیا ہے۔نُصرتی جب رزمیہ لکھتا ہے تب اس کا اصل جوہر سامنے آتا ہے۔وہ بڑے منظروں اور بڑے واقعات کا شاعر تھااور وہ بذات خود ان رزمیوں کا شاہد بھی تھا۔اس لیے اس کی ذاتی شرکت اوراس کے ذاتی مشاہدے نے علی نامہ کی رزمیہ میں قوت پیدا کر دی ہے لیکن اس نے اسے مختلف جنگوں کی تفصیلات تک محدود رکھا ہے۔

نُصرتی کا کمال یہ ہے کہ جنگ اور تاریخ کے خشک موضوع کورس دار بنادیا ہے،نُصرتی نے''علی نامہ'' کے لیے ایک رزمیہ صوتی بحر منتخب کی ہے اس بحر کے آہنگ میں ایک مسلسل ابھار کی کیفیت بھی موجود رہتی ہے اور یہ کیفیت جوش وخروش کا مظہر بن جاتی ہے۔نُصرتی کی مثنوی''علی نامہ''1165ء میں وجود پائی اور یہ مثنوی بھی ''گلشنِ عشق'' کی طرح نُصرتی کی یاد ہمیشہ تازہ کرتی رہے گی۔

□ □ □

# دیوانِ ریختی

ہاشمی بیجاپوری کا اصل نام سید میراں میاں خاں ہاشمی تھا، وہ علی عادل شاہ ثانی کے عہد کا ممتاز شاعر تھا اور شاہ ہاشم مہدوی کا مرید تھا جنہوں نے ہی انہیں ہاشمی تخلص سے نوازا تھا۔ تذکرہ نویسوں کے مطابق یہ نابینا تھے اس کے باوجود یہ ایک قادرالکلام اور پُر گو شاعر تھا۔ ویسے تو ہاشمی بیجاپوری نے مثنویاں بھی لکھی قصیدے اور غزلیں بھی۔ سوائے" دیوانِ غزلیات" کے ان کی دوسری چیزیں غیر مطبوعہ ہیں۔ ان تمام تصنیفوں میں دو مثنویاں "یوسف زلیخا" "معراج نامہ" اور" دیوان ریختی" زیادہ مشہور ہیں۔ کچھ نقادوں کا یہ بھی خیال ہے کہ وہ ریختی کا موجد ہے۔ عشق ہاشمی کا محبوب موضوع ہے اس کی ایک شکل اس کی غزلوں میں ملتی ہے اور دوسری شکل "یوسف زلیخا"، "قصہ" اور "معراج نامہ" میں ملتی ہے۔ ہاشمی بیجاپوری کا کمال یہ ہے اُنھوں نے واقعات کا بیان ترتیب وار کیا ہے اور آئندہ واقعہ کو تجسس کے لیے چھپا کر رکھا ہے۔ دوسرا کمال ان کا یہ ہے کہ ولی دکنی کے قبل کے شاعروں میں ہاشمی ہی وہ تنہا شاعر دکھائی دیتا ہے جنہوں نے غزل گوئی کی طرف خصوصی توجہ دی۔ گویا ہاشمی نے ولی کے لیے ایک نیا راستہ تلاش کیا۔ غزل میں جس فنی اور موضوعاتی اجتہاد کے لیے ولی پہچانے گئے اس کا نقشِ اول ہاشمی نے تیار کیا تھا۔ ہاشمی بیجاپوری کا کمال یہ بھی ہے کہ لفظوں سے تصویر کشی کا عمل ان کی ساری شاعری میں بار بار محسوس ہوتا ہے۔ ہاشمی چیزوں کو اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھنے کی صلاحیت سے تو محروم تھا لیکن اپنے تخیل کی آنکھ سے دیکھ کر لفظوں کے ذریعے بیان کرنے پر اچھی طرح قادر تھا، یہ بھی ہاشمی بیجاپوری کا کمال ہے۔

ہاشمی عبوری دور کے زبان و بیان کا شاعر ہے۔ایک طرف تو وہ قدیم ادب کے زبان و بیان کا گہرا اثر لیے ہوئے تھا اور دوسری طرف وہ ولی کے زبان و بیان کے امکانات کو بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔

ہاشمی بیجاپوری کے حوالے سے جمیل جالبی یوں رقم طراز ہیں کہ ”فنی اعتبار سے ہاشمی اُس دور کا صفِ اول کا شاعر ہے اور اس کا نام نُصرتی کے بعد ہی لیا جانا چاہئے۔زبان و بیان کی سطح پر وہ بیجاپوری اسلوب کے نئے عبوری دور کا شاعر ہے جس کا رشتہ ناتا ایک طرف اسلوب بیان کی پُرانی روایت سے قائم ہے اور ساتھ ساتھ جدید اسلوب کے امکانات بھی اس کے ہاں اپنا زور دکھا رہے ہیں۔“

مختصر یہ ہے کہ ہاشمی بیجاپوری اور اس کی تصنیفات ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

□ □ □

# کلیاتِ شاہی

علی عادل شاہ ثانی صرف بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ شاعر بھی تھا اور شعراء کی سرپرستی بھی کرتا تھا۔ اس کا تخلص شاہی تھا۔ یہ سلطان محمد عادل شاہ کا اکلوتا بیٹا اور عادل شاہی خاندان کا آٹھواں بادشاہ تھا۔ نُصرتی نے علی عادل شاہ ثانی کو ''علی نامہ'' میں کئی جگہ اُستاد عالم کہا ہے وہ فارسی میں بھی شاعری کرتا تھا لیکن اس کا بنیادی رجحان دکنی زبان کی طرف تھا، اس نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی، اس نے قصیدے مثنویاں اور غزلیں بھی لکھیں وہیں مراثی گیت اور دوہرے بھی لکھے جو اُن کی کلیات میں موجود ہیں۔ اس کے اردو دیوان میں چھ قصیدے ہیں جن میں چار مذہبی اور دو حوضِ محل اور باغ کی تعریف میں ہے

فارسی صنف و ہیئت کی پیروی کے باوجود شاہی کے ہاں ہندوی مزاج اپنے مخصوص رنگ وروپ کے ساتھ باقی رہتا ہے، اور اس کی شاعری میں جشن، طرب اور ایک سرمستی کی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی شاعری میں لمس کا احساس شدت سے ہوتا ہے، خیال صورت بن کر آتا ہے جسم بن کر ابھرتا ہے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاہی کے روح میں موسیقی تیر رہی ہے اور اس کے ہاں ہندستانی مزاج اور مقامی روایات کا اثر نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے

شاہی کا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنی زبان کو پرکشش بنانے کی حتی الامکان کوشش کی ہے اسی طرح یہ بھی شاہی کا کمال ہے کہ فارسی قصیدے کی روایت کو احتیاط و توازن کے ساتھ پرکھنے کی کوشش کی ہے

علی عادل شاہ ثانی شاہی نے اپنی شاعری میں تشبیہات استعارات اور رنگ وفضا میں ہندوی روایت کا خاص خیال رکھا ہے۔ غرض کہ شاہی کی شاعری قابل اعتناء ہے اور اس حوالے سے اُسے یاد رکھا جائے گا۔

# محمد قلی قطب شاہ کی شاعری

محمد قلی قطب شاہ، قطب شاہی سلطنت کا پانچواں بادشاہ گزرا ہے۔ وہ حُسن کا شاعر جہاں ایک طرف ہے وہیں وہ ایک پُرگو اور اردو زبان کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر بھی ہے۔ کلیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی نجی صحبتوں میں شاعری کی زبان میں اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کرتا تھا طبیعت کی روانی میں کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی تھی۔ محمد قلی قطب شاہ نے اپنی شاعری کو صرف ادب کے مخصوص موضوعات کے دائرے تک محدود نہیں رکھا بلکہ زندگی کی ہر چھوٹی بڑی اہم، غیر اہم بات کو شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی شعری توانائی میں مقامی جمالیات ہی کی نیر نگیاں دکھائی دیتی ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کا کمال یہ ہے کہ ان کے یہاں کوئی جذبہ احساس خیال یا تجربہ روایتی نہیں ہے، اردو میں محمد قلی قطب شاہ کے بعد ایسے شعراء کم ملتے ہیں جن کے خیال اور فعل میں کوئی فرق نہ ہو، ان کے یہاں شاعری اور زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے ،محمد قلی قطب شاہ کا یہ بھی کمال ہے کہ ادب کو سچ بولنے کا سلیقہ اور حوصلہ دیا۔

پیاریوں پر جو نظمیں لکھی گئی ہیں اُن کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اُن میں ہر پیاری کی اپنی کچھ انفرادیت ہے جب کہ فارسی عربی اور اردو شاعری کی روایت میں محبوب کی انفرادیت گم ہوگئی ہے اور ہر شاعر کا محبوب ایک جیسا ہوگیا جو مثالی حسن کا کامل نمونہ تھا لیکن اس رسمی روایت کے برخلاف محمد قلی قطب شاہ کی ننھی، سانولی، پیاری، گوری وغیرہ کے خدوخال ایک دوسرے سے اتنے الگ ہیں کہ ان نظموں کی مدد سے مصور، ہر ایک کی تصویر بنا سکتا ہے۔ پروفیسر زورؔ نے ان نظموں کو دو دائروں میں رکھا ہے ایک دائرہ ناز کا ہے اور دوسرا

دائرہ نیاز کا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی شاعری سے پوری طرح واقف تھا، حافظ شیرازی کا اس کی شاعری پر اثر واضح ہے۔

محمد قلی قطب شاہ کے ہاں ہندو اور ہندی تصورات ازبیش ملتے ہیں ایک شعر ملاحظہ ہو۔

بسنت کھیلیں عشق کا آ پیارا
تمہیں ہے چاند، میں ہوں جوں ستارا

محمد قلی قطب شاہ کا سب سے بڑا وصف، خیالات کی وسعت ہے بقول وہاب اشرفی ''محمد قلی قطب شاہ کی نظمیں اور غزلیں اپنے مزاج اور تیور کے اعتبار سے خالص ہندوستانی ہیں۔'' اسی طرح محمد قلی قطب شاہ وہ پہلا شاعر ہے جس نے سراپا نگاری کے لوازم کو نئی معنویت اور حقیقت پسندی عطا کی ہے۔

انہوں نے اپنی عشقیہ شاعری میں بھی انسانی فطرت کو فراموش نہیں کیا ہے اور ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کے کچھ تہذیبی اور آفاقی پہلو ہوتے ہیں یہیں آ کر قلی قطب شاہ اپنی شاعری کو نری جنسیت کے دھبے سے بچا لیتا ہے ساتھ ہی اس بچاؤ کے لیے کہیں کہیں فلسفیانہ اور متصوفانہ اشعار بھی کہہ دیتا ہے، اُسے مجاز میں حقیقت ڈھونڈنے کی فرصت نہیں ملی

حقیقی پیا کو مجازی ستی
ملا وے جو کوئی پاوے عطا

وہ صرف بشری محبت کرتا ہے، فرشتوں کو یہ لذت کہاں میسر ہے؟ چناں چہ کہتا ہے

محبت کی لذت فرشتاں کوں نئیں ہے
بہت سعی موں ہوں یہ لذت پچھانی

محمد قلی قطب شاہ کے کلام کا ابتدائی حصہ حمد مناجات نعت و منقبت پر مبنی ہے جس سے شاعر کے عقیدے اور اس کے مذہبی وابستگی کا سراغ ملتا ہے۔ ''نوروز'' پر قلی قطب شاہ نے جو قصیدے لکھے ہیں ان میں مذہبی جوش و خروش نے جان ڈال دی ہے وہیں فنی اعتبار سے یہ قصیدے کچھ اچھے ہو گئے ہیں۔

تہواروں اور موسموں پر قلی قطب شاہ نے خاصی نظمیں لکھی ہیں، اُن کی جزئیات نگاری سے زیادہ منظر کشی کی عمومیت کو دخل ہے لیکن ان حالات میں بھی وہ مذہبیت اور عیش کوشی کو شیر وشکر کر کے اپنی تعیش پسندی کا جواز ڈھونڈ ہی لیتا ہے ۔

پریاں حوراں مجالس دیکھنے آیاں ہے چھنداں سوں
دلاؤ پاں پٹیاں باندے سواں ہم عید وہم نوروز

یاد رہے کہ مکمل ہندستانیت اور ہندی معاشرت سے محمد قلی قطب شاہ کا کلام آراستہ ہے اس بابت خود محمد قلی قطب شاہ کا خیال ہے کہ ۔

ہندو ریت کوں دیتے ہیں تم رواجاں
کہ بُت خانہ نمنے ہے تو بھی ہمن سر

جہاں تک قلی قطب شاہ کے تصورفن کی بات ہے تو وہ معنی آفرینی اور متنوع موضوعات کی بدولت، اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتا ہے اور اس کے لیے وہ اچھوتی تشبیہوں نادر استعاروں اور صنائع وبدائع کا خوب اور برمحل استعمال کرتا ہے ۔

موگرا چمپا جتا خوشبو اچھے
کیس کے پیچا نہیں پنچے ہیں رات

□ □ □

# سب رس

ملا وجہی کی شاہکار تصنیف ''سب رس'' اردو کی پہلی غیر مذہبی نثر کا نمونہ ہے اور ادبی فنی اور لسانی اعتبار سے بھی اردو نثر میں سرزمین دکن کی اولین اور اہم کتاب ہے۔ ''سب رس'' کا دوسرا نام ''قصۂ حسن ودل'' بھی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ حُسن ودل اس داستان کا مرکزی کردار ہے، ''سب رس'' کی نوعیت تمثیلی ہے جہاں تک اس کی زبان کی بات ہے تو یہ واضح رہے کہ زبان کی سطح پر ایک ایسا ترقی یافتہ شعور ملتا ہے جیسے لگتا ہو کہ مصنف آئندہ زمانے کی نثر کا خاکا پیش کررہا ہے اسی طرح ''سب رس'' اپنے زمانے کا بہترین تہذیبی اور ثقافتی وقوعہ بھی ہے۔ اس کی زبان اس عہد کے مطابق سلیس اور صاف ہے یہ ملا وجہی کا خصوصی کارنامہ ہے۔

وجہی جن شعری محاسن کا دلدادہ ہے اس کی بازگشت ایک تسلسل کے ساتھ ''سب رس'' میں سنائی دیتی ہے۔ سید جعفر وجہی کے اسلوب کی مداح ہیں چناں چہ وہ لکھتی ہیں کہ ''اردو نثر کی تاریخ میں پہلی تصنیف ہے جو پُرتکلف اسلوب میں لکھی گئی ہے اور اپنے طرز کے اعتبار سے ہماری انشا پردازی کا پہلا کامیاب نقش ہے۔'' اس کے متعلق ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ ''وجہی کی نثر اپنی موسیقی کے باوجود نثر معلوم ہوتی ہے، شعر نہیں معلوم ہوتی'' یہ بھی ملا وجہی کا کمال ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین کے مطابق ''اردو نثر کی ابتدائی صدیوں کی تاریکی میں روشنی کے مینار کی طرح ''سب رس'' ضوفشاں اور جلوہ بار ہے۔'' ''سب رس'' کے بارے میں حافظ شیرانی نے کہا تھا کہ ''اس تالیف کو اردو زبان کے ساتھ وہی نسبت ہے جو مقامات بدیعی کو عربی کے ساتھ اور مقامات حمیدی کو فارسی کے ساتھ اور

آگے لکھا ہے کہ یہ فارسی سے بہت حد تک متاثر ہے۔ یہ تو دکنی زبان میں ہے لیکن فارسی داں بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔''

''سب رس'' میں ایک بات جو متاثر کرتی ہے وہ ذخیرۂ الفاظ کا امتزاج ہے، قافیہ کے بہ کثرت استعمال نے ''سب رس'' کے نثری حُسن کو جہاں بڑھایا ہے وہیں عبارتوں کے معنوی ربط کو مجروح کر دیا ہے۔

''سب رس'' کی زبان کے متعلق 'ہندوستانی' لفظ کا استعمال ملا وجہی کرتا ہے۔ زبان سادہ ہے، بہت زیادہ تصنع نہیں ہے، زیادہ تر عبارت مقفّی ہے باوجود اس کہ سلاست اور روانی موجود ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ملا وجہی نے کوہ کنی نہیں کی ہے۔

''سب رس'' کی قابلِ قدر خصوصیت اس کی انشاء ہے اور اسی وجہ سے کافی مشہور ہوئی۔ اردو میں تمثیل نگاری کی پہلی شاہکار تصنیف ہے۔ اس داستان کی جہاں خوبیاں زیادہ ہیں وہیں کچھ خامی بھی ہے جیسے اس کی تمثیل آخر تک تمثیل ہی بنی رہتی ہے اس کے اندر جو اصطلاحات بیان کیے گئے ہیں وہ مبہم ہی رہ گئے ہیں۔ یہ داستان تو ہے مگر اصولاً داستان طرازی سے وجہی ناواقف معلوم ہوتا ہے قدم قدم پر وعظ دینے سے قصہ کا لطف جاتا رہتا ہے بلکہ تکدرِ طبع کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس میں داستان کم موعظت و نصیحت زیادہ ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وجہی کو تقریر کرنے کا بہت شوق تھا، اس طرح اس میں منظر نگاری برائے نام ہے حقیقت نگاری نہ ہونے کی وجہ سے اس زمانے کی روش کا پتا نہیں چلتا، قصہ کو دل چسپ بنانے میں وہ ناکام رہے ہیں پھر بھی مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان مذکورہ خامیوں کے باوجود ''سب رس'' ملا وجہی کی شاہکار تصنیف ہے جس کی اہمیت ہر دور میں مسلّم رہے گی۔

□ □ □

# قطب مشتری

''قطب مشتری'' اردو کی قدیم ترین مثنویوں میں سے ایک ہے اور فنی خوبیوں سے آراستہ دکن کی پہلی مثنوی ہے۔ یہ مثنوی شاعری کے معیار پر پوری اترتی ہے، اس کی سب سے اہم خصوصیت روانی اور ربط ہے جس کا ایک شعر دوسرے میں اس طرح پیوست ہے جیسے ایک زنجیر کی مختلف کڑیاں۔ ''قطب مشتری'' قطب شاہی عہد کے پانچویں بادشاہ محمد قلی قطب شاہ کے عشق کی داستان ہے جو 12 دنوں میں زیور کتابت سے آراستہ کی گئی جہاں تک ترتیب کی بات ہے تو یہ بھی عام مثنویوں کی طرح ترتیب دی گئی ہے، اس میں بھی مافوق فطری عناصر کم نہیں ہیں۔ حقیقی اور داستانی دونوں رنگ اس میں موجود ہے، لیکن اس مثنوی کی اصل خوبی اس کا ادبی حسن ہے۔ ملاوجہی نے اس مثنوی میں انسانی جذبات واحساسات کی تصویر کشی میں فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے حوالے سے جمیل جالبی یوں لکھتے ہیں کہ ''قطب مشتری'' میں ایک فنکارانہ شعور کا بھی احساس ہوتا ہے۔'' آج ''قطب مشتری'' صرف تاریخی اہمیت کی حامل ہے لیکن یہ مثنوی اُس دور میں ایک کارنامہ معلوم ہوتی ہے۔ قطب مشتری نہ صرف نئی روایت، مثنوی کی ہیئت قرون وسطی کے داستانوی مزاج، نئے رنگِ سخن اور زبان وبیان کے جدید اسلوب بلکہ شاعری کے اعتبار سے بھی قابل قدر تصنیف ہے۔ ملا وجہی نے اس مثنوی میں شعر کی اصل خوبی کیا ہونی چاہیے، کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے اور وہ شعر کے سلیس ہونے کی بات بھی کرتا ہے۔ شعر گوئی میں ملاوجہی نے کمیت کی جگہ کیفیت کو افضل قرار دیا ہے۔ غرض کہ شاعری کے حوالے سے انہوں نے چند بنیادی اصولوں کی طرف

ہماری توجہ مرکوز کرانے کی ابتدائی کوشش کی ہے۔

مختصر طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''سحرالبیان'' اور ''گلزارِنسیم'' کو یہاں جو مقبولیت حاصل ہے ٹھیک وہی مقبولیت دکن میں اس مثنوی کو حاصل ہے۔ یہ مثنوی بھی ملا وجہی کا ادبی کارنامہ ہے اس حوالے سے بھی وجہی کی یاد تازہ رہے گی۔

□ □ □

# سیف الملوک و بدیع الجمال

وجہی کے بعد اس عہد کا دوسرا بڑا شاعر غواصی تھا جو عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا۔ اس کی حیثیت ملک الشعراء کی تھی، اس کی پہلی تصنیف ''مینا ستونتی'' ہے اور دوسری تصنیف ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' ہے جو 1624ء میں لکھی گئی یہ بھی یادر ہے کہ یہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے۔ ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' ایک رومانوی مثنوی ہے جس میں مصر کے شہزادے سیف الملوک اور جنات کی شہزادی بدیع الجمال کے قصۂ عشق کو بیان کیا گیا ہے، یہ مثنوی قصہ ''الف لیلہ'' سے ماخوذ ہے جسے غواصی نے اپنے انداز میں نظم کا جامہ پہنا دیا ہے، اس مثنوی کی اہمیت قصے کی وجہ کر نہیں ہے بلکہ سادگیٔ بیان کی وجہ سے ہے۔ ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' کی ہیئت، ترتیب اور رنگ وڈھنگ کم وبیش وہی ہے جو وجہی کی ''قطب مشتری'' میں ملتا ہے، ''قطب مشتری'' اور اس مثنوی کے تقابلی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ غواصی نے یہ مثنوی ''قطب مشتری'' کے جواب میں لکھی ہے اور اس میں اُسی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ اس کی پہلی خصوصیت جو آج بھی متاثر کرتی ہے وہ سادگی ہے غواصی اپنی بات عام زبان میں بغیر مبالغے کے بیان کرتا چلا جاتا ہے، اس کے ہاں جذبات میں شدت نہیں ہے اور نہ ہی سراپا کے بیان میں مبالغہ ہے، اس مثنوی سے غواصی کے قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے، اُسے مختلف کیفیات اور مناظرِ حسن وقدرت بیان کرنے پر پورا عبور حاصل ہے، وہ مناظر کے بیان سے قصے کو ابھارنے کا کام لیتا ہے اور سراپا کی تصویریں، مثنوی کی فضا بنانے کے لیے اختصار کے ساتھ سامنے لاتا ہے، غواصی کے

یہاں اختصار اور قصّے پر زور ہے، اس میں بزم کا بیان پُر زور ہے لیکن جہاں جنگ کے نقشے پیش کیے گئے ہیں وہ کمزور ہیں۔ اس مثنوی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں غواصی نے سخن کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے بتایا ہے کہ تخلیق عالم میں سخن کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اُس نے معیار شاعری پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ ربط، شاعری کے لیے ضروری ہے۔ اس میں دکنی اور پراکرتی الفاظ ''قطب مشتری'' کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس مثنوی نے بیجاپوری ادب میں انقلاب پیدا کر کے اس کا رُخ موڑ دیا ہے۔ اسی مثنوی نے بیجاپوری اسلوب میں فارسی رنگ و آہنگ قبول کرنے کا رجحان پیدا کیا اور فارسی اصنافِ سخن کے لیے راستہ ہموار کر دیا بقول سید احتشام حسین ''اس کی نظمیں کیفیت جذباتیتِ حُسن اور بامزہ اشارات سے لبریز ہیں۔''

غرض کہ یہ مثنوی غواصی کا ایک کارنامہ ہے جس کی وجہ سے اس کی شاعرانہ عظمت قائم ہوئی۔

□ □ □

# پھول بن

قطب شاہی عہد کا تیسرا بڑا شاعر ابن نشاطی تھا جس کی مشہور مثنوی ''پھول بن'' ہے جو دکنی اردو کے خزینۂ ادب کا ایک انمول رتن سمجھا جاتا ہے بقول پروفیسر سید احتشام حسین۔ ''پھول بن'' 1655ء کی تالیف ہے۔ابن نشاطی فارسی زبان میں کامل تھا اور فن شاعری سے بہ خوبی واقف تھا وہ ''پھول بن'' کے ابتدائی حصے میں اپنی اور اپنی نظم کی ستائش کرتا ہے اُسے زبان والفاظ کے استعمال پر پوری قدرت تھی وہ جس کامیابی سے جذبات کی تصویر کشی کرتا ہے اُسی طرح سماجی حالات بھی بیان کرتا ہے، ابن نشاطی کی ''پھول بن'' فارسی مثنوی ''بساتین'' سے ماخوذ ہے۔

ابن نشاطی گول کنڈہ کے دربار سے وابستہ نہیں تھا، اس نے دربار سے باہر رہتے ہوئے یہ مثنوی مکمل کی۔اس نے اس میں عشق اور عشق بازی کے راز کھولے ہیں۔ یہ مثنوی بھی سارے داستانی ادب کی طرح قصہ درقصہ کی تکنیک میں لکھی گئی ہے،اس مثنوی کی زبان نسبتاً صاف اور آسان ہے جو صرف تین مہینے میں لکھی گئی تھی۔اس میں ''قطب مشتری'' اور ''گلشنِ عشق'' کے مقابلے کردار نگاری کا بہتر شعور ملتا ہے۔ اس مثنوی کی داستانی فضا پہ مثالیت غالب ہے۔ ''پھول بن'' کا صرفی ڈھانچہ تو وہی تھا جو اُس دور کے دکنی کا تھا مگر ابن نشاطی کے ذوقِ شعری کی بہ دولت پُرانی مقامی لغت کے ناہموار، اکھڑ اور بھدے الفاظ کی جگہ عربی اور فارسی شعری لغت کے آسان رواں مترنم اور دیدہ زیب الفاظ استعمال ہونے لگتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ ابن نشاطی نے دکنی زبان کو ایک ایسے نئے اسلوب سے روشناس کرایا

جس میں مستقبل کی زبان کی نشان دہی کر دی گئی تھی۔ابن نشاطی نے اس مثنوی میں سلیقے کے ساتھ اپنا شاعرانہ جوہر دکھایا ہے۔اس میں پُرانے اسلوب کی گراں باری کی جگہ اُس نے ایک سبک اور شگفتہ اسلوب دریافت کیا ہے۔ یہاں دکنی کا پُرانا لسانی رنگ اور مقامی مزاج بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ابن نشاطی کی تشبیہات واستعارات قابل تعریف ہیں۔اس کا کمال یہ ہے کہ قصہ درقصہ کے بیان میں بھی فنی توازن کو برقرار رکھا ہے۔مثنوی نگار نے کرداروں کے خدوخال قابل ذکر انفرادیت کے ساتھ شعری زبان میں اس طور پر ابھارتا ہے کہ کردار ہمارے ذہن میں محفوظ رہ جاتے ہیں۔اسی طرح ''پھول بن''میں فارسی رنگ اسلوب اور اندازِ فکر کے پھول کھلائے۔اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ضرورتِ شعری کے لیے صحت تلفظ واملا کو قربان کرنے کی کم سے کم کوشش کی گئی ہے اسی کے ساتھ ساتھ اس میں حُسن شعری کے جوہر نکھارنے کے لیے صنائع و بدائع کو شعوری طور پر استعمال کیا گیا ہے۔قافیے کی صحت کا بھی خیال رکھا گیا ہے اور فارسی فن شاعری کے ہنر کو بھی التزام کے ساتھ برتا گیا ہے۔اسی طرح ''پھول بن'' کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ نظم میں ابن نشاطی نے انشا کی خوبیوں کو شامل کر دیا ہے۔

مختصر یہ کہ ابن نشاطی کی یہ تصنیف قابلِ اعتناء ہے۔

☐ ☐ ☐

# ولی کی شاعرانہ عظمت: دیوانِ ولی کی روشنی میں

ولی نے ادبی روایت کو اس کے صحیح مفہوم میں سمجھا چنانچہ اس کا ایک قدم دکن کی دھرتی پر تھا جو پُرانی شعری روایت کی نمائندہ تھی تو اس کا دوسرا قدم زمانہ حال کی زرخیز روایت پر تھا اور وہ ان دونوں سرچشمے سے بیک وقت مستفیض ہوتا رہا اور سچ تو یہ ہے کہ ولی اپنے زمانہ حال سے مستقبل کی شعری روایت کی طرف بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے ولی وہ شاعر تھا جس نے بڑی جرات کے ساتھ نئے شعری دور کا اعلان کیا،''دیوانِ ولی''اسی بات کا اعلان تھا کہ اردو دکن کے حصار سے نکل کر پورے ہندستان کی تخلیقی زبان بننے کی قوت رکھتی ہے،ولی کی شاعری کا عشقیہ لے اور سرشاری اگر ایک طرف قلی قطب شاہ کی روایت سے ملتی ہے تو دوسری طرف اس پر حافظ کے انبساط و جمال کی روایت کا گہرا عکس بھی موجود ہے۔ولی کے متعلق محمد حسین آزادیوں لکھتے ہیں کہ''ولی کی اولیت واہمیت یہ ہے کہ اس نے ایک زبان کو دوسری سے ایسا بے معلوم جوڑ لگایا کہ آج تک زمانے نے کئی پلٹے کھائے مگر پیوند میں جنبش نہ ہوئی۔''وہ ایک باشعور شاعر تھا اور اس سطح پر وہ اپنے سب پیش رووں سے آگے تھا۔ولی نے غزل کو اس جدید زبان کے ساتھ،اپنے اظہار کا ذریعہ بنا کر،غزل کی خارجیت کو دبا کر داخلی جذبات اور واردات قلبیہ کے اظہار کا ذریعہ بنایا اور قدیم روایت کے بہترین اور زندہ اجزا کو اپنی شاعری میں سمیٹ لیا۔ولی سے پہلے کم وبیش ساری دکنی روایت میں غزل کا یہ تصور تھا کہ اس سے صرف''عورتوں سے باتیں کرنا''یا ان کی باتیں کرنے کا کام لیا جاتا تھا اسی طرح ولی سے پہلے کی غزل میں کسی تجربے،احساس یا حیات وکائنات کے شعور کا پتا نہیں چلتا لیکن ولی نے اس میں زندگی کے رنگارنگ تجربات تنوع اور داخلیت کو سمو کر غزل کے دائرے کو پوری

زندگی پر پھیلا دیا، ولی نے جہاں شمال وجنوب کی زبان کو ملا کر ایک کیا وہیں اس کے موضوعات میں بھی حقیقی اور مجازی دونوں پہلوؤں کو ملایا۔ولی کے عشق میں وفاداری بشرط استواری کا عقیدہ بہت اہمیت رکھتا ہے،اس کا عشق خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہے،اس نے عشقِ مجازی کے ان تمام پہلوؤں کا تجربہ حاصل کیا جو ہند ایرانی روایت کے مطابق عشق کی پہلی منزل ہے،تصورِ عشق میں وفاداری بشرط استواری کے سبب اس کے ہاں جلنے تڑپنے اور اندر ہی اندر عشق کی آگ میں سلگنے کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے وہ شاہیؔ اور نصرتی کی طرح اپنے شکار سے کھیلتا نظر نہیں آتا۔

جب ولی اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے ؎

لب پہ دلبر کے جلوہ گر ہے جو خال
حوض کوثر پہ جیوں کھڑا ہے بلال

ولی کا شاعرانہ کمال یہ بھی ہے کہ وہ سہل ممتنع کی پُراثر سادگی تک پہنچ جاتا ہے اور یہ سادگی مشکل زمینوں میں بھی قائم رہتی ہے ؎

آشنائی نہیں تو جاتا ہوں
کیا کروں جی اُداس ہوتا ہے

صنعتِ ایہام کو ولی نے جس خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے بہت کم شعراء وہاں تک پہنچ سکے ہیں اسی لیے صنعتِ ایہام ولی کے یہاں لطف دیتی ہے ؎

موسیٰ جو آکے دیکھے تجھ نور کا تماشا
اس کو پہاڑ ہووے پھر طور کا تماشا

ولی کی ایک خصوصیت اس کا مخصوص راگ اور لَے ہے جس سے اردو شاعری پہلی بار بھرپور طریقے سے آشنا ہوئی اسی طرح اردو شاعری کے قدرتی راگ کو دریافت کرنے کا سہرا بھی پہلے پہل ولی کے سر بندھتا ہے،ایک شعر دیکھئے ؎

اس شعر کی یہ طرح نکالا ہے جب ولی
یو اختراع سن کے رہے دل میں سب عجب

ولی کی شاعرانہ خصوصیت یہ بھی ہے کہ تصوف کو اپنی شاعری کا بنیادی وصف بنایا اسی طرح دکن اور شمال کی ادبی روایتوں میں انہوں نے یکجائی کی کوشش کی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے دکنی روایات کی جگہ فارسی روایتوں کو اپنی شاعری کے لیے محور قرار دیا۔ چاسر نے جس طرح فرانسیسی زبان وادب کی مدد سے انگریزی زبان وادب کو ایک نیا معیار دیا ٹھیک اسی طرح ولی نے فارسی کی مدد سے اردو کو ایک نیا موڑ اور معیار عطا کیا۔ بقول سید محمد عبداللہ ''ولی کی شاعری میں فلسفہ وفکر کا عنصر بے حد کمزور ہے۔'' اس کے باوجود ولی کی شاعرانہ عظمت مسلم ہے

❑ ❑ ❑

# سراج اورنگ آبادی: کلیاتِ سراج کی روشنی میں

دکن میں ولی دکنی کے بعد اردو کا سب سے بڑا شاعر سراج اورنگ آبادی ہے، سراج کی شاعری پُرانے دکنی مزاج کا اظہار کرتے ہوئے بھی شمالی ہند کے شعری مزاج کے قریب تر نظر آتی ہے وہ ولی، میؔر اور سوؔدا کے درمیانی عرصے کا سب سے بڑا شاعر ہے جن کی پُر گوئی جوش طبع اور رنگِ سخن کو کوئی دوسرا نہیں پہنچتا۔ سراج کے یہاں موضوعِ سخن کچھ ہو، عشق کی لہر سب میں یکساں دوڑ رہی ہے، اِسی نے ان کے کلام میں گداختگی اور سوز کو جنم دیا ہے۔ سراج کی شاعری میں خود سپردگی اور ایک ایسی سرشاری ہے جو اب تک کسی شاعر کے یہاں اس طرح سمٹ کر سامنے نہیں آئی، سراج کے یہاں غم والم کے بیان میں صرف درد و ہجر ناکامی اور اضطراب کا ذکر نہیں ہے بلکہ عشق اپنی کیفیت اور جذبات کے پھیلاؤ کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ سراج کی شاعری، دکنی شعری روایت میں توسیع کرتی ہے اور اس توسیعی عمل سے سراج ایک امتزاجی رنگِ سخن کو تخلیق کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ولی کے مقابلے میں سراج کے یہاں جذبات صحت کے ساتھ بیان ہو رہے ہیں۔ اسی طرح فارسی روایت جو ولی کے یہاں نظر آتی ہے وہ اچھے انداز میں سراج کے یہاں جلوہ گر ہے سراج کے کلام میں ولی سے زیادہ اچھے عشقیہ اشعار کی تعداد ملتی ہے۔ اس کے ہاں عشق کے بعد، تصوف اور اخلاق و فلسفہ کے موضوعات ہیں جب کہ ولی کی شاعری میں فلسفہ کا عنصر کافی کم ہے دکن کی سرزمین نے کئی صدیوں تک صوفیانہ شاعری کا تجربہ نہیں کیا تھا، سراج کی غزل ان تجربوں کی کمی کو پورا کرتی ہے سراج کے کلیات میں زیادہ سے زیادہ اشعار عشقِ مجازی کے تصور سے لبریز ہیں

جہاں تک سراج اورنگ آبادی کے معیار شاعری کی بات ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ محبوب کی پسند و ناپسند اور اپنے جذبات کا برملا اظہار ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ سراج اورنگ آبادی اردو شاعری کی ایک ایسے مرکزی جگہ پر کھڑے ہیں جہاں سے میرؔ، دردؔ، مصحفیؔ، آتشؔ مومنؔ، غالبؔ اور اقبال کی روایت کے راستے صاف نظر آتے ہیں یہ بھی یاد رہے کہ سراج اورنگ آبادی کی شاعری میں دکنی ثقافت کی بُو باس، ولی کے مقابلے ماند پڑ جاتی ہے اسی طرح ولی کے بعد سراج کی شاعری میں دکنی ادب کا نشاطیہ رویہ تبدیل ہونے لگتا ہے اور سراج کے یہاں ایک حزنیہ اور اداس لے سننے کو ملتا ہے جس کے سرچشمے اس کے جذبِ دروں میں تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ سراج کی کلیات میں غزلیں، مثنویاں، قصیدے اور رباعیات وغیرہ شامل ہیں۔

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ولی کے بعد اگر کوئی بڑا دکنی شاعر ہے تو وہ سراج اورنگ آبادی ہے جو یقیناً لائقِ التفات ہے۔

❑ ❑ ❑

# سرسید کی شخصیت اور سوانح

## ملکی اور قومی خدمات کی روشنی میں

سرسید احمد خاں کی پیدائش 17 را کتوبر 1817ء میں ہوئی، ابتدائی تربیت بہت حد تک والدہ کے زیر سایہ ہوئی، حصول تعلیم کے بعد پہلے پہل ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہو گئے پھر 24رسال کی عمر میں پہنچ کر یعنی 1841ء میں مین پوری میں منصف مقرر ہوئے اسی ملازمت کے درمیان انہوں نے کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کاموں میں سے ایک کارنامہ ''آثار الصنادید'' کی تصنیف بھی ہے جس میں انہوں نے دہلی اور وہاں کے معتبر لوگوں کے حالات قلم بند کیے ہیں، سرسید کا تبادلہ 1842ء میں فتح پور سیکری ہوا اور 1846ء میں پھر دہلی بطور صدر امین ہوا۔ جب سرسید کا تبادلہ بجنور ہو گیا تھا تو یہیں قیام کے دوران ہی 1857ء کی بغاوت شروع ہوئی جسے سرسید نے اپنی ننگی آنکھوں سے دیکھا جس بغاوت کو سرسید نے ''تاریخ سرکشی بجنور'' میں قلم بند کیا ہے۔ عام لوگ ہی نہیں بلکہ انگریز سرکار یہ سمجھتی تھی کہ اس بغاوت کے پیچھے مسلمانوں ہی کا ہاتھ ہے جب کہ حقیقت میں ایسی بات نہ تھی۔ یہ بات جب سرسید کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اس بات کی وضاحت کے لیے ''اسباب بغاوتِ ہند'' لکھا اور یہ واضح کیا کہ سرکار کی غلط پالیسی ہی اس کی اصل ذمہ دار تھی جب یہ مراد آباد پہنچے تو وہاں آ کر ملک اور قوم کے مفاد میں ہندو مسلمان سب کے لیے ایک یتیم خانہ اور شفا خانہ قائم کیا۔ جب یہ غازی پور آئے تو انہوں نے سائنٹفک سوسائٹی قائم کیا جس کے ذریعے بہت ساری کتابوں کے تراجم ہوئے۔ جب انگریز ولیم میور نے ''لائف آف محمد'' لکھی جو آپؐ کے خلاف زہر افشانیوں کا مجموعہ تھی اس کے رد میں سرسید نے ''خطبات احمدیہ'' رقم کیا۔ قوم و

ملت کی اصلاح کے لیے ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔ اور ہندستان کی تقدیر خصوصاً مسلمانوں کی حالت زار کو بدلنے کے لیے ایک اسکول ''مدرسۃ العلوم'' کے نام سے قائم کیا جس کا دوسرا نام ''محمڈن اینگلو'' تھا جو آگے چل کر 1920ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی بنا۔

سرسید کی کوشش و محنت رنگ لائی اور آج وہی درخت ثمر آور ہے۔ سرسید نے جہاں اردو نثر کو فروغ دیا وہیں اس کے ذریعہ قوم و ملت کی اصلاح بھی کی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے دوست واحباب سے بھی اصلاح کے اقدام اٹھانے کی خواہش ظاہر کی جس کے نتیجے کے طور پر ''مسدس حالی'' دیکھا جا سکتا ہے۔ سرسید نے نثر کو تصنع مبالغہ آرائی اور لفاظی سے پاک کیا۔ اور اردو نثر کی اتنی خدمت کی کہ اردو نثر کے بابا آدم کہے جانے لگے۔ سرسید نے غلط رسم ورواج کے خلاف بھی اپنی آواز بلند کی۔

غرض کہ سیاست ہو یا معاشرت حتی کہ مذہب کے لیے بھی انہوں نے کام کیا۔ سرسید سے جو بھی بن پڑا انہوں نے کیا جس کے احسان سے اردو نثر اور ملت دونوں گراں بار ہے

وہ قوم و ملت کا سچا خادم ہمیشہ ہمیش کے لیے 27 / مارچ 1898ء کو ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

## سرسید کی تاریخ نگاری

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ سرسید کو تصنیف و تالیف سے بہت محبت تھی جہاں تک فن کی بات ہے تو انہیں تاریخ نویسی کا فن محبوب تھا یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے سرمایہ میں انہوں نے بیش قیمت کتابوں کا اضافہ کیا۔ سرسید نے تاریخ نویسی میں ہمیشہ صداقت اور اعتدال کا پورا خیال رکھا، اور اسے ضروری بھی سمجھا، انہوں نے فارسی اور اردو دونوں زبان میں تاریخ نویسی کی خدمت انجام دی، سب سے پہلے انہوں نے 1840ء میں فارسی میں ''جامِ جم'' لکھ کر تاریخ نویسی کی شروعات کی جس میں تیمور سے لے کر آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے حالات قلم بند ہیں۔ اس کتاب کے بعد ''آثار الصنادید'' دنیا والوں کے سامنے پیش کیا

جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سرسید کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اس کتاب کے متعلق اردو ادب کے مشہور مورخ حامد حسن قادری کا قول ہے کہ ''یہ کتاب سرسید کا عجیب و نادر کارنامہ ہے۔'' آثار الصنادید میں جہاں دہلی کی عمارتوں کا ذکر ہے وہیں اس میں دہلی کی ممتاز شخصیتوں کا حال بھی درج ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کو انگریزوں نے بھی تسلیم کیا ہے اور سر سید کی محنتوں کو سراہا ہے۔ 1852ء میں انہوں نے ''سلسلتہ الملوک'' رقم کیا جس میں ایسے بادشاہوں اور راجاؤں کا تذکرہ ہے جنہوں نے دہلی پر حکومت کیا ہے۔ تاریخ کے حوالے سے سرسید کی تصنیف ''تاریخِ بجنور'' اور ''تاریخ سرکشی ضلع بجنور'' کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔
سرسید نے تاریخ نویسی پر بھی توجہ دی اور ساتھ ہی ساتھ تصحیح کا بیڑہ بھی اٹھایا انہوں نے ابوالفضل کی کتاب ''آئینِ اکبری'' اور مشہور مورخ ضیاء الدین برنی کی تصنیف ''تاریخِ فیروز شاہی'' کی تصحیح کی اور اس پر حواشی اور مقدمے بھی لکھے، یہ بھی تاریخ سے رغبت کی واضح دلیل ہے، سرسید نے مذکورہ کتابوں کے علاوہ ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' بھی لکھا جس میں انگریزوں کے خلاف ہندستانیوں کی بغاوت کے احوال اور اسباب پیش کیے گئے ہیں۔
غرض کہ سرسید کو ایک بڑا تاریخ نگار سمجھا جاتا ہے۔

## سرسید بحیثیت مضمون نگار

مضمون نگاری کا آغاز اردو میں سرسید نے کیا۔ ان سے پہلے نثر کو مقفیٰ و مسجع لکھنے کا رواج عام تھا جس سے انہوں نے نجات دلایا۔ سرسید کے نثر کی پہلی خصوصیت سادگی اور صفائی ہے جس کے متعلق علامہ شبلی نعمانی رقم طراز ہیں کہ ''سرسید ہی کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائرے سے نکل کر ملکی سیاسی اخلاقی و تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زور واثر، سادگی اور صفائی سے ادا کر سکتی ہے کہ خود اس کے استاد یعنی فارسی زبان کو آج تک یہ بات نصیب نہیں۔'' اس خوبی کے متعلق آل احمد سرور نے لکھا ہے کہ ''وہ ہر قسم کے مطالب کو اپنی زبان میں نہایت آسانی سے ادا کرتے ہیں کتنا ہی مشکل اور دقیق مضمون ہو وہ نہایت

صفائی اور بے تکلفی سے ادا کر جاتے ہیں۔'' سرسید کے نثر کی دوسری خصوصیت صداقت اور بے باکی ہے۔ سرسید کے مضامین میں تکلف، تصنع اور بناوٹ کا ذرہ برابر عمل دخل نہیں خواہ ان کے مضامین کے موضوعات کتنے ہی خشک کیوں نہ ہوں پھر بھی وہ اس عیب سے اپنے دامن کو بچالیتے ہیں۔ سرسید نے اپنے مضامین میں دلکشی پیدا کرنے کے لیے مکالمے کا انداز بھی اختیار کیا ہے۔ انہوں نے جتنے بھی مضامین لکھے، سب کو مقبولیت عطا ہوئی جس کے حوالے سے علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ'' سرسید کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہے اور جس مضمون کو لکھا ہے اس درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ اس سے بڑھ کرنا ممکن ہے۔''

ان کے مضامین میں سادگی، سلاست اور روانی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ ان کے مشہور رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے چند مضامین جنہیں باقاعدہ مضامین کی حد میں داخل کیا جاسکتا ہے مثلاً تعصب، تعلیم وتربیت، کاہلی، اخلاق، مخالفت، خوشامد، محبت وتکرار، سولزیشن، اپنی مدد آپ، گزرا ہوا زمانہ، امید کی خوشی، رسم ورواج کے نقصانات، عورتوں کے حقوق اور کچھ مضامین ایسے بھی ہیں جنہیں باقاعدہ مضمون (Essay) کی حد میں نہیں رکھ سکتے۔

ان کے مضامین تین طرح کے ہیں جیسا کہ مشہور نقاد سید عبداللہ نے لکھا ہے'' خالص مذہبی اور دینی مضامین، سیاسی مضامین اور اصلاح اخلاق ومعاشرت سے متعلق مضامین۔ ان کے مضامین پر علمی حوالے سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔'' یاد رہے کہ ان کے مضامین کی خوبی یہ بھی ہے کہ تمام مضامین میں اختصار پایا جاتا ہے جہاں ان کے مضامین میں کئی خوبیاں ہیں وہیں یہ عیب بھی ہے کہ ان کے مضامین کی معلوماتی سطح عموماً کرخت ہوتی ہے مضمون کی سی شگفتگی نہیں پائی جاتی، اسی طرح سرسید کے مضامین میں تصورات اور معقولات کا غلبہ ہے اور زندگی کی خوشنما اور دلچسپ تصویریں کم ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود سرسید اردو کے اولین مضمون نگار ہیں اور اس حوالے سے بھی یاد کیے جائیں گے۔

# سر سید کے مذہبی سیاسی اور تہذیبی افکار و نظریات

سر سید کے جو بھی افکار تھے وہ سب مغرب کے مرہونِ منت تھے اور ایسا اس لیے بھی ہوا کیوں کہ اس وقت عقل پسندی اور ترقی وارتقاء جیسے نظریوں کو مقبولیتِ عامہ حاصل تھا جہاں ان تصورات نے فکر ونظر کے حدود کو وسیع کیا اور اجتماع کے مادی اور انتفاعی مسائل کے حل میں مدد دی وہیں ان سے زندگی کی جذباتی اور روحانی بنیادوں کو بہت ضعف پہنچا۔ ان خیالات سے اُن عقائد کو بھی نقصان پہنچا جو دین کے زیر اثر زندگی کی غایت تھی بلکہ اکثر اخلاقی قدروں کے متعلق بھی شک اور تردد پیدا ہو گیا چنانچہ مشہور نقاد سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ ’’گویا پہلے پلڑا نجاتِ اخروی اور روحانی تکمیل کی طرف جھکتا تھا اب مادی منافع اور دنیاوی فوائد کی طرف جھکنے لگا۔ پہلے خداشناسی عین مقصود تھی اب خود پروری اور تن پروری مقصدِ کبریٰ قرار پائی۔‘‘

سر سید کا گھرانا تو مذہبی تھا مگر وقت اور حالات نے سر سید کے افکار میں نمایاں تبدیلی کر دیے۔ اُن کے زمانے میں عقلی نقد و جرح نے وحی اور الہام جیسی غیر مرئی اور وجدانی حقیقتوں کو مشکوک بنا دیا اور مذہب کے مافوق العقل اور ماورائی حصہ کو مشتبہ بنا کر اس کے روحانی کمالات کو بھی غیر یقینی ثابت کر دکھایا چنانچہ سر سید بھی اس راہ پر آ گئے ان کا نقطۂ نظر معجزات اور ان جیسی چیزوں کے حوالے سے جمہور علمائے امت کے خلاف ہے انہوں نے مذہب پر بہ حیثیت مذہب نئے نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی جو انہیں ماحول سے ملا تھا۔ سر سید کا یہ بھی نظریہ تھا کہ مذہب کو علومِ جدید کی روح اور ان کے اصول سے ہم آہنگ ہونا چاہئے بلکہ یوں کہا جائے کہ سر سید کا نصب العین خالص عقلی اور علمی تھا۔ جب کہ قاسم العلوم والفنون حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جیسے اکابرِ امت کا نصب العین تزکیۂ روحانی اور تصفیۂ باطنی تھا۔ اسی طرح سر سید کا یہ بھی نظریہ تھا کہ اسلام ایک سائنٹفک مذہب ہے جس کو بنیاد بنا کر کئی تاویلیں پیش کیے جو مذہب اسلام کی روح کے برعکس ہیں۔ یاد رہے کہ اسلام صحیح معنوں میں سائنٹفک ضرور ہے مگر سر سید کا طرزِ فکر اس حوالے سے صحیح نہیں۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا

ہے کہ سرسید مذہبی تھے لیکن ایسے مذہبی مفکر نہ تھے کہ اس حوالے سے ان کی تقلید کی جائے۔

جہاں تک سیاسی افکار کی بات ہے تو یہ یادر ہے کہ سرسید کی نظر میں دین اور سیاست دو جدا شعبے نہ تھے جیسا کہ مشہور نقاد سید عبداللہ نے لکھا ہے" سیاست میں سرسید دین کے پاسباں ہیں اور سیاسی مسائل کو مذہبی اور دینی زاویہ نظر سے الگ نہیں کر سکتے۔" اس طرح یہ بھی یادر ہے کہ سرسید کا سیاسی موقف اظہر من الشمس ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو سیاست میں قطعی طور پر حصہ نہ لینا چاہئے کیوں کہ ان کے نزدیک کامیابی کا واحد راستہ تعلیم کا حصول تھا۔

سرسید کے تہذیبی شعور کے متعلق یہ بات زیادہ صحیح ہے کہ سرسید اور ان کے رفقاء ہندستان میں جدید نظریۂ تہذیب کے سب سے بڑے مبلغ تھے اتنا ہی نہیں بلکہ سرسید نے انگریزوں کے طرزِ معاشرت کی تقلید کرانے کی بھی کوشش کی لیکن اس کوشش میں زیادہ کامیاب نہ ہو پائے بلکہ اس کی بھی مخالفت ہوئی۔ وہ "تہذیب الاخلاق" میں برابر اُن اعتراضات کا جواب دیتے رہے جو پُرانی روایت کے علمبرداروں کی طرف سے کیے جاتے تھے۔

خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیاست میں وہ مذہبی تھے لیکن تہذیب اور مذہبی افکار کے حوالے سے ان کے اور جمہور کے درمیان تصادم نظر آتا ہے۔

## سرسید کی صحافتی خدمات

سرسید کی علمی زندگی کی ابتدا ہی صحافت سے ہوئی جو ان کے حصولِ مقصد کے لیے موزوں بھی تھا۔ سرسید نے "سید الاخبار" میں بہ حیثیت صحافی لکھنا شروع کیا، سرسید احمد خاں بڑے صحافی تھے اور صحافت کے نشیب وفراز، اصول وقواعد سے باخبر بھی تھے۔ ان کا ایک اہم کارنامہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ کا اجرا تھا جو 30 ر مارچ 1866 کو ہوا۔ انہوں نے لندن سے واپس آکر اٹھارہویں صدی کے دو مشہور انگریزی رسالے "اسپکٹیٹر اور "ٹیٹلر" کے طرز پر "تہذیب الاخلاق" کا اجرا 24 ر دسمبر 1870ء کو کیا۔ اس رسالے نے جو کام انجام دیا اُس کی نظیر اس دور کے ہندستان میں نہ مل سکے گی، سرسید اس رسالے سے وہی کام انجام دینا

چاہتے تھے جو انگلستان میں اسپیکٹیٹر اور ٹیٹلر نے انجام دیا جس میں اکثر مضامین اور اداریے سرسید کے ہوا کرتے تھے، سرسید کے کامیاب تجربوں سے استفادہ کر کے اردو صحافت نے اپنا قدم جمانے میں پوری کوشش کی اور کامیاب بھی ہوئی۔ جدید اردو صحافت نے پوری طرح سرسید سے کسبِ فیض کیا بلکہ یوں کہا جائے کہ جو بیج صحافت کا سرسید نے بویا وہ پوری طرح آگے چل کر تناور ہوا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ سرسید احمد کے بعد جن اردو اخبارات نے بھی ملک وملت کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیئے اس میں سرسید احمد خاں کی صحافت کا بہت عمل دخل ہے۔

سرسید صحافتی خدمات کی وجہ کر بھی یاد کیے جائیں گے۔

## سرسید کی سیرت نگاری

سرسید احمد ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے انہوں نے اور چیزوں پر قلم اٹھانے کے ساتھ ساتھ سیرت نگاری بھی کی ہے لیکن باقاعدہ اس موضوع پر ان کی کوئی کتاب نہیں ہے ایک کتاب جو علمی اور تحقیقی بھی ہے وہی سیرت نگاری کے حوالے سے پیش کی جاتی ہے اور وہ ''خطباتِ احمد یہ'' ہے۔ اس کتاب کو سرسید نے یوروپ میں بیٹھ کر رقم کیا ہے۔ اس میں عرب کے مختلف مذاہب، اسلام سے پہلے عرب کے اندر کیا کیا رسمیں رائج تھیں؟ اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب میں نزولِ قرآن پاک کی اہمیت کو بتایا گیا ہے اور ولیم میور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق زہر افشانی کی تھی، اُس کی پوری تردید کی گئی ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شقِ صدر اور معراج سے متعلق کچھ خاص نکات پیش کیے گئے ہیں اگر چہ یہ کتاب جمہور علمائے امت کے عقائد سے تصادم کرتی نظر آتی ہے پھر بھی سیرت نگاری کا ایک عمدہ نمونہ ہے اور سرسید احمد خاں کو یہی کتاب ایک سیرت نگار کے طور پر شناخت کراتی ہے گر چہ ''خطباتِ احمد یہ'' سیرت نگاری کے تمام اصول پر کھری نہیں اترتی۔ ان خامیوں کے قطع نظر سیرت نگاری کے باب میں سرسید کی یہ کوشش اہم مانی جاتی ہے۔

## سرسید کا اسلوبِ تحریر

اسلوبِ تحریر کے حوالے سے سرسید کی اپنی شناخت ہے۔انہوں نے اپنے نثر کی بنیاد منطقی استدلال اور تعقل پسندی کے اصول پر رکھا یہی وجہ ہے کہ ان کی نثر منطقی اور استدلالی نوعیت کی ہے۔سادگی روانی اور برجستگی ،ان کی تحریر کے نمایاں اوصاف ہیں ،سرسید اپنی تحریر میں انگریزی الفاظ کو بہت بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں ،واقعیت پسندی جو اپنے اندر فکر کی توانائی رکھتی ہے یہ بھی سرسید کی تحریر کا نمایاں وصف ہے ،سرسید کی تحریروں میں کہیں کہیں پرزور قسم کا خطیبانہ رنگ آ گیا ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ سرسید کی نثر خطابیاتی شعور کا ایک عمدہ نمونہ ہے ،سرسید نے تنگ نظری تعصب اور کم فہمی پر شستہ ادبی طنز کیا ہے علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ''جو چیزیں خصوصیت کے ساتھ ان کی اصلاح کی بدولت ذرہ سے آفتاب بن گئیں ،ان میں ایک اردو لٹریچر بھی ہے اور جن میں ان کے اسلوبِ تحریر کی اپنی پہچان ہے۔'' سرسید کے اسلوب پر خود ان کی شخصیت کی گہری چھاپ ہے۔

سرسید کی عبارت کبھی کبھی بے لطف ہو جاتی ہے ،اسی طرح سرسید اصلاح کے جوش میں قواعد کی پابندی سے خود کو الگ کر لیتے ہیں ،انہوں نے تشبیہ استعارہ اور تمثیل سے کام تو لیا ہے مگر صنائع و بدائع سے گریز کیا ہے ان کی تحریروں میں مکالمے کا انداز بھی ملتا ہے۔غرض کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سرسید کا اسلوبِ تحریر اپنی شناخت رکھتا ہے۔

## سرسید کا تصورِ تعلیم

سرسید کا تصورِ تعلیم اخلاص پر مبنی ہے ،وہ ہندستان میں جدید تعلیم کی فضا عام کرنا چاہتے تھے۔ان کا یہ ماننا تھا کہ قدیم روایتی تعلیم اور اس کا نظام فرسودہ ہو چکا ہے اور جدید تعلیم کی بدولت ہی مسلمان انگریزوں اور وقت و حالات کے مطابق چل سکتے ہیں وہ تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کے ترقی کے خواہاں تھے ،وہ مغربی تعلیم کے ذریعہ زندگی کے جدید تقاضوں کا شعور بیدار کرنا چاہتے تھے ،سرسید کے جدید تعلیم کے تصور کے متعلق ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے

ہیں کہ ''تعلیم میں سرسید کے خیالات تجدد کی ہمہ گیر شہرت کے باوجود کچھ زیادہ جدید نہ تھے اور تعلیم میں اتنے انقلابی نہ تھے جتنا ان کو سمجھ لیا گیا ہے۔'' اسی طرح سرسید کا یہ بھی تصور تھا کہ لوگوں کے ذریعہ تعلیم ہو، سرکار کے توسط سے نہیں۔ ان کے ذہن میں تعلیم کا اجتماعی اور ہمہ گیر تصور تھا۔

انگریزی تمدن کے متعلق ان کے خیالات تعلیمی منصوبوں سے اس طرح گھل مل گئے تھے جس کی وجہ کر اکابر علماء کرام نے ان کے اس طرز کو نشانہ بنایا لیکن کہ یہ بات مشہور ہو گئی کہ علمائے دین انگریزی تعلیم کے خلاف ہیں جب کہ یہ بات صداقت سے کوسوں دور ہے اگر ایسی بات ہوتی تو بانئ اُمّ المدارس دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والفنون حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ یہ کیوں کر کہتے کہ ''میں جب خانۂ خدا سے لوٹ کر آؤں گا تو انگریزی ضرور سیکھوں گا۔'' اسی طرح جانشینِ اسلاف مولانا عبیداللہ سندھی نے طلبائے دارالعلوم دیوبند کو یہ مشورہ دیا تھا کہ دینی تعلیم سے فراغت کے بعد بی۔اے معیار کی انگریزی سیکھیں اس طرح آپ I.A.S سے لے کر صدر جمہوریہ کی کرسی تک پہنچ سکتے ہیں۔ پتہ چلا کہ انگریزی تعلیم علماء حرام نہیں سمجھتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ موبائل لائبریری علامہ انور شاہ کشمیریؒ اتنی اچھی انگریزی جانتے تھے جس کا تصور آج کا انگلش گریجویٹ بھی نہیں کر سکتا۔

علمائے دین جو سرسید کے خلاف تھے وہ انگریزی تمدن کی وجہ کر تھے، انگریزی تعلیم کی وجہ کر نہیں۔ سرسید نے عربی تعلیم اور قدیم مدارس کے خلاف ''تہذیب الاخلاق'' میں سخت مضامین لکھے، تعلیمِ نسواں کے متعلق سرسید کے وہی خیالات تھے جو اس وقت تمام مسلمانوں کا تھا۔ البتہ لڑکوں کی تعلیم کے حوالے سے یہ ضرور چاہتے تھے کہ ان کا علمی معیار وہی ہو جو کیمبرج اور آکسفورڈ وغیرہ میں ہے۔ ان کی تحریری سرگرمیوں کے محور کے متعلق مشہور نقاد ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ ''ان کے تحریری سرگرمیوں کے محور ضرور دو ہیں (1) دینی مباحث (2) اجتماعی مسائل جن میں سوسائٹی کی تعلیم اصلاح اور ترقی شامل ہے۔''

سرسید کی تحریر سے خود ان کے تصورِ تعلیم کی وضاحت ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے

لکھا تھا کہ ''کوئی قوم عزت پا نہیں سکتی جب تک تعلیم ایک مقدار مناسب سے اس قوم میں رائج نہ ہو'' جس کو علامہ اقبال نے یوں پیش کیا ہے ؎

جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا پاؤگے تعلیم سے اعزاز

غرض کہ سرسید احمد خاں تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کی ترقی کے خواہاں تھے اور بہت حد تک ان کی اس خواہش کو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے پورا کیا اور آج بھی کر رہی ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سرسید کا تصور تعلیم کافی وسیع ہے اور انہوں نے اِسے وسیع تناظر میں دیکھنے کی کوشش بھی کی تھی۔

## سرسید کی خطوط نگاری

مشاہیرِ ادب کے خطوط کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہوتی ہے کہ ان میں بڑی بے تکلفی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے ان میں بعض اوقات ادباء اپنے دل کی ساری سرگذشت بڑی آزادی سے کھول کر بیان کر دیتے ہیں غالبؔ کے خطوط اس کی بہترین مثال ہیں جس نہج کو سرسید نے آگے بڑھایا۔ سرسید کے خطوط اگرچہ ان کے مقالات کی طرح گراں وزن اور متین ہوتے ہیں مگر بے تکلفی کا ایک خاص انداز ان کے خطوط میں پایا جاتا ہے بقول سید عبداللہ ''سرسید کے خطوط میں فضا ان کی باقی تحریروں کے مقابلہ میں دلچسپ اور مانوس بھی ہے اور ظرافت اور زندہ دلی ان میں زیادہ حد تک پائی جاتی ہے۔''

سرسید کے خطوط کا امتیازی وصف صاف گوئی بھی ہے، سرسید کے خطوط اس بات کے شاہد ہیں کہ ان کے قول وعمل کوئی تضاد نہیں ہے، انہوں نے اپنے رفقاء محسن الملکؔ، وقار الملکؔ، حالیؔ، شبلیؔ اور ان کے علاوہ اس وقت کے مشاہیر کے نام خطوط لکھے ہیں ان کے خطوط میں زندگی کے تمام کارناموں کا ذکر جا بجا ملتا ہے، ان کی خطوط نگاری کے اہم اوصاف میں سادگی سلاست اور وضاحت کا نام لیا جاتا ہے، ان کے تمام خطوط اصلاحی جذبات سے موجزن ہیں ساتھ ہی ساتھ ان کے تمام خطوط مضامین کی طرح علمی ومعلوماتی ہوتے ہیں۔

مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے کہ سرسید ایک منفرد مکتوب نگار تھے جن کے خطوط نگاری کی کئی اہم خوبیاں تھیں۔

## سرسیداور سائنٹی فِک سوسائٹی

1841ء میں سرسید نے منصفی کا امتحان پاس کیا اور مین پوری میں بہ طور منصف مقرر ہوئے اس کے بعد ان کا تبادلہ وہاں سے فتح پور سیکری، دہلی اور دہلی کے بعد بجنور ہوا پھر بجنور سے ان کا تبادلہ غازی پور ہوا۔انہوں نے غازی پور میں ہی 1862ء میں سائنٹی فِک سوسائٹی کی بنیاد رکھی لیکن اس وقت وہ محدود رہا جب سرسید علی گڑھ آئے تو اس سوسائٹی میں بھی وسعت آئی، اس سوسائٹی کے ذریعہ سرسید نے لوگوں کے اندر سائنسی اور تعقل پسندی کا رجحان پیدا کرنا چاہا اور اس کی روشنی میں مذہب اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کی گئی۔سائنٹی فک سوسائٹی کا وہی کام تھا جو اس سے پہلے دلی کالج کر رہا تھا وہ یہ کہ دوسری زبانوں میں جو اہم کتابیں ہیں اس کو یہاں کی زبان میں پیش کی جائیں تاکہ اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جا سکے ٹھیک اسی طرح سرسید کے سائنٹی فک سوسائٹی کا بھی مقصد انگریزی یا ایسی زبان جس کو ہندستانی نہ جانتے تھے ان کتابوں کا تراجم کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جا سکے اسی طرح ایشیاء کے قدیم مصنفوں کی اہم کتابوں کا پتا لگانا اور اسے منظرِ عام پر لانا بھی، اس کا مقصد تھا جن کتابوں کے تراجم ہوئے ان میں تاریخ سے متعلق زیادہ کتابیں ہیں۔اس کے علاوہ سائنسی کتب جیسے حساب فزکس جغرافیہ وغیرہ کی کتابیں بھی تراجم کے طور پر پیش کی گئیں۔

سائنٹی فک سوسائٹی سرسید کا ایک کارنامہ تھا جس کے متعلق کلاسیکل محقق مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ ''سرسید کا سب سے بڑا کارنامہ تعلیمی و علمی تھا اور اس کا ایک جزو سائنٹفک سوسائٹی کا قیام تھا۔'' اسی کے ساتھ ساتھ اس سوسائٹی کا ایک اہم کام یہ بھی تھا کہ اس کے ذریعہ خطبات اور لکچر دیئے جائیں اور اس کا اہتمام بھی کیا گیا اور جس کے فوائد بھی دیکھنے

میں آئے۔اس سوسائٹی کے ممبر صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دوسرے برادرانِ وطن ہندو بھی تھے۔تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس کی سرپرستی پہلے پہل انگریز نے کیا، مقصد یہ تھا کہ سب کو ملا کر ایک عظیم کارنامہ انجام دیا جاسکے۔ غرض کہ سائنٹی فک سوسائٹی نے عظیم خدمت انجام دیا ہے،جس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

## اردو نثر کے ارتقاء میں سرسید کا حصہ

سرسید سے پہلے اردو نثر کی حالت اچھی نہ تھی اسی طرح اس کا تعلق سماجی زندگی سے نہ تھا۔اردو نثر پہلے قصے کہانیوں سے ہی زیادہ شغف رکھتی تھی یہ سب جانتے ہیں کہ میر امن کی کتاب''باغ و بہار'' نے اردو نثر میں توانائی پیدا کی اور شاعرِ فرد اغالبؔ نے اردو نثر کو ایک مخصوص طرز عطا کیا۔پہلے نثر قصے کہانیوں تک ہی محدود تھی مگر سرسید نے اسے سائنسی اور طبعی علوم کے تحت سنجیدہ اور علمی تخلیقات پیش کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ بنایا اسی طرح اس زمانے میں نثر کو مقفی مسجع لکھنے کا عام رواج تھا مثال کے طور پر رجب علی بیگ سرورؔ کے''فسانۂ عجائب'' کو پیش کیا جاسکتا ہے۔سرسید نے اردو نثر کو اس قید سے آزاد اور رہا کیا اور عبارت آرائی رعایت لفظی کے گورکھ دھندوں سے نکال کر سہل اور بے تکلف طرز ادا اختیار کیا ان کی وجہ کر ہی اردو نثر کا دامن وسیع ہوا۔انہوں نے اردو نثر کو علمی اور سائنسی مزاج عطا کیا اور نثر کو اس لائق بنادیا کہ وہ ہر طرح کے مضامین بیان کرنے پر قادر ہوگئی، یہ سرسید کا ہی کارنامہ ہے ''اردو نثر کے ارتقاء میں سرسید کا حصہ'' کے تحت سرسید کے تمام رفقاء اور ان کی تمام تصانیف بھی شامل ہوں گی۔کیوں کہ سرسید کی وجہ کر ان لوگوں نے بھی اردو نثر کو بہت مالا مال کیا، سر سید نے نثر کو ایسی بنایا جو صرف زبان تک چٹخارے کا سامان نہ بنے بلکہ ذہن کے نہاں خانوں سے اتر کر دلوں کو چھولے،انہوں نے اسلوب ایسا استعمال کیا جو منطقی تھا اور جس کی بنیاد حقیقت پسندی تھی یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ سرسید کی بدولت ہی اردو نثر آسمان تک پہنچ گئی اور ہر طرح کے مضامین ادا کرنے پر قادر بھی ہوگئی لہٰذا اردو نثر کے ارتقاء میں سرسید کا

ایک بڑا حصہ ہے۔

## سرسید کے معاصرین اور رفقاء،سرسید کے اثرات اردو ادب پر،علی گڑھ تحریک کا اردو ادب پر اثر

سرسید کی شخصیت ہمہ جہت شخصیت تھی۔انہوں نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے جو بھلائے نہیں جا سکتے اسی طرح انہوں نے اردو ادب پر ایسے نقوش چھوڑے ہیں جو مٹائے نہیں مٹ سکتے۔انہوں نے تصنیف و تالیف میں بڑا حصہ لیا تھا جس کی بدولت ''آثار الصنادید''، ''اسبابِ بغاوت ہند'' اور ''خطبات احمدیہ'' جیسی پچیسیوں کتابیں منظر عام پر آئیں۔

سرسید احمد خاں کے فکری اور علمی کاموں کو بڑھانے میں ان کے رفقا کا بڑا ہاتھ ہے تعقل پسندی جو سرسید کا محبوب نظریہ تھا اس کو چراغ علی نے نہ صرف پسند کیا بلکہ اس کو اپنانے میں سرسید سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے۔ان کے دوسرے دوست محسن الملک جنہوں نے کئی اہم علمی کاموں میں حصہ لیا چنانچہ وہ سائنٹی فک سوسائٹی کے سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور ''تہذیب الاخلاق'' میں سرسید کے بعد سب سے زیادہ مضامین لکھے ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مشنِ سرسید کے سب سے بڑے داعی اور مبلغ تھے۔سرسید کے دوستوں میں علامہ شبلی کا مقام بہت اہم ہے۔جنہوں نے تقابلی تنقید کی بنیاد ڈالی اور سوانح نگاری کے میدان میں ایسے کارنامے انجام دیئے جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔''الفاروق'' ان کی شاہکار تصنیف ہے۔انہیں مشرقی اور قدیم روایتیں عزیز ہیں،انہوں نے تعقل پسندی کو مضبوط بنایا اور بھی کئی ادبی خدمات انجام دی ہیں۔سرسید کے دوستوں میں منشی ذکاء اللہ تھے جنہیں تاریخ ہند میں ایک کمال حاصل ہے چنانچہ انہوں نے دس جلدوں میں ''تاریخِ ہندوستان'' لکھا۔سرسید کے اہم دوستوں میں الطاف حسین حالی کا نام بھی آتا ہے۔جنہوں نے سرسید کی فرمائش پر ''مسدس حالی'' لکھا انہوں نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' بھی لکھا جس

سے باقاعدہ جدید تنقید کا آغاز ہوا، حالی نے جدید تنقید کی طرح باقاعدہ سوانح نگاری کی بھی بنیاد ڈالی ''حیاتِ سعدی'' سے ان کی باقاعدہ سوانح نگاری کا آغاز ہوا۔ ''یادگارِ غالب'' ان کی شاہکار تصنیف ہے۔ جس کے بغیر غالب شناسی کا حق پورا ادا نہیں ہوسکتا، انہوں نے ''حیاتِ جاوید'' لکھا جو سر سید کی سوانح عمری ہے غرض کہ سر سید کی مخلصانہ کوششوں کی بدولت ہی آج اردو ادب افق پر نظر آتا ہے۔ سر سید اور ان کے رفقاء کے اثرات اردو ادب پر اُسی طرح جلوہ فگن ہیں جس طرح آسمان پر چمکتے ستارے۔ سر سید اور ان کے رفقاء کی کاوشیں اوران کے اثرات اردو ادب پر ہمیشہ نظر آتے رہیں گے۔

❑ ❑ ❑

# علی گڑھ کی سماجی اور ادبی خدمات

علی گڑھ تحریک باقاعدہ طور پر 1870 سے شروع ہوئی اور جس نے سماج کی خدمت میں بڑا حصہ لیا جب آزادی کا مسئلہ سامنے آیا تو اس میں بھی اس تحریک نے اہم رول ادا کیا جس کا مقصد بھی سماجی خدمت تھا۔ اسی تحریک کے سبب خصوصاً مسلمانوں میں تعلیم کا ذوق و شوق پیدا ہوا، انگریزی تعلیم کے حصول کا رواج عام ہوا، رسم و رواج کی بیخ کنی کی کوشش کی گئی اور مسلم عورتوں کی تعلیم کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ غرض کہ اس تحریک نے سماجی خدمت کے حوالے سے بہت سارے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

جہاں تک ادبی خدمات کی بات ہے تو اس کے زیر اثر بڑے بڑے قلم کار پیدا ہوئے جنہوں نے ادب کی پوری طرح آبیاری کی۔ سرسید اور ان کے تمام رفقاء کی ادبی خدمات کو اس ذیل میں پیش کیا جا سکتا ہے

ان کے رفقاء میں حالؔی، شبلؔی، منشی ذکاء اللہ اور ڈپٹی نذیر احمد کی ادبی خدمات قابلِ توجہ ہیں۔

حالؔی نے مسدس حالی، حیاتِ جاوید، حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب اور مقدمۂ شعرو شاعری جیسی اہم کتابوں کو پیش کر کے ادبی خدمات پیش کیا۔ شبلی نے الفاروق، المامون موازنۂ انیس و دبیر اور شعرالعجم جیسی قابلِ قدر کتابوں کے طفیل ادبی خدمات انجام دیا۔ منشی ذکاء اللہ نے تاریخ ہندوستان لکھ کر ادبی کارنامہ پیش کیا۔ اسی طرح سرسید کے ایک رفیق ڈپٹی نذیر احمد نے سماجی برائیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے کئی ناول پیش کئے اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ علی گڑھ کی سماجی اور ادبی خدمات بہت زیادہ ہیں۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ اردو ادب اور قومِ مسلم کبھی بھی علی گڑھ کی خدمات سے انکار نہیں کر سکتے۔

# اقبال بہ حیثیت غزل گو

پوری دنیائے شاعری پہ نظر ڈالنے کے بعد جن دو عظیم شعراء کا نام سرِ فہرست آتا ہے وہ میر اور غالب ہیں۔ ان دونوں کے گزرنے کے بعد دونوں کی صفاتِ کاملہ کو روحِ اقبال میں منتقل کر کے اس آب وگل میں بھیج دیا گیا۔ اس چیز کا احساس خود اقبال کو بھی تھا ؎

تین شاعر مختلف اوقات میں پیدا ہوئے
جن کے فیضِ طبع نے اردو کو گنج زر دیا
اک اثر میں بڑھ گیا اک رفعتِ تخیل میں
تیسرے میں اس لئے دونوں کو یکجا کر دیا

اقبال نے بھی اور شعراء کی طرح اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا شروع شروع میں داغ دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور یہی وجہ ہے کہ ان کے شروع کے کلام میں داغ کا رنگ پایا جاتا ہے مثال کے طور پر ؎

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

لیکن آہستہ آہستہ ان کی غزلوں کا رنگ بدلتا ہوا نظر آتا ہے ؎

ہو دیکھنے کا شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

اقبال کا وہ شعر جس میں میر کا انداز دیکھ سکتے ہیں جیسے ؎

نہیں بیگانگی اچھی رفیقِ راہ منزل سے
ٹھہر جا اے شرر ہم بھی تو آخر جلنے والے

ایک ایسا شعر جس میں غالب کا رنگ بھی دیکھا جاسکتا ہے ؎

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اقبالؔ نے اپنے غزلوں سے یہ بھی ثابت کیا کہ غزل صرف حسن و جمال اور ہجر وصال کا نام نہیں ہے بلکہ غزل میں بے پناہ وسعت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ان کی شاعری یوروپ کے قیام تک مجموعی طور پر ایک ہی طرح رہتی ہے لیکن جب وہ یوروپ سے لوٹتے ہیں تو ان کا طرز فکر ہی بدل جاتا ہے اور اب ان کی شاعری میں ''خودی'' کی جھلک اور اس کا پیغام سامنے آتا ہے۔

اقبال نے غزلوں کے ذریعہ جہاں اور سارے پیغامات دنیا کے سامنے پیش کئے اُن پیغامات میں انسانیت کا بھی پیغام دیا اور یوں بول اٹھے ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اقبالؔ کے غزلوں میں جو سوز ہے اور اس کی جو معنویت ہے وہ بال جبریل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

مجموعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اقبال کی غزل گوئی کی بھی اپنی معنویت ہے لیکن ان کا اصل مقام نظم نگاری میں نظر آتا ہے۔

## اقبال بہ حیثیت نظم نگار

اقبال کی نظم نگاری کے بھی چار ادوار قائم کئے جا سکتے ہیں۔ ''بانگ درا'' اقبال کی شاعری کا پہلا دور ہے۔ اس کے متعلق اقبال نے لکھا ہے کہ بانگ درا کی بیشتر نظمیں میرے طالب علمی کے زمانے کی ہیں۔ اقبال کی پہلی نظم جو ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے وہ 'ہمالہ' ہے۔

شروع شروع میں داغ دہلوی کی پیروی ان کے کلام میں ملتی ہے۔اس کے علاوہ اکبرالہ آبادی اوراسماعیل میرٹھی کی بھی تقلید کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کی اس دور کی نظموں میں وطنیت اور ملت کا حسن امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔اس کے علاوہ ایسی نظمیں بھی ہیں جو منظر نگاری کی وجہ سے بہت کامیاب ہیں۔مثال کے طور پر نظم ''ایک آرزو'' اور ''جگنو'' کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ان نظموں میں تصویر کشی اور منظر نگاری اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔اقبال کی نظم ''تصویر درد'' اس دور کی بے بسی اور بے کسی کی کیا خوب ترجمانی کرتی ہے ۔

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

اقبال کی نظم ''نیا شوالہ'' ایک ایسی نظم ہے جس کے ہر شعر میں وطن کی آگ بھری ہوئی ہے ۔

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

اس دور کی نظموں کے متعلق ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں کہ ''اس دور کی نظموں کی سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت فطرت کی عکاسی اور حب الوطنی سے سرشاری ہے۔''

اقبال کی نظم نگاری کا دوسرا دور 1905ء سے 1908ء پر مشتمل ہے۔اقبال کی نظم نگاری کا یہ دور مختصر ترین سہی لیکن اقبال کی شاعری اور پیغام کے سلسلے میں سب سے اہم اور انقلابی دور ہے اس دور کی شاعری کے متعلق عبدالسلام ندوی نے لکھا ہے کہ ''اس دور کی شاعری اسلامی شاعری ہے۔''اس دور کی نظمیں جیسے ''طلوع اسلام'' اور ''خضر راہ'' میں جس قسم کا جوش وخروش موجیں مار رہا ہے، وہ آخری دور کی نظموں میں بہت کم نظر آتا ہے۔

اقبال کی نظم نگاری کا تیسرا دور بال جبریل کی اشاعت کے بعد شروع ہوتا ہے، بال جبریل کی نظموں میں اقبال کے تمام فکر وفن سمٹ آئے ہیں۔''مسجد قرطبہ''، ''ذوق وشوق'' ''ساقی نامہ''، جیسی نظمیں جہاں طویل ہیں وہیں فکر وفن کے لحاظ سے بھی ان کی بہترین

نظمیں ہیں۔بال جبریل میں سیاسی موضوع پر بھی بعض نظمیں ہیں،اس مجموعے کی سب سے پر جوش نظم ''ساقی نامہ'' ہے۔نظم ''مسجد قرطبہ'' کو یوسف حسین خاں نے جدید اردو ادب کا شاہکار کہا ہے۔

اقبالؔ کی نظم نگاری کا چوتھا اور آخری دور ''ضرب کلیم'' کی نظموں سے لیکر ''ارمغان حجاز'' کی اردو نظموں پر مشتمل ہے۔یہ بھی یاد رہے کہ ضرب کلیم تک پہنچتے پہنچتے اقبال کی شاعری پر فلسفہ غالب آجاتا ہے۔ضرب کلیم میں زیادہ تر نظمیں ہیں''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' اقبالؔ کے دورِ آخر کی بہترین نظموں میں شمار ہوتی ہے۔

مجموعی طور پر کہا جاتا ہے کہ اقبال کی نظمیں فنی تقاضوں پر مکمل طور پر پوری نہیں اترتیں ایک حد تک یہ بات صحیح ہے لیکن ایسی نظموں کی تعداد کم ہے،وہ بہت بڑے نظم نگار ہیں اور بنیادی طور پر بہ حیثیت نظم نگار ان کی اپنی شناخت ہے۔

## اقبالؔ کی زندگی کے مختلف ادوار اور ذہنی ارتقاء

علامہ اقبالؔ 1877ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ان کے آباواجداد سپرو برہمن تھے جو کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ چلے آئے تھے،ان کے والد کا نام ''شیخ نور محمد'' اور والدہ کا نام ''امام بی بی'' تھا۔اقبال کی ابتدائی تعلیم گھر اور مکتب میں ہوئی،بعد میں ان کا داخلہ اسکاچ مشن اسکول سیال کوٹ میں ہوا،انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے فلسفہ میں ایم۔اے کیا، اقبال کی زندگی کا ایک دور یہاں تک مان سکتے ہیں۔اقبال کی زندگی کا ایک دور 1905ء کے بعد کو مان سکتے ہیں جب وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انگلینڈ گئے وہاں اپنے تین سالہ قیام کے دوران انہوں نے میونخ یونیورسٹی سے Ph.D اور لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔

اقبالؔ یوروپ سے واپس آئے۔اسے بھی ایک دور مانا جا سکتا ہے اور یہاں آکر وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔21/اپریل 1938ء کو فلسفۂ خودی کے معلم علامہ اقبال ہمیشہ ہمیش کے لئے ابدی نیند سو گئے۔

## ذہنی ارتقاء

اقبال کی ابتدائی تعلیم گھر اور مکتب میں ہوئی جب ان کا داخلہ اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ میں ہوا تو وہاں ان کے استاد مولانا میر حسن تھے جو عربی فارسی کے جید عالم تھے۔ اقبال ویسے بھی مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور میر حسن جیسے کامل استاد کی تربیت نے مذہبی افکار کا حامل بنا دیا چنانچہ اقبال کی ذہنی تربیت میں ان کا اہم رول رہا۔ اقبال جب ایم۔اے کر رہے تھے اسی وقت انہوں نے مذہبی افکار کے ساتھ ساتھ جدید افکار و نظریات سے بھی واقفیت حاصل کی گویا یہاں آ کر ذہنی ارتقاء صحیح معنوں میں شروع ہوتا ہے۔ پروفیسر تھامس آرنالڈ جیسے مغربی نظریے کے حامل استاد سے بھی بھرپور استفادہ کیا جب اقبال نے یوروپ جا کر یوروپی حکماء و فلاسفہ کے افکار و نظریات کا مطالعہ کیا تو انہیں یہ بات ذہن کے دریچے میں سا گئی کہ وطنیت اور قومیت کا تصور عبث ہے اگر کوئی تصور یا نظریہ صحیح ہے تو وہ مذہب اسلام کے تصورات و نظریات ہیں اس طرح اقبال کا ذہنی ارتقاء ہوتا ہے۔

## اقبال کے فکری سرچشمے

اقبال کے فکری سرچشمے ابتداء دو تھے ایک مشرقی سرچشمہ جس کا تانا بانا مولانا رومؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ملتا تھا اور دوسرا مغربی سرچشمہ جس کی کڑی برگساں اور نطشے سے ملتی تھی۔

اس کو وضاحت سے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مشرقی سرچشمہ میں توانائی اور روحانیت پیدا کرنے کے لئے مولانا میر حسن، مولانا جلال الدین رومی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار و خیالات اور ان کی تعلیمات کو پیش نظر رکھا جبکہ مغربی سرچشمہ کی آبیاری کے لئے برگساں، نطشے، آرنالڈ اور نکلسن کو مد نظر رکھ کر ان کے تصورات و خیالات سے کسبِ فیض کیا۔ ان تمام حقائق کے باوجود اقبال کا اصل فکری سرچشمہ قرآن و حدیث ہے

## اقبال کی فکر کے اساسی پہلو

اقبال کی فکر کا اساسی پہلو قرآن مجید، احادیث مبارکہ، فقہ، عقائد اور علمِ کلام ہے۔

## اقبال کا وطنی قومی ملی اسلامی اور سماجی شعور

'بانگِ درا' کی نظموں میں اقبال کا وطنی شعور اور قومی احساس افق پر ہے۔ اقبال کے اندر وطنی اور قومی شعور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اس کی تصویر ان کی نظموں میں واضح ہے چنانچہ وہ ایک جگہ یوں کہتے ہوئے نظر آتے ہیں ؎

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھکو ہر ذرہ دیوتا ہے

اسی طرح قومی شعور بھی ان کی ابتدائی نظموں کی روح ہے۔ چنانچہ وہ اپنا لب ایک جگہ یوں وا کرتے ہیں ؎

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

اقبال کی وطنی، ملی شاعری اور شعور کا سنگم ضربِ کلیم کی نظم ''شعاعِ امید'' ہے جو ان کے تخیل کی بلند پروازی کی بھی دلیل ہے جس نظم کا آخری شعر ہے ؎

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

اقبال کا ملی اور اسلامی شعور اسلام اور اس کی پاکیزہ تعلیمات کی غماز ہے اسی وجہ سے وہ شاعرِ مشرق کے ساتھ ساتھ شاعرِ اسلام قرار پائے۔ جہاں تک سماجی شعور کی بات ہے تو اس میں بھی وہ ملی اور اسلامی شعور کی طرح سماج کی ترقی کا انحصار اور اس کی بنیاد صرف مذہب اسلام اور اس کی تعلیمات ہی کو مانتے ہیں غرض کہ اقبال کا کوئی بھی شعور ہو وہ اسلامی تعلیمات سے پُر ہے۔

# اقبال کا فلسفۂ خودی

اقبال کی شاعری خصوصاً فلسفیانہ شاعری کا سب سے مشہور اور اہم موضوع ''خودی'' ہے جسے بجا طور پر ایک فلسفہ کہا جاتا ہے اقبال نے اپنے کلیات (اردو) میں لفظ ''خودی'' کو بطور عنوان تین مرتبہ استعمال کیا ہے۔ ایک نظم ''خودی'' کے نام سے 'بال جبریل' میں ہے اور دو نظمیں ''خودی کی تربیت'' اور ''خودی کی زندگی'' کے عنوان سے 'ضرب کلیم' میں ملتی ہیں اقبال کے کلیات کا وہ آخری شعر جس میں لفظ ''خودی'' استعمال ہوا ہے وہ مصرعہ یہ ہے ۔

ع ''تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ''

اقبال کے کلام میں ''خودی'' کا فلسفہ مرکز بھی ہے محور بھی۔ یہ بھی یاد رہے کہ ''خودی'' کا لفظ فارسی اور اردو میں اقبال سے پہلے بھی استعمال ہوا ہے لیکن اس وقت لفظ ''خودی'' کبر و نخوت کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا شاید اقبال اردو کا پہلا شاعر ہے جس نے خودی کو مثبت معنی میں استعمال کیا اور احساس خودی کو اجاگر کرنے کی تعلیم دی۔ ''خودی'' اپنے آپ کو اس طرح پہچاننے کا نام ہے کہ ہم میں تعمیر کے مقصد سے مٹانے کی قوت اور تشکیل جدید کے مقصد سے بنانے کی کتنی صلاحیت ہے۔ ہم مادہ کو کہاں تک زیر کر سکتے ہیں اور روح کو کہاں تک ابھار سکتے ہیں اس طرح اقبال نے ''خودی'' کو غرور کے معنی سے بلند کر کے احساس نفس کے مفہوم میں پہنچا دیا ہے

اقبال خود اپنے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے ''اسرار خودی'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ ''خودشناسی کا یہ شرارہ جو انسان کی تمام خواہشات احساسات اور نظریات کو روشن کرتا ہے، کوئی وہم یا برائی نہیں ہے۔'' بلکہ یہ کائنات کا بنیادی اصول اور انسان کی تمام کوششوں اور کامیابیوں کا سرچشمہ ہے۔ اقبال کے خیال میں زندگی کوئی مکمل شئی نہیں ہے بلکہ ایک مسلسل عمل ہے۔ اقبال کی نظر میں ایسی تمام چیزوں کی قبولیت جو بغیر محنت کے ملے بری ہے وہ اس لیے کہ یہ ہماری توانائیوں کو سلا دیتی ہے ۔

چھپتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

اقبالؔ کی نظر میں خودی کا مفہوم خود اپنی ذات ہے، اقبال کے خیال کے مطابق ''خودی'' اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ انسانوں کو اپنی حقیقت کا ایسا شعور حاصل ہو جائے کہ وہ خدائی احکامات کی پیروی میں بے پناہ مسرت و الفت محسوس کرنے لگے اور صفاتِ خداوندی کا عکس اپنے اندر اتار لے۔

اقبالؔ اس صوفیانہ تصور کے بالکل مخالف ہیں کہ خودی کو مارنے سے عرفانِ حق حاصل ہو سکتا ہے اس کے برعکس ان کا یہ خیال ہے کہ خودی کو اجاگر کر کے ہی عرفانِ حق ممکن ہے ؎

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

اقبالؔ کی نظر میں انفرادی خودی کی بیداری سے ہی کائنات بیدار ہو سکتی ہے ؎

خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے بیداریٔ کائنات

اقبال خودی کو وسیع کینوس میں دیکھنے کے مشتاق ہیں ان کا خیال ہے کہ انسان اپنی خودی کو ایک حد تک بلند کر لے تو پھر تقدیر اس کے لئے بے معنی ہو جاتی ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اس کے بغیر انسان بے حقیقت اور اس کی زندگی موت کے مترادف بن جاتی ہے جب کہ ''خودی'' کی زندگی حقائقِ عالم کا ادراک بخشتی ہے بقول اقبالؔ

ع خودی ہے زندہ تو ہے فقر میں شاہی

غرض کہ فلسفہ خودی ایک ایسا کامیاب فلسفہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی میں رونق لائی جا سکتی ہے۔

# اقبال کی شاعری میں مردِ کامل / مردِ مومن کا تصور

اقبالؔ کی شاعری میں مردِ مومن / مردِ کامل کے تصور کی اپنی اہمیت ہے اس شعر میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب کار آفریں کار کشا کار ساز

اقبال کا مردِ مومن وہ مثالی انسان ہے جو دنیا میں سب سے بلند مرتبت اور ان کے نظریۂ خودی کے ارتقاء کی آخری کڑی ہے اُس جیسا عظیم المرتبت انسان روز روز پیدا نہیں ہوتا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اسی حقیقت کی طرف میر تقی میرؔ نے یوں اشارہ کیا تھا۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

لیکن اگر ایسا انسان پیدا ہو جائے تو کائنات میں تہلکہ مچ جاتا ہے اتنا ہی نہیں ستارے بھی مارے خوف کے لرزنے لگتے ہیں۔

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

ابن عربی اور دوسرے صوفیائے کرام کے نزد، برخلاف اقبال کے انسانِ کامل کی انتہا یہ ہے کہ وہ خدا میں ضم ہو کر اپنی انفرادیت کھو دے اس طرح اقبال کا مردِ مومن خدا کی صفات کا حامل ہونے کے باوجود اپنی انفرادیت برقرار رکھتا ہے اور اس مقام پر فائز ہونے کے لیے اطاعتِ خداوندی اور ضبطِ نفس کے مراحل سے گزرتا ہے دراصل اقبال کا مردِ مومن خلافت الٰہیہ کے تصور پر مبنی ہے۔

انسانِ کامل ہی تخلیق کائنات کا اصل مقصد ہے نمونہ کے طور پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیا ہے۔

اقبال کے مرد مومن اور نطشے کے فوق البشر میں وہی فرق ہے جو ہٹلر اور عمر فاروقؓ میں ہے۔ اقبال کا مرد مومن قوت کا پیکر ہوتا ہے وہ دنیاوی جاہ وجلال اور شوکت وحشمت میں یکتا ہوتا ہے، اس کی سلطنت کی وسعت بیکراں ہوتی ہے جب وہ سیف اللہ بن جاتا ہے تو پہاڑ بھی اس کی ہیبت سے رائی رائی ہو جاتا ہے

ع پہاڑ ان کی ہیبت سے ہوتے ہیں رائی

اقبال کے مرد مومن کی قوت کا سر چشمہ اللہ کی ذات ہے اس لیے اس میں جسمانی قوت کے علاوہ روحانی قوت بھی آجاتی ہے ؎

کافر ہے تو شمشیر پر کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اقبال کا مرد مومن انسانیت کے لیے خیر و برکت اور رحمت خداوندی کا مظہر ہے اور وہ علم ومحبت، خدا سے الفت اور عقل وعشق کی انتہائی صفات اپنے اندر رکھتا ہے۔

اقبال کی شاعری میں مرد مومن رمرد کامل کے تصور سے انسانی زندگی میں روحانیت کے ساتھ ساتھ مثبت حرکت وعمل پیدا کرنے کی ایک اہم کوشش ہے۔

□ □ □

# بانگِ درا: ایک جائزہ

''بانگِ درا'' 336 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ اقبال کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو تین حصوں پر مشتمل ہے اس شعری مجموعہ کی سب سے پہلی نظم ''ہمالہ'' ہے اور جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔

اے ہمالہ! اے فصیل کشورِ ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں، دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں

''بانگِ درا'' حصہ اول میں 49 نظمیں ہیں اور ایک باب غزلیات کے عنوان سے بھی شامل ہے جب کہ حصہ دوم کی ابتدا ''محبت'' نظم سے ہوتی ہے جس کی ابتدا کچھ اس طرح ہوتی ہے ۔

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی نا آشنا خم سے
ستارے آسماں کے بے خبر تھے لذتِ رم سے

اسی طرح حصہ دوم کی انتہا ''صقلیہ'' نامی نظم سے ہوتی ہے۔ حصہ سوم کی ابتداء ''بلادِ اسلامیہ'' سے اور اختتام ''طلوعِ اسلام'' جیسی نظم پر ہوتا ہے یہ یاد رہے کہ ''بانگِ درا'' میں بعض ایسی نظمیں بھی ہیں جو قابلِ اعتناء ہیں: حصہ اول میں ''بچے کی دعا''، ''ہمدردی'' اور ''ماں کا خواب'' بہت عمدہ نظمیں ہیں اس مجموعہ میں نظموں کے علاوہ کچھ غزلیں بھی ہیں اور آخر میں ظریفانہ کلام ہے۔

اس مجموعے سے اقبال کے ذہنی ارتقاء کو بھی بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے اس میں مضامین

کا تنوع بہت زیادہ ہے یہ واضح رہے کہ اس میں اتنی فلسفیانہ گہرائی نہیں ہے جو بعد کی نظموں میں نظر آتی ہے۔غرض کہ یہ قابلِ قدر شعری مجموعہ ہے۔

## بال جبریل: ایک مطالعہ

''بانگِ درا'' کے بعد ''بالِ جبریل'' اردو زبان میں اقبال کا دوسرا مجموعۂ کلام ہے اس شعری مجموعہ میں نظمیں کم ہیں اور زیادہ تر حصہ غزلیات، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے، ''بال جبریل'' ہی میں اقبال نے 'خودی' کی پہلے پہل تلقین کی ہے۔ اسی طرح مرد کامل رمرد مومن کی خوبیوں اور اچھائیوں کو اجاگر بھی کیا ہے اور مرد مومن بننے کی بات بھی پیش کی ہے۔

اس شعری مجموعہ میں مسلمانوں کے کھوئے ہوئے وقار وعظمت کو واضح طور پر پیش کیا ہے۔ اس مجموعے کی اہم نظموں میں ''ذوق وشوق''، ''ساقی نامہ'' اور ''مسجد قرطبہ'' جیسی نظمیں ہیں۔ اس شعری مجموعہ کی اہمیت کی بنا پر ہی اسے ''گلِ سرسبد'' بھی کہا جاتا ہے۔

## ضربِ کلیم: ایک محاسبہ

''ضرب کلیم'' اقبال کا اردو مجموعہ کلام ہے جو بال جبریل کے بعد پیش کیا گیا۔ یہ شعری مجموعہ 182 رصفحات پر مشتمل ہے، ''ضرب کلیم'' سے مراد دورِ حاضر کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اقبال نے ''ضرب کلیم'' کو کچھ عنوانات کے تحت تقسیم کر کے پیش کیا ہے۔ اس شعری مجموعے کی ابتدا ''صبح'' نظم سے ہوتی ہے اور دوسری نظم ''لا الہ الا اللہ'' ہے جو قابلِ رشک ہے، اس شعری مجموعہ میں 'جہاد' جیسے حساس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسی مجموعہ میں ''اے روح محمد'' نظم بھی شامل ہے، اس میں ایک عنوان ''تعلیم وتربیت'' کے نام سے ہے جس کے اندر 28 رنظمیں شامل ہیں۔ اس کے بعد ''عورت'' عنوان ہے جس کے تحت 9 رنظمیں پیش کی گئی ہیں، اس کے بعد ''ادبیاتِ فنون لطیفہ'' کے تحت 43 رنظموں کو پیش کیا گیا ہے ''سیاسیاتِ مشرق ومغرب'' کے عنوان کے تحت 35 رنظمیں شامل ہیں اور آخر میں ''محراب

گل افغاں کے افکار'' نامی ایک عنوان ہے اور اسی عنوان کے حوالے سے ایک نظم بھی ہے اس شعری مجموعہ کو نواب سر حمید اللہ خاں فرماں روائے بھوپال کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔

اقبال کا یہ شعری مجموعہ اور مجموعوں کے مقابلے میں زیادہ گہرا اور پختہ ہے اس میں ملت کے کئی طرح کے مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔

## ارمغانِ حجاز: ایک تجزیہ

''ارمغان حجاز'' نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں جو بھی نظمیں ہیں وہ سرزمین حجاز کی محبت اور نبی رحمتؐ کے عشق والفت کے پاکیزہ جذبات سے معمور ہیں، ان میں جتنی رباعیاں ہیں سب کی سب عشقیہ جذبات سے مملو ہیں۔ ''ارمغان حجاز'' کا نصف حصہ اردو پر مشتمل ہے اور نصف حصہ فارسی پر۔ اسی مجموعہ میں اقبال کی مشہور نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' بھی شامل ہے۔

''ارمغان حجاز'' اقبال کے فکروفن کی بہترین غماز ہے اس میں اقبال کے آخری دور کی نظمیں شامل ہیں۔ ارمغان حجاز آخری وقت میں لکھا گیا ہے اس لیے اس میں فنی پختگی بھی ہے اور جو اردو نظمیں اس میں شامل ہیں وہ سنجیدگی کا پتا دیتی ہیں غرض کہ یہ شاہکار تصنیف بھی قابلِ اعتناء ہے جسے پڑھنے سے عشقِ نبیؐ پیدا ہوتا ہے اور دیارِ نبیؐ کی یاد تروتازہ ہو جاتی ہے۔

## مسجدِ قرطبہ: ایک جائزہ

سرزمین اندلس پر جب اقبال نے قدم رکھا اور اس مسجد کو دیکھا تو ان کا دل مچل اٹھا ان ہی جذبات واحساسات سے معمور نغمہ کی صورت ہی ''مسجد قرطبہ'' نظم کی شکل میں ہے۔

نظم ''مسجد قرطبہ'' کے مرکزی موضوع کا محرک اندلس کے سینے پر تعمیر شدہ مسجد کا جمال وجلال ہے۔ یہ مسجد ہسپانوی تاریخ کے اہم دور کی نشان دہی کرتی ہے، یہ مسجد صرف شاندار عمارت کی وجہ سے نہیں بلکہ روحانی قوت اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی ایک غیر فانی یادگار ہے۔ اس نظم میں اقبال نے مسلمانانِ عالم کی تاریخ بیان کی اور ساتھ ہی ساتھ ان کے

شاندار مستقبل سے ہمیں آشنا کرنے کی بھی سعی بلیغ کی ہے۔ ''مسجد قرطبہ'' ایک شاہکار نظم ہے بلکہ پوری اردو شاعری میں اس نظم کا اپنا ایک مقام ہے، اس نظم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آرٹ، تاریخ اور فلسفہ تینوں کو ایک شاعرانہ اسلوب میں سمو دیا گیا ہے۔ نظم کی ابتدا ایک موثر انداز میں ہوتی ہے ؎

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلۂ روز وشب اصل حیات و ممات

اقبال نے پہلے بند میں قانونِ فنا کو پیش کیا ہے جس کے آگے امید کی کیفیت پیدا ہوتی ہے چناں چہ یوں فرماتے ہیں ؎

ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات و دوام
جس کو کیا کسی مردِ خدا نے تمام

اقبال آگے عشق کے متعلق بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ہر چیز اس کے سانچہ میں ڈھل جاتی ہے ؎

عشق کے مضراب سے نغمۂ کار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے کار حیات

پھر اقبال نے اس عمارت کو معجزۂ فن سے تعبیر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ معجزۂ فن خونِ جگر کے بغیر وجود میں نہیں آیا ہے اور یہ وجود عشق کی تپش کا نتیجہ ہے۔ اقبال نے اس مرد مومن کی کاوشوں کو سراہا ہے پھر انہوں نے اسلامی عہد کے اندلس کو بیان کیا ہے۔

اس نظم کا موضوع گرچہ قنوطی ہے لیکن انہوں نے رجائی طور پر پیش کیا ہے۔ اس نظم کا پس منظر بہت طول طویل ہے۔ اس نظم میں اقبال کے بہت سارے نظریات شامل ہو گئے ہیں یہ ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال کی نمایاں شخصیت واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ نظم اقبال کی شاہکار نظموں میں سے ہے۔ اس نظم کے متعلق ماہر اقبالیات پروفیسر جگن ناتھ آزاد یوں لکھتے ہیں کہ ''یہ نظم (مسجد قرطبہ) اقبال ہی کا نہیں بلکہ ساری اردو شاعری

کا شاہکار ہے۔"

غرض کہ یہ نظم قدیم وجدید شاعری کے ہر معیار پر پوری اترتی ہے۔

## ساقی نامہ: ایک جائزہ

"ساقی نامہ" علامہ اقبال کے بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں شاعر کے فکری خدوخال کو پوری طرح دیکھا جا سکتا ہے۔ اس نظم میں جہاں فکرو فلسفہ ہے وہیں تہذیبی اور سماجی شعور کا بھی عنصر شامل ہے اس میں ایک مکمل نظریۂ حیات ہے، اس نظم کی بنیاد، خیال پر استوار نہیں ہے بلکہ شروع سے آخر تک حقیقت سے بھرپور ہے۔

اس کا آغاز بہار کی تصویر کشی سے ہوتا ہے جو نئی زندگی کا اشارہ ہے، اقبال کی نظر چپے چپے پر کاروانِ بہار کو خیمہ زن دیکھتی ہے اور اس وجہ سے انہیں دامنِ کہسار پر ارم کا گمان ہوتا ہے۔

شاعر آگے یہ کہنا چاہتا ہے کہ کوئی کمزور نہ رہے، غلام اور مزدور کے اندر بھی زندگی کی لہر دوڑ جائے، آگے چل کر اقبال کو رنج ہوتا ہے کہ اس انقلابی فضا میں بھی مسلمان بیدار نہیں ہوتا، اس کے یہاں تبدیلی کے آثار نظر نہیں آتے۔ بلکہ ساری امت خرافات میں کھوگئی ہے مسلمان کے عشق کی آگ بجھ چکی ہے اور وہ صرف راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گیا ہے۔

اقبال چاہتے ہیں کہ کاش...... مسلمانوں میں عشق کے پَر لگ جائیں، ان کی خاک جگنو بن کر اڑ جائے، فرد غلامی سے آزاد ہو، ملت میں زندگی پیدا ہو اور اس کو تڑپنے پھڑکنے کی توفیق عطا ہو۔

آگے چل کر زندگی کے فلسفیانہ تخیل کے بعد اس نظم میں 'خودی' کی وضاحت کرتے ہیں کیوں کہ 'خودی' ہی زندگی کا گوہر ہے۔ ان کے خیال میں 'خودی' کی مثال ایسی ہے جیسے تلوار میں دھار ؎

یہ موجِ نفس کیا ہے؟ تلوار ہے
خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے

'خودی' کے حوالے سے ایک جگہ یوں گویا ہیں ؎

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تِل میں ہے

''ساقی نامہ'' میں اعلیٰ ترین انسانی اقدار کی ترجمانی ہے، یہ اقدار مذہب، تہذیب سماج اور اخلاق غرض کہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں، اس کا موضوع وسیع اور ہمہ گیر ہے جہاں تک انداز بیان، اسلوب اور طرز ادا کی بات ہے تو اس اعتبار سے بھی ایک مکمل نظم ہے، اس نظم کی علاماتی فضا ایک نئے مزاج کو ظاہر کرتی ہے اور اس میں ایک نئی اور جاندار امیجری کا پتا چلتا ہے اور یہ امیجری روایت کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہے بلکہ نئے افکار و خیالات کے ساتھ بھی اس کا گہرا رشتہ ہے۔

اقبالؔ اس نظم سے حوصلہ اور ولولہ پیدا کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ اس کے بغیر زندگی موت کے مترادف ہے۔

مجموعی طور پر اقبال کی یہ نظم......لازوال نظم ہے اور مقصدیت سے پُر ہے۔

## طلوعِ اسلام: ایک جائزہ

1922ء میں لکھی جانے والی یہ نظم ''بانگ درا'' کی آخری نظم ہے، اس نظم میں اقبال کا یہ خیال ہے کہ جو قوم حوصلہ مند اور اپنے منزل پر گامزن ہوتی ہے تو اسے کامیابی ضرور ملتی ہے یہ نظم اقبال نے یونانیوں کے مقابلے میں ترکوں کی فتح سے متاثر ہو کر لکھی ہے، اس نظم میں اقبال مصطفےٰ کمال پاشا کو ایک مسیحا کے طور پر دیکھتے ہیں اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں ترکِ شیرازی کا لقب عطا کرتے ہیں، اس نظم کے ذریعہ اقبال نے مسلمانوں کو ان کی بے پناہ صلاحیتوں اور خوبیوں سے باخبر کیا ہے۔ اقبال امت مسلمہ سے یوں مخاطب ہیں کہ صداقت عدالت اور شجاعت جو تمہارے اوصاف تھے اُسے پھر سے پیدا کرو تو تم پوری دنیا کی امامت کر سکتے ہو یا تمہیں امامت کے منصب پر فائز کیا جا سکتا ہے مثال میں خلفاء راشدین کو پیش کیا جا سکتا ہے اسی کو اقبال نے یوں پیش کیا ہے ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اقبالؔ نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ اگر یقیں محکم عمل پیہم کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت نصیب ہو جائے تو زندگی میں یہ کامیابی و کامرانی کی کلید ہے جس کو یوں اقبال نے فرمایا ہے ؎

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

غرض کہ اس نظم میں اخلاقی پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، یہ اقبال کی نمائندہ نظم ہے جو فکروفن کے اعتبار سے بھی قابلِ اعتناء ہے۔ کاش!...... ہم اب بھی جاگ جائیں

## ذوق وشوق: ایک جائزہ

''ذوق وشوق'' اقبال کی اہم نظموں میں سے ہے۔ اس نظم میں اقبال کا تصورِ عشق پوری طرح جلوہ گر ہے، یہ نظم فنی اعتبار سے بھی کامل ومکمل ہے۔ اقبال نے اس نظم میں رب کائنات اور اس کے پیارے حبیب سرکارِ دو عالمؐ سے اپنی عقیدت کا اظہار بڑے خوشگوار طریقے سے کیا ہے، اقبال نے یہ خیال بھی پیش کیا ہے کہ اگر سب کچھ یعنی قیام وسجود ہو مگر شوق نہ ہو تو بیکار ہے جسے یوں تعبیر کیا ہے ؎

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
مرا قیام بھی حجاب مرا سجود بھی حجاب

اقبال نے اس نظم میں مقاصدِ زندگی کی بے زاری کو بیان کیا ہے اور اس کا واحد علاج عشقِ نبی کو بتلایا ہے اور اس حوالے سے ایک نکتہ بھی پیش کیا ہے کہ اگر عشق میں وصال ہو جائے تو وہ عشق موت کے مترادف ہے بلکہ عیشِ دوام کے لیے فراق وہجر ہی اصل شی ہے جس کو یوں بیان کیا ہے ؎

آئی صدائے جبریل تیرا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی

اقبال نے اس نظم میں یہ بتانے کی بھی کوشش کی ہے کہ دنیا کا وجود آپؐ کے دم سے ہے اور ایک بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ علم بغیر عمل کے فائدہ نہیں دیتا جس بات کا اقبال کو خود بھی احساس ہے۔ غرض کہ یہ نظم، شاہکار نظم ہے اور اقبال کی عمدہ تخلیق ہے

## لینین خدا کے حضور میں: ایک جائزہ

''لینین خدا کے حضور میں'' یہ اقبال کی فکری نظم ہے اور اس میں دبے کچلے انسانوں کی کہانی پیش کی گئی ہے جنہوں نے سرمایہ داری کے خلاف انقلاب برپا کر دیا تھا جسے اقبال اچھا سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ عمل اسلامی تعلیمات کے قریب تر ہے۔ اس نظم کے ذریعہ اقبال سرمایہ داروں کے چہرہ سے نقاب ہٹاتے ہیں اور اس کی سرمایہ داری کا پردہ چاک کرتے ہیں۔ لینین خدا کے دربار میں حاضر ہو کر کچھ اس طرح فریاد کرتا ہے ؎

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

مذکورہ شعر میں سرمایہ پرستی کی کشتی ڈوب جانے کی دعا لینین نے مانگی ہے، اقبال نے اپنا پیغام ٹیلی کاسٹ کرنے کے لیے لینین اور اس کے مکالمے کا سہارا لیا ہے۔ فنی اعتبار سے یہ کامیاب نظم ہے اور پُر جوش بھی، یہ نظم ترقی پسند نظریے کی تائید کرتی ہے جس کو کچھ حد تک اقبال بھی پسند کرتے ہیں، اس نظم کے ذریعہ لینین کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا گیا ہے

اگر ایک جملے میں کہا جائے تو یہ بلا چون و چرا کہا جا سکتا ہے کہ یہ نظم، ظلم و بربریت کے خلاف ایک مستحکم آواز ہے جسے اقبال نے بہت ہی اچھی طرح نظم میں پیش کیا ہے۔

□ □ □

# تنقید کی تعریف واہمیت

تنقید کے لغوی معنی پرکھنے یا برے بھلے کا فرق معلوم کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں محاسن اور معائب کا صحیح اندازہ کرنا اور اس پر کوئی رائے قائم کرنا تنقید کہلاتا ہے۔

تنقید کی تعریف میں بہت سارے اختلافات ہیں کئی اسے ادبیات کے پرکھنے اور جانچنے کا آلہ بتاتا ہے۔ کسی کا خیال یہ ہے کہ تنقید تخلیقی ادب کی تشریح کرتی ہے بعضے کے مطابق، تخلیقی ادب میں چھپے ہوئے فلسفیانہ خیال کا پتا لگانا اور تجزیہ کرنا تنقید ہے وغیرہ وغیرہ

تنقید کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں کہ ''تنقید کا وجود زندگی کے لیے بہت ضروری اور اہم ہے آگے لکھتے ہیں کہ ''تنقید کے سہارے ہی انسان زندگی کے تمام اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کرتا ہے یہ دونوں (تنقید اور زندگی) لازم وملزوم ہیں زندگی کو بغیر پوری طرح سمجھے ہوئے اس کی تنقید ممکن نہیں اور تنقید کے بغیر زندگی ایک قدم آگے بڑھ نہیں سکتی۔''

غرض کہ تنقید کی اہمیت ہے ادب کے حوالے سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے تب جا کر کسی بھی ادب پارہ کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

# تنقید کے مختلف دبستان

Prof. SHARIB RUDAULVI
COLLECTION

## مارکسی تنقید

مارکسی تنقید کو ''اشتراکی تنقید'' یا ''ترقی پسند تنقید'' بھی کہا جا سکتا ہے اس تنقید میں

مزدوروں اور کسانوں کی حمایت کی جاتی ہے اور سرمایہ داری نظام کے خلاف آوازیں بلند کی جاتی ہیں گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس میں جانب داری سے کام لیا جاتا ہے لیکن یہ یادر ہے کہ اس میں حقیقت نگاری پر بہت زور دیا جاتا ہے۔اس تنقید میں اس لحاظ سے ادب پارہ کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ ادب عوام کے لیے ہے یا نہیں۔ اردو ادب اجتماعی زندگی کا ترجمان ہے یا نہیں۔اس میں مقصدیت پر کافی زور دیا جاتا ہے۔ مارکسی نقاد پورے دور کو پسِ منظر میں رکھ کر معاشی اور معاشرتی تحریکوں کا اثر اور اس کے ردعمل کو ادب میں تلاش کرتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ مارکسی تنقید کارل مارکس سے متاثر ہے بلکہ اس کے نظریے کو ہی اس تنقید میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

## تاثراتی تنقید

اس کے متعلق پروفیسر نورالحسن نقوی لکھتے ہیں کے

''نقادوں کا ایک گروہ یہ دیکھتا ہے کہ کسی ادب پارے سے ہمارے دل پر کیا تاثرات پیدا ہوئے ہیں، اسے تاثراتی تنقید کہتے ہیں۔''

تاثراتی تنقید کی خصوصیات یہ ہیں کہ تنقید نگار صرف اُن تاثرات کا اظہار کرتا ہے جو کوئی تخلیق اس کے دل و دماغ پر تاثر چھوڑتی ہے وہ صرف ان نقوش ہی کے پیش کر دینے کو معراج سمجھتا ہے جو کسی فن پارے نے اس کے ذہن پر ثبت کیے ہیں بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی ''سرور و مسرت کی اُن لہروں کی تصویر کشی جو فنی تخلیق اس کے دل و دماغ پر پیدا کرتی ہے اس کے (تاثراتی تنقید) کے نزدیک مقصد بن جاتی ہے اور ادب کو تفریحِ طبع اور لذت اندوزی کا مترادف سمجھ لیا گیا ہے۔'' غرض کہ تاثرات کی کارفرمائی کی پیش کشی تاثراتی تنقید کے ذیل میں آتی ہے۔

## جمالیاتی تنقید

اس کی تعریف پروفیسر نورالحسن نقوی یوں کرتے ہیں کہ ''کسی فن پارے میں حسن کاری کس حد تک موجود ہے یہی جمالیاتی تنقید ہے۔'' جمالیاتی تنقید صحیح معنوں میں فلسفۂ حسن و فن کا نام ہے۔

اس کا کام جمالیاتی اقدار کو دیکھنا ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد وہ خصوصیات ہیں جن کا وجود ہر فنی اور ادبی تخلیق میں موجود ہوتا ہے اور جو اُن کو حسین بناتی ہیں۔ جمالیاتی تنقید ہی اس میں حسن پیدا کرنے والی خصوصیات کو تلاش کرتی ہے اور ان کی جانچ پڑتال کرتی ہے۔ اس طرح کہ ذریعہ نہیں بلکہ مقصد اور نتیجہ معلوم ہو جیسا کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے لکھا ہے۔ ایک جملے میں کہا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ صرف 'حظ' حاصل کرنا اس کا مقصد ہوتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ واہ! واہ! بھی جمالیاتی تنقید کا ہی حصہ ہے۔

## سائنٹفک تنقید

بقول پروفیسر نورالحسن نقوی ''ادب کو ایسے معیاروں سے پرکھنے کی ضرورت ہے جس میں سائنس کی سی صحت قطعیت اور غیر جانب داری ہو۔'' اُس کے متعلق ڈاکٹر عبادت بریلوی یوں رقم طراز ہیں کہ'' سائنٹی فک تنقید ادبی تخلیقات اور ان کے تخلیق کرنے والے فن کار سے متعلق تمام پہلوؤں پر بحث کرتی ہے اور اس زمانے کے سماجی اور مروجہ خیالات کی روشنی میں ان کی اہمیت کا پتہ لگاتی ہے۔'' اس تنقید کا ایک بڑا مقصد اس کی حقیقت کا پتا لگانا ہوتا ہے کہ فن کار نے کس حد تک ان خیالات و حالات کی ترجمانی کی ہے اور وہ بیان کے پیش کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا ہے۔ اس تنقید میں زبان کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ زبان واضح ہے یا نہیں، کلام میں فنی خوبیاں کیا موجود ہیں؟ وغیرہ وغیرہ غرض کہ زیادہ سے زیادہ کہہ سکتے ہیں کہ معروضیت یعنی Objectivity کا پورا پورا خیال اس تنقید میں رکھا جاتا ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ خیالات کے اعتبار سے یہ بھی مارکسی تنقید ہے

## اسلوبیاتی تنقید

اس تنقید میں کسی بھی ادب پارہ کے اسلوب کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس پر نقد و جرح کیا جاتا ہے۔ اس تنقید کا وجود پوری طرح لسانیات پر ہے اس میں بڑی حد تک قطعیت اور معروضیت پائی جاتی ہے بعضے حضرات اسے بھی سائنٹی فک تنقید مانتے ہیں لیکن اس تنقید کی کمزوری اور خامی یہ ہے کہ اس سے کسی طویل ادب پارہ اور فن پارہ کو پرکھا نہیں جا سکتا ایک جملے میں کہا جائے تو بقول پروفیسر نورالحسن نقوی ''ادب پارے کا تجزیہ کر کے اس کی خصوصیات جو واضح کرتی ہے وہ اسلوبیاتی تنقید ہے۔''

## نفسیاتی تنقید

اس میں کسی شاعر یا مصنف کی زندگی کا مطالعہ زیر اثر آتا ہے۔ اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ فن پارہ کس ماحول کی دین ہے؟ اس وقت معاشی اور معاشرتی حالات کیا تھے؟ دوسرے یہ کہ اُس وقت فن کار کا ذہن کیا تھا؟ اور اس کے ذہن کی کیفیت کیا تھی؟ جس کی وجہ سے تخلیق اور تصنیف وجود میں آئی وغیرہ وغیرہ یہ تھوڑا مشکل ہے مگر فائدے سے خالی نہیں اس میں کسی بھی فن پارے کا نفسیات کی روشنی میں تجزیہ کر کے فن کار کے ذہن تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے

## ساختیاتی تنقید

اس تنقید میں ادب کے شعریات کی تلاش کی جاتی ہے اور اس کا یہی مقصدِ اصلی ہے یہ ابھی اردو کی تنقیدی دنیا میں نئی چیز ہے۔

## عملی تنقید

کسی بھی نظریاتی تنقید اور اس کے اصول کو سامنے رکھ کر کسی بھی فن پارے پر Practical

کرنا عملی تنقید کہلاتا ہے جو عام ہے اور یہ تنقید کی دوسری بنیادی قسم ہے۔مذکورہ بالا تمام تنقیدی دبستان نظریاتی تنقید کے ذیل میں آتے ہیں

# تنقید

## (1) نظریاتی تنقید

(i)مارکسی تنقید(ii) تاثراتی تنقید(iii) جمالیاتی تنقید(iv) سائنٹی فک تنقید(v) اسلوبیاتی تنقید(vi) نفسیاتی تنقید(vii) ساختیاتی تنقید

(2) عملی تنقید: جہاں کسی بھی نظریے کی روشنی میں Practical کیا جاتا ہے۔

## نایاب نکتہ

ہم اپنی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جہاں تنقید کا تعلق صرف ''اقوال ونظریات'' سے ہو وہ نظریاتی تنقید ہے لیکن جہاں اقوال ونظریات کے ساتھ ساتھ عمل (Practical) کی کارفرمائی بھی ہو اُسے عملی تنقید کہتے ہیں۔نظریاتی تنقید کو Physician ڈاکٹر سے اور عملی تنقید کو Surgeon ڈاکٹر سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔

## تذکروں کی تنقیدی اہمیت

تذکروں کی تنقیدی اہمیت کے حوالے سے مشہور نقاد کلیم الدین احمد کا خیال ہے کہ ''تذکرہ نویس'' تنقید کی ماہیت، اس کے مقصد اس کے صحیح پیرائیے سے آشنا نہ تھے،اس لیے ان تذکروں کی اہمیت محض تاریخی ہے۔'' لیکن یہ خیال زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ آج بھی ہم مختلف شعرا کے متعلق جو رائے رکھتے ہیں وہ ان ہی تذکروں کے بعض اشارات پر مبنی ہے۔

بعض تذکرے جیسے ''گلزارِ ابراہیم'' میں شاعری کے مختلف شعبوں کا ارتقا بھی دکھایا گیا ہے۔ یہ یاد رہے کہ جب تذکرہ نویسی تاریخ ادب کی منزل میں داخل ہوگئی تو تنقید ذرا

مفصل ہوگئی اس منزل پہ پہنچ کر تذکرہ، تذکرہ نہ رہا بلکہ تاریخ بن گیا۔

غرض کہ تذکروں میں تنقید ہے لیکن اجمال کے ساتھ تذکرے معیاری ہیں اور آج کل کے معیاروں سے مختلف ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے قول کے مطابق ''ان میں (تذکروں) میں صرف تنقیدی روایات اور تنقیدی شعور کو تلاش کرنا چاہئے، تنقید کے مکمل اور بہترین نمونوں کو ڈھونڈنا بے سود ہے۔''

مختصر یہ ہے کہ تذکروں کی تنقیدی اہمیت مسلّم ہے اور اس پر اِسی اعتبار سے نظر کرنی چاہئے کہ وہ کب کی تصنیف ہے؟ اور اُس زمانے میں تنقید کا شعور بالیدہ تھا یا نہیں؟ تب جاکر خود ہی حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا اور ہر ادب شناس یہی کہنے پر مجبور ہوگا کہ تذکروں میں تنقید ہے اور اس کی بھی اپنی اہمیت ہے۔

□ □ □

# علامہ شبلی نعمانی بہ حیثیت نقاد

علامہ شبلی نے تاریخ مذہب اور ادب تینوں کی طرف توجہ کی۔ تنقید میں بھی ان کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ شبلی کی تنقیدی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم ''شعر العجم'' اور خصوصیت کے ساتھ اس کی چوتھی جلد ہے جس میں انہوں نے اپنے تنقیدی نظریات کو پیش کیا ہے ''موازنہ انیس و دبیر'' سے بھی تنقیدی خیالات کا پتا چلتا ہے۔ ان میں بھی تنقیدی خیالات مل جاتے ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں لکھے کچھ تنقیدی خیالات کی جھلکیاں ''سوانح مولانا روم'' میں بھی مل جاتی ہیں۔

عربی ادب کے علاوہ انہوں نے مغربی ادبیات کے تنقیدی خیالات سے بھی دل چسپی لی کیوں کہ ان کی تحریروں میں بعض غیر ممالک کے ادبیات کا ذکر کہیں کہیں ملتا ہے اور کہیں کہیں وہ مغربی مصنفین کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں ظاہر ہے کہ اس کا بھی اثر ان کے تنقیدی شعور پر پڑا ہوگا۔

شبلی کے تنقیدی نظریات غور و فکر کا نتیجہ ہیں لیکن حالی کی طرح انہوں نے کہیں مفصل بحث نہیں کی ہے۔ مضامین دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سماجی حالات کی تبدیلی سے شاعری میں تبدیلی ہونے کو وہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ ایک مضمون میں عربی، فارسی شاعری کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> ''حقیقت یہ ہے کہ فارس کی شاعری اگرچہ بالکل عرب کا سایہ ہے۔ لیکن دونوں ملکوں کے تمدن، معاشرت اور مقامی حالات میں اس

قدر اختلاف ہے کہ ہر طرح کے تعلقات کے ساتھ بھی دونوں
شاعری میں زمین وآسماں کا فرق پیدا ہو گیا ہے۔‘‘

شاعری شبلی کے نزدیک ذاتی اور وجدانی چیز ہے۔ وہ احساس کو شاعری کا دوسرا نام بتاتے ہیں۔ ان کے خیال میں احساس جب شعر کا جامہ پہن لیتا ہے تو شعر بن جاتا ہے یہ خیال صحیح ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی واقعہ سانحہ، کیفیت اور کسی منظر کو کوئی شخص محسوس نہیں کرتا تو وہ اس کو شعر کے سانچے میں کیسے ڈھال سکتا ہے۔ احساس اور تاثر شعر کے لیے بہت ضروری چیزیں ہیں۔

شبلی کے نزدیک شاعری کے اصلی عناصر محاکات اور تخیل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کو اس بات کا اعتراف ہے کہ شاعری میں کئی چیزیں ہوتی ہیں مثلاً وزن خیال بندی شیریں اور سادہ الفاظ، طرز ادا کی جدت وغیرہ لیکن محاکات اور تخیل کے بغیر شعر کو شعر کہا ہی نہیں جا سکتا۔ محاکات ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی چیز یا کسی حالات کا اس طرح ادا کرنا کہ اس شئے کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے لیکن یہ تصویر ان کے خیال میں تخیل کی مدد ہی سے دل کش ہوتی ہے۔

شبلی کی تمام کتابوں میں عملی تنقید موجود ہے۔ ’’شعرالعجم‘‘ میں مختلف شاعروں کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ ان کے کلام کا تنقیدی تجزیہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ انھوں نے مختلف اصناف سخن جیسے غزل مثنوی مرثیہ اور قصائد پر بھی تنقیدی زاویۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے بعض جگہ مشہور غزلوں اور نظموں پر تبصرہ ہے۔ ’’سوانح مولانا روم‘‘ پر تنقید کم ہے، فلسفہ وتصوف کا بیان ہے ’’موازنہ انیس و دبیر‘‘ خالص عملی تنقید کی کتاب ہے۔

’’موازنہ انیس و دبیر‘‘ کی تنقید ’’شعرالعجم‘‘ کی عملی تنقید سے کسی قدر مختلف ہے، انداز اس کا بھی یہی ہے لیکن پہلے انہوں نے فصاحت و بلاغت، کلام کی ترتیب روزمرہ الفاظ کے استعمال، استعارات وتشبیہات وغیرہ پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے تو شبلی کی تنقید میں مشرقی اندازِ تنقید کا رنگ گہرا ہے۔ وہ

نقاد سے زیادہ معانی و بیان کے عالم نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے موضوع کی سماجی اہمیت کی طرف توجہ نہیں کرتے بس الفاظ کے صحیح استعمال، ان کی شیرینی سادگی جدتِ ادا اسلوب کی دلآویزی کا ذکر کرتے رہتے ہیں، نقاد سے زیادہ شارح ہیں یعنی شاعر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے وہ اس کا شعر لکھتے ہیں اور پھر اس کے معنی تفصیل سے لکھ دیتے ہیں۔

شبلی کی تنقید پر نظر ڈالتے ہوئے چند خامیوں کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ یہاں صرف ایک خامی کو دیکھئے انہوں نے اپنے تنقیدی نظریات کو پیش کرتے ہوئے فلسفیانہ بحثیں کی ہیں لیکن ان مباحث میں سماجی پہلوؤں پر زور کم دیا ہے حالانکہ انہیں اس کا احساس ضرور ہے کہ ادب وشعر سماجی اہمیت کے مالک ہوتے ہیں جب انہیں یہ تسلیم ہے کہ ہر ملک کی قومی خصوصیات کے اثرات ان کے شعروادب پر بھی پڑتے ہی ہیں تو انہیں اس پر بھی بحث کرنی چاہئے تھی اور شعراء کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے بھی اس کو پیش نظر رکھنا چاہئے تھا۔

لیکن خامیوں کے باوجود شبلی کی شخصیت اردو تنقید میں منفرد ہے بقول کلیم الدین احمد

> ''شبلی کا زاویہ نظر، شبلی کی تنقید کا ساز وسامان، شبلی کا طرز ادا، ان چیزوں میں قدیم تنقید کی کارفرمائی ہے۔''

مختصر کہ شبلی کا مرتبہ نقاد کی حیثیت سے مسلّم ہے ان کی نظر میں وسعت اور گہرائی ہے جدت اور اپج ہے اور ان چیزوں کے اثرات ان کی تنقید میں بھی نظر آتے ہیں۔ تنقید اور ادبی تجزیے کے میدان میں وہ کسی سے کم اہمیت نہیں رکھتے۔

□ □ □

# احتشام حسین بحیثیت نقاد

سید احتشام حسین ایک نقاد کی حیثیت سے ترقی پسندوں میں خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتے ہیں جہاں تک ان کی تنقید کے عام رجحان کا تعلق ہے تو وہ اسی طرف ہے جس کی جھلکیاں ترقی پسند نقادوں کے یہاں نظر آتی ہیں۔ تنقید ان کے یہاں ایک فن ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

''اس میں بڑی وسعت ہے۔ نقاد کے فرائض گونا گوں ہیں، نقاد کا فریضہ اُن حالات کا تجزیہ ہے جس میں شاعری پیدا ہوتی ہے، ان حالات کی تنقید ہے جو شاعر کے تجربے میں آکر فنی شکل میں پیش ہوتے ہیں۔ ان تصورات کا احتساب ہے جنہیں وہ ایک ذمہ دار فن کار، ایک ذمہ دار انسان کی حیثیت سے وابستہ ہو جاتی ہے جن سے انسان تہذیب وتمدن کی تخلیق اور تعبیر ہوتی ہے یا غیر شعوری طور پر جو خیالات کبھی افراد اور کبھی جماعتوں میں پیدا ہو کر جذبات کی دنیا بناتے ہیں اور شعروادب میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔''

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ احتشام حسین تنقید کو بہت مشکل فن سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں صحیح معنوں میں تنقید وہی ہے جس میں تعریف وتشریح سے زیادہ تجربہ ہو اور تجزیہ بھی۔ اس ماحول کا جس میں کسی مصنف یا کتاب کی تخلیق ہوتی ہے۔ اس کا تجزیہ دنیا بھر کے علوم کی روشنی میں ہونا چاہئے۔

دوسرے ترقی پسند نقادوں کی طرح وہ بھی ادب کو سماجی زندگی کا ترجمان سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں وہ ایک سماجی عمل ہے۔ ادب کا ایک مقصد بھی ہے اور اس مقصد کی نوعیت

سماجی ہے۔ وہ سماجی حالات سے مواد لیتا ہے۔ ان کے درمیان پلتا بڑھتا ہے۔ اگر کسی ادب میں یہ خصوصیات نہ ہوں تو چاہے ان کی فنی اہمیت کتنی ہی کیوں نہ ہو اس کو اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

ادب کا مقصد ان کے نزدیک اجتماعی ہے ادب برائے ادب نہیں، وہ کہتے ہیں کہ

''ادب کو انفرادیت نہیں اجتماعی خواہشات اور صحت بخش تصورات کا آئینہ ہونا چاہئے۔''

یہی وجہ ہے کہ وہ ایک ادیب سے کئی بڑے مقصد کی توقع رکھتے ہیں۔ یہ بڑا مقصد سماجی اور اجتماعی زندگی کی فلاح و بہبود ہے۔ اس کو ایک پیام کا حامل ہونا چاہئے'' ان کے خیال میں

''چونکہ ادب ہوائی قلعے بنانے کا نام نہیں ہے اس لیے ادیب یا شاعر کا کام یہیں ختم نہیں ہوتا کہ وہ ایک حقیقت پسند کی حیثیت سے جو دیکھتا ہے وہی لکھ دے بلکہ جس طرح محسوس کرتا ہے کہ ایسا ہونا چاہئے اس کا بھی اظہار کرے۔''

گویا احتشام حسین کے نزدیک صرف حالات کی تصویر پیش کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ سماجی مسائل کا کوئی حل تلاش کر کے عوام کو صحیح راستہ بھی دکھانا ہے اس بات کو وہ اپنے مضمون ''غالب کا تفکر'' میں لکھتے ہیں کہ

''اس میں شک نہیں کہ شاعر اور فنکار کا طبقاتی رجحان اس کے فلسفۂ حیات کا بہت کچھ پتا دیتا ہے لیکن محض یہ دیکھنا کہ شاعر کس طبقے میں پیدا ہوا یا سماج کے کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے کافی نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے زندگی کی کشمکش کے سمجھنے میں اپنے ذہن اور شعور کی توسیع کس طرح کی اور عصری مسائل کے سمجھنے میں اس کا کیا رویہ رہا۔''

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ شعر و ادب کا مقصد سماجی اصلاح ہے، احتشام حسین نے اپنے

ایک مضمون میں شاعری اور سماجی اصلاح کو لازم وملزوم بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

> ''جس وقت ہم باا ثر کلام کی تشریح شروع کرتے ہیں اسی وقت شاعر اور سننے یا پڑھنے والے کے درمیان ایک رشتے کا تصور کرنا پڑتا ہے اور شاعری ایک ایسے آلے کی حیثیت سے ہمارے سمجھ میں آنے لگتی ہے جسے شاعر پیدا کرنے کے لیے کہتا اور سننے والا اثر حاصل کرنے کے لیے سنتا یا پڑھتا ہے۔ اس کا نام سماجی تعلق بھی رکھا جا سکتا ہے کیونکہ کہنے والا وہی بات کہے گا جس کا اثر دوسرے پر ڈالنا چاہتا ہے اور وہ اس بات کا اثر ڈالنا چاہے گا جسے وہ اپنے سننے والوں کے لیے مفید سمجھتا ہے یا انہیں ان باتوں سے روکنے کی کوشش کرے گا جو اس کے خیال میں بُری ہیں۔''

ان مدلل باتوں کے بعد شاید ہی کسی کو انکار کی جرأت ہو کہ شاعری کا کام سماجی اصلاح نہیں ہے شعری ادب کے متعلق اس قسم کے خیالات رکھنے کے باوجود احتشام حسین اس کی فنی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتے وہ جمالیات کے قائل ہیں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ

> ''ترقی پسند نقاد جمالیات لفظی خوبیوں اور دوسری چیزوں کا احساس رکھتے ہیں اس سے متاثر ہوتے ہیں لیکن یہ نہیں بھولتے کہ خود ان کا احساسِ جمال مادّی رشتوں اور رابطوں سے اثر پذیر ہو رہا ہے۔''

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سید احتشام حسین فنی اہمیت کے قائل ہیں ساتھ ہی ساتھ افادی و جمالیاتی دونوں پہلوؤں میں ایک ہم آہنگی دیکھنا چاہتے ہیں، ان کے خیال میں دونوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سید احتشام حسین تنقید کی دنیا میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

□ □ □

# کلیم الدین احمد کی تنقید نگاری

بقول ڈاکٹر ابرار رحمانی اردو میں تنقید کا سرمایہ بہت زیادہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مضبوط روایت ہے۔ میر سے آزاد تک اردو تنقید کا سرمایہ تذکروں تک محدود ہے اور حالی سے تا حال مغربی ادب سے استفادہ کی روایت مضبوط ہوئی ہے مگر پھر بھی تنقید کے سرمایے میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوسکا۔

کلیم الدین احمد نے سب سے زیادہ اپنی تنقید میں مغربی اصول تنقید سے فائدہ اٹھایا۔ کلیم الدین احمد وہ پہلے نقاد ہیں جنہوں نے اپنی تنقید میں بے لچک رویہ اپنایا وہ کبھی تنقید میں رنگین بیانی اور انشاپردازی کے قائل نہیں رہے چنانچہ انہوں نے آزاد پر تنقید کرتے ہوئے

ماحول کا بس خال خال ہی تذکرہ ہوا ہے۔ تذکروں کے حوالے سے ان کا یہ خیال ہے کہ وہ تحسین تقریظ یا تنقیص کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن اُسے تنقید نہیں کہا جا سکتا ہے۔

کلیم الدین احمد نے از اول تا امروز صرف تنقید نگاری کی پرکھ کا فریضہ انجام دیا ہے بلکہ یہ کاوش بھی کی ہے کہ تنقید کے اصولوں میں جامعیت لائی جائے جب تنقید لکھی جائے تو اس طرح لکھی جائے کہ وہ نہ تو سطحیت اور جانبداری کی شکار ہو اور نہ ہی اس میں تنقید کا کوئی اصولی پہلو نظر انداز ہونے پائے۔ وہ تنقید کو ایک فن قرار دیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر تنقید تخلیق کی تجدیدی کاوش کا نام ہے جو فن کاروں کے فن کی تلاش کرتی ہے۔ موضوع اور ماہیت کے مختلف گوشے اُجاگر کرتی ہے اور اپنے ہم عصر فن پاروں سے موازنہ کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ وہ شاعر اور ادیب کے تجربوں میں انفرادیت اور پائیداری کے قائل ہیں۔

کلیم الدین احمد کی شخصیت تنقید کی دنیا میں اپنی ذات سے ایک انجمن رہی ہے اُس کے کئی مثبت اور خوش گوار پہلو ہیں۔ ان کے یہاں تنقید میں جو عُمق اور علمیت ہے اُس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مولوی عبدالحق ان کی تنقید کو محض ایک طرز سے زیادہ کچھ اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کلیم الدین احمد مغربی ادب سے اپنی تنقید میں صرف متاثر ہی نظر نہیں آتے بلکہ بقولِ دیگر ''وہ تنقید لکھتے ہوئے مغربی ادب سے مرعوب ہو جاتے ہیں شاید اس کے پیچھے ان کے اخلاص کی کارفرمائی اردو کے حوالے سے یہ ہو کہ ہمارا اردو ادب بھی انگریزی ادب کے معیار کا ہونا چاہئے۔''

کلیم الدین احمد نے تنقید کے بابت کافی وسیع اور وقیع نکات پیش کیے ہیں اُن کی تنقید اُن کا ایک کارنامہ ہے بالخصوص عملی تنقید میں اُن کا جو طریقہ رہا ہے وہ بالکل منفرد ہے۔ کلیم الدین احمد تنقید کے حوالے سے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے اور تنقید کی دنیا ان کے ذکر کے بغیر کبھی بھی تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔

□ □ □

# آل احمد سرور کی تنقید نگاری

آل احمد سرور ایک نقاد اور شاعر کی حیثیت سے نہ صرف مشہور و معروف ہیں بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندستان میں اردو ادب کے سب سے بڑے نقاد ہیں۔ ان کا شمار عسکری، کلیم الدین احمد اور احتشام حسین کے ساتھ ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ تینوں الگ الگ طرز اور لہجے کے نقاد ہیں۔

آل احمد سرور کی تنقید نگاری پر بہت کھل کر لکھا گیا ہے۔ ایک زمانے میں وہ ترقی پسند تھے تو اس تحریک کے زیر اثر جو مضامین لکھے ان میں کہیں حد سے زیادہ گزرنے کی صورت نہیں ابھرتی اور جب جدیدیت کا دور آیا تو انہوں نے اس کے اوصاف بھی متعین کرنے کی سعی کی۔ ''مسرت سے بصیرت تک'' ان کی تنقیدی کتاب ہے۔

آل احمد سرور کی تنقیدی روش مسلسل بدلتی رہی ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب وہ ترقی پسندی اور ترقی پسندوں کے ستون تھے لیکن اب جمالیاتی قدروں کے علمبردار اور جدیدیت کی تحریک سے وابستہ معلوم ہوتے ہیں۔

پروفیسر آل احمد سرور جدیدیت کو ایک وسیع تناظر دینا چاہتے ہیں پھر ان کی یہ خواہش کہ وہ تمام تر آفاقی قدریں اس میں سمٹ آئیں جو ادبِ عالیہ کی تشکیل میں معاون رہی ہیں۔ سرور کی تنقیدی روش ایک Fixed-path پر کبھی قائم اور استوار نہیں رہ سکی اس کی وجہ ان کی لچک دار طبیعت بھی ہے اور مطالعے کی تیزی سے بڑھتی ہوئی روشنی بھی۔

خلیل الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں کہ '' سرور صاحب کے تنقیدی اندازِ فکر کو اگر ایک لفظ میں

ظاہر کرنا مقصود ہوتو توازن سے بڑھ کر کوئی اور صفت ان کے لیے موزوں نہیں معلوم ہوتی۔''

یہ درست ہے کہ سرور کا رویہ تخلیق اور تخلیق کار سے ہمیشہ ہمدردانہ رہا۔ کلیم الدین احمد نے ''اردو تنقید پر ایک نظر'' کے نئے ایڈیشن میں سرور صاحب کے لیے کچھ نرم گوشے کا مظاہرہ کیا ہے۔

کلیم الدین احمد سرور پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اپنی تنقید میں فیصلہ نہیں سناتے بلکہ تعریف اور توضیح کر کے معاملے کو ختم کرتے ہیں سب سے اہم یہ ہے کہ اُن کے اسلوب کی تازگی ایسی ہے جس میں ابہام کا کوئی پہلو نہیں۔

ان کے یہاں پیچیدہ تصورات کی تفہیم کے لیے بھی سادہ اور سلیس زبان ہے جو ان کے تصورات کو آئینہ کر دیتی ہے۔ ان کی نثر میں شعریت ضرور ہے لیکن یہ شعریت ابہام یا پیچیدگی نہیں بلکہ سہلِ ممتنع ہے جس میں افکار صاف طور پر نظر آئیں وہی ان کا نقطۂ نظر رہا ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

> ''اچھی تنقید ذہن کی تنظیم کر کے مہذب اور باشعور قاری پیدا کرتی ہے۔''

آل احمد سرور اپنی تنقید میں اس نکتے پر مسلسل اصرار کرتے ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ

> ''تنقید میں اصطلاحوں کا استعمال ناگزیر ہے مگر تنقید کی زبان بہر حال عام فہم اور شگفتہ ہونی چاہئے۔ تنقید سائنس سے مدد لیتی ہے مگر سائنس نہیں ہے۔''

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ اردو تنقید میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

□ □ □

# شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید نگاری

شمس الرحمٰن فاروقی موجودہ نقادوں میں اہم مقام رکھتے ہیں بقول نورالحسن نقوی ''فاروقی ہماری زبان کے ایک قد آور ناقد ہیں، انہیں موجودہ دور کا حالی بھی کہا جانے لگا ہے انہیں ہی جدیدیت کا علمبردار مانا جاتا ہے، انہیں مشرقی نظریات پسند ہیں لیکن ان کی نگاہ مغربی نظریات سے آشنا ضرور ہے بلکہ اس پر بھی پوری طرح دسترس رکھتے ہیں۔''

شمس الرحمٰن فاروقی مغربی نظریات سے استفادہ کرتے ہیں مگر وہ ان سے مرعوب نہیں ہوتے اور نہ کلیم الدین احمد کی طرح سخت گیری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی ادب میں نظریہ، فلسفہ نصب العین اور نقطۂ نظر کو اتنی اہمیت نہیں دیتے جتنا فن اور طرزِ اظہار اور زبان کے امکانات کو دیتے ہیں۔ انہیں شاعری میں ابہام پسند ہے مگر تنقید میں وہ وضاحت وقطعیت کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ وہ لکھتے ہیں کہ

''ابہام شاعری کی بہت بڑی خوبی اور تنقید کی سب سے بڑی لعنت ہے کیوں کہ شاعری میں تو ابہام نئے نئے معنی کے دروازے کھولتا ہے اور تنقید میں ابہام کے باعث نفسِ مطلب کا دم گھٹ جاتا ہے۔'' ان کی تنقید میں جمالیاتی تنقید تاثراتی اور سائنٹفک تنقید کے پہلو نمایاں ہیں۔

انہوں نے غالب کے اشعار کی تفہیم کا سلسلہ اپنے ماہانہ رسالہ ''شب خوں'' (الہ آباد) میں شروع کیا جس میں منفرد شارح کی حیثیت سے نظر آئے۔ میر تقی میر کے حوالے سے ان کی شاہکار تصنیف ''شعر شور انگیز'' قابلِ دید ہے جو اسم با مسمیٰ ہے۔

انہوں نے اردو ادب سے روایت پرستی جیسے Chronical Desease کو ہمیشہ ہمیش کے لیے ختم کر دیا انہوں نے اپنی تنقید کے ذریعہ مختلف جدید شاعروں، افسانہ نگاروں جیسے

ظفر اقبال، محمد علوی، زیب غوری اور شہر یار کے حوالے سے نمایاں کارنامہ انجام دیا۔
مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ادبی نقطۂ نظر ہر دور میں غیر متوازن رہا کبھی وہ جدیدیت کے طرف دار تھے اور اسی کے ساتھ ساتھ آج کلاسیکیت کی حمایت میں بھی کھڑے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ تنقید کے گلشن میں سب سے نمایاں اور سب سے روشن ہیں۔
لفظ و معنی، شعر غیر شعر اور نثر، عروض آہنگ اور بیان، افسانے کی حمایت میں، تنقیدی افکار اور شعر شور انگیز ان کی نمایاں تصانیف ہیں۔ غرض کہ موجودہ دور کے سب سے بڑے نقاد ہیں۔

□ □ □

# تحقیق کی اہمیت وافادیت

تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی کھرے کھوٹے کی چھان بین یا کسی بات کی تصدیق کرنا ہے جیسا کہ مالک رام نے لکھا ہے۔ تحقیق کا معنی قاضی عبدالودود کے نزدیک یہ ہے کہ ''کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے جو انہوں نے تعریف کی ہے اس میں رشید حسن خاں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ ''ادبی تحقیق میں کسی امر کا وجود بہ طور واقعہ اُسی صورت میں متعین ہوگا جب اصولِ تحقیق کے مطابق اس کے متعلق معلومات حاصل ہو۔'' تحقیق کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حسین لکھتے ہیں کہ ''تحقیق مخصوص اصول وضوابط کی روشنی میں کسی شیٔ کی اصل حقیقت کا پتہ لگانے کا نام ہے۔'' جب کہ اس کے متعلق پروفیسر محمد حسن یوں رقم طراز ہیں کہ ''تحقیق، مخصوص حالات میں مخصوص شواہد اور روایات کی روشنی میں اُس صداقت کی تلاش ہے جو محقق کی دسترس میں ہو یا اس کی دسترس میں ہوسکتی ہے۔''

مندرجہ بالا تمام اقوال میں ایک عنصر جو مشترک ہے وہ یہ ہے کہ تحقیق درحقیقت حقیقت کی تلاش کا جذبۂ صادق اور حقائق کی بازیافت ہے۔ دراصل تحقیق تلاش وجستجو کے اعمال کو تمام قوتِ ارادی سے جاری رکھنے کا نام ہے اس کے متعلق پروفیسر نورالحسن نقوی لکھتے ہیں کہ ''تحقیق کے معنی ہیں سچ کی تلاش۔ تحقیق تنقید کے لیے بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ اگر تنقید تحقیق سے دامن چھڑانے کی کوشش کرے تو وہ سنجیدہ تنقید نہیں کہلا سکتی بلکہ رائے زنی بن کر رہ جائے گی۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے تحقیق کی اہمیت کی طرف مندرجہ ذیل لفظوں میں یوں اشارہ کیا ہے کہ'' زندگی سے گریزاں روایتی شاعری کو چھوڑ کر بقیہ سب تخلیقات نثر و

نظم کو سمجھنے کے لیے تخلیق کار کی زندگی نفسیات اور ماحول کو جاننا ضروری ہے۔ اس کی علمی ادبی وراثت اور اس کے معاصر ادبی ماحول کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے، فنکار کی زندگی سے متعلق غلط فہمیاں خواہ دوسرں کی خواہ خود فنکار کی پیدا کی ہوئی ہوں حقائق کی کھوج ہی سے دور کی جا سکتی ہیں۔ میؔر نے اپنے والد کو جتنا بڑا درویش اور جوؔش ملیح آبادی نے اپنے اجداد کو جتنا بڑا تعلقہ دار بنا کر پیش کیا ہے۔ تحقیق ان دعوؤں کی تائید نہیں کرتی۔''

غرض کہ تحقیق ادبی تاریخ اور تنقید کے لیے بنیادیں فراہم کرتی ہے اور اس کے بغیر کسی چیز کا تصور ہی ممکن نہیں لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ تحقیق کی بہت اہمیت وافادیت ہے۔

## اصولِ تحقیق اور طریقِ کار

چند اصولِ تحقیق جو قاضی عبدالودود نے پیش کی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) تحقیق کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔ کوشش کا لفظ ارادتاً مستعمل ہوا ہے وجہ یہ ہے کہ دیکھنا اور دیکھنے کی کوشش ایک نہیں۔

(2) موضوع کے انتخاب میں اپنی صلاحیتوں کا لحاظ ضروری ہے اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جس سامان کی حاجت ہوگی اس کی فراہمی لکھنے والے کے لیے ممکن ہے یا نہیں۔

(3) بعض موضوعات ایسے ہیں کہ ان پر آزادی سے لکھنا ضرر رساں ہو سکتا ہے اگر اس کے لیے آمادہ ہیں تو ایسے موضوع پر قلم اٹھانا مناسب ہے۔ کسی کے لیے یہ نہایت نازیبا بات ہے کہ اُسے خوف راست گفتاری سے باز رکھے۔

(4) یہ بات یکساں اہمیت نہیں رکھتی لیکن بات اہم ہو یا غیر اہم محقق کو حقِ تحقیق ادا کرنا چاہئے۔

(5) محقق کو خطابت سے احتراز واجب ہے اور استعارہ وتشبیہ کا استعمال صرف توضیح کے لیے کرنا چاہیئے۔ آرائشِ گفتاری کی غرض سے نہیں آگے لکھتے ہیں کہ مبالغہ کو تحقیق کے لیے سمِ قاتل سمجھنا چاہئے۔

(6) اگر کوئی کتاب مصنف کی زندگی میں ایک بار سے زائد چھپی ہوتو اس کی صحیح شکل وہ ہے جو آخری بار چھپی ہے بشرطیکہ اس میں اگر تغیرات ہوئے ہوں تو اس کا ذمہ دار خود مصنف ہو۔

(7) کتابوں کے قلمی نسخوں میں بڑے شدید اختلافات پائے جاتے ہیں لہٰذا اس کی آخری شکل کی تلاش ہونی چاہئے یہ نہ ملے تو اس نسخے سے کام لیا جائے جس میں الحاق کا احتمال مقابلتاً کم ہو۔

(8) اہم ماخذ کی طرف رجوع کیے بغیر قطعی طور پر رائے قائم نہ کرنی چاہئے۔

(9) اگر کسی دوسرے کی نظم ونثر نقل کی جائے تو صحتِ متن کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔

(10) سند میں کسی کتاب کا حوالہ دیں تو یہ مضحکہ خیز فعل ہوگا لیکن اگر آپ کوئی نئی بات کہیں تو ماخذ کا ذکر ضروری ہے۔

(11) فنونِ ادبیہ کے مصطلحات سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

(12) فن تاریخ گوئی کے قواعد سے واقفیت ضروری ہے۔

جہاں تک طریقِ کار کی بات ہے تو اس حوالے سے ڈاکٹر عندلیب شادانی نے سب سے پہلے ری سرچ کے کام کو پانچ شعبوں میں تقسیم کرنے کا مشورہ دیا ہے:

(i) موضوع کا انتخاب اور اس کی حد بندی

(ii) ماخذوں کا تعین اور ان کی فہرست مرتب کرنا

(iii) مقالے کا خاکہ تیار کرنا

(iv) ماخذ کا مطالعہ اور ان سے مفید مطلب مواد کا انتخاب

(v) مقالہ نگاری

موضوع کے انتخاب میں جلد بازی نہ کریں کیوں کہ یہ حد درجہ اہمیت رکھتا ہے اسی طرح جس صنف سے دلچسپی ہے اسی صنف پر تحقیق کرنی چاہئے۔ اس کے بعد ماخذ کے حوالے سے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ری سرچ کا سارا دارومدار ماخذوں پر ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ہر نوع

کے ماخذ کی ایک مکمل اور مفصل فہرست تیار کر لینی چاہئے۔ ماخذوں کی فہرست تیار کر لینے کے بعد ہمیں اپنے مقالے کا ایک خاکہ تیار کرنا چاہئے۔ خاکہ بنائے بغیر مقالہ لکھنا ایسا ہی ہے جیسے نقشے کے بغیر مکان تعمیر کرنا۔ ماخذوں کے مطالعے کے دوران مفید مطلب مواد کا انتخاب کر کے یادداشت لکھنا چاہئے جس میں دو باتوں کا خیال رکھنا چاہئے (1) غیر ضروری نوٹ ہرگز نہ لیے جائیں (2) کوئی ضروری نکتہ نہ چھوٹنے پائے۔ یادداشتیں تیار ہونے کے بعد مقالہ لکھنا شروع کر دینا چاہئے۔ آخر میں یہ خیال بھی مقالہ نگار کو رکھنا چاہئے کہ مقالہ طول طویل نہ ہو کیوں کہ مقالے کی اہمیت کا انحصار اس کی ضخامت یا حجم پر نہیں ہوتا اسی طرح نایاب نکتہ پیش کرنا چاہئے اگر کوئی ہو، اس سے مقالے کی اہمیت بڑھتی ہے اور آخر میں جہاں جہاں سے استفادہ کیا ہے، اس کا کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہئے تب جا کر ہماری تحقیق اپنے انجام کو پہنچتی ہے۔

## تحقیق اور تنقید کا باہمی رشتہ

ڈاکٹر عبادت بریلوی کے مطابق ''تحقیق و تنقید کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ادبیات میں جب تحقیق کی جاتی ہے تو تنقید کا سہارا لینا پڑتا ہے بغیر تنقید کا سہارا لیے ہوئے تحقیق ممکن ہی نہیں۔'' کسی ادبی کارنامے پر تحقیق کرنے سے قبل محقق کے لیے یہ جاننا لازم ہوتا ہے کہ اس کی اہمیت ادبی اعتبار سے ہے بھی یا نہیں؟ یا اس کی چھان بین ادب کے حوالے سے ضروری ہے یا نہیں یا اس سے ادب میں کیا اضافہ ہوگا وغیرہ وغیرہ لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ محقق کے لیے تنقیدی شعور ضروری اور اہم ہے

تحقیق کی ابتدا ہی تنقید سے ہوتی ہے لیکن جب محقق کسی تحقیق کے متعلق محاسن یا معائب بیان کرتا ہے تو وہ تنقید ہو جاتی ہے۔ راقم الحروف کی ادنی معلومات کے مطابق یہ دونوں ایک سکے کے دو پہلو ہیں

تحقیق و تنقید کے متعلق کلیم الدین احمد نے لکھا ہے کہ ''دماغِ انسانی کی دو مختلف تحریکیں

ہیں'' لیکن دو تحریکیں ہونے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے علاحدہ اور الگ نہیں کیے جا سکتے ، یہ دونوں چیزیں بیک وقت ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے لازمی عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

مختصر یہ ہے کہ دونوں چیزیں صنفی حیثیت سے الگ ہونے کے باوجود بھی الگ نہیں ہیں بلکہ دونوں کے درمیان باہمی رشتہ موجود ہے۔

# متنی تنقید کے بنیادی اصول

## متنی تنقید کا آغاز

متنی تنقید کا فن مغرب سے آیا جس طرح اردو میں اور کئی اصناف آئے۔ اس کے آغاز کے سلسلے میں خلیق انجم یوں لکھتے ہیں کہ ''متنی تنقید'' مغرب کا مرہونِ منت ہے۔ اس فن کا باقاعدہ آغاز 19 ؍ویں صدی میں ہوا۔ یونانی اور لاطینی زبانوں کے متون اور بائبل کے تنقیدی اڈیشن تیار کرنے کے لئے اس فن کی ضرورت پڑی۔ اور 20 ؍ویں صدی کے آغاز میں متنی تنقید کے موضوع پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ 20 ؍ویں صدی کے نصف اول تک اس فن پر انگریزی اور بعض دوسری مغربی زبانوں میں خاصی تعداد میں کتابیں اور مضامین لکھے جا چکے تھے اسی طرح کا قول گیان چند نے بھی اپنی کتاب ''تحقیق کا فن'' ص: 399 پر پیش کیا ہے

متنی تنقید تحقیق کی ہی ایک شاخ ہے جس طرح متنی تنقید' مغرب سے لیا گیا' ٹھیک اسی طرح ان کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کی تحقیق نے بھی مغربی طریقۂ کار سے استفادہ کیا

بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اردو میں تحقیق کا سب سے پہلا اور بنیادی مسئلہ تحقیق متن اور تصحیح متن کا ہے۔ تصحیح سے مراد یہ ہے کہ متداولہ کلیات یا تصانیف میں جو الحاقی یا غیر مستند حصے شامل ہو گئے ہیں' ان کی نشان دہی کی جائے اور جو حصے شامل ہونے سے رہ گئے ہیں انہیں شامل کیا جائے۔ تحقیق سے مراد یہ ہے کہ اصل مصنف نے جس طرح لکھا ہے اسی شکل میں

متن کو پیش کر دیا جائے

## متن کیا ہے؟

متن (Text) کسی ایسی عبارت ''تحریر'' یا ''نقوش تحریر'' کو کہتے ہیں جن کی قرأت یا معنوی تفہیم ممکن ہو۔ متن کی تعریف ایس۔ایم۔کاترے نے یوں اپنی کتاب میں کی ہے کہ ''کسی ایسی زبان میں لکھی دستاویز (تحریر) جس سے محقق واقف ہو اور جس میں ایسے معنی ہوں جو دریافت کئے جا سکتے ہیں۔'' جبکہ خلیق انجم نے یوں تعریف کی ہے کہ جس مطبوعہ یا غیر مطبوعہ تحریر کو متنی نقاد مرتب کرنا چاہتا ہے اسے متن کہتے ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ ہر قدیم و جدید منظوم یا منثور تحریر بہر حال متن ہو گی سیدھے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ''مصنف کے اصل الفاظ' کتاب کی اصل عبارت کو متن کہتے ہیں۔ "The Concise Oxford Dictionary" میں بھی متن کی تقریباً یہی تعریف کی گئی ہے۔اس کے الفاظ میں ''Text'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ''کتاب کا اصل مضمون جس میں حواشی ضمیمے اور تصویریں وغیرہ شامل نہ ہوں۔ یہ بھی واضح رہے کہ متن کا تحریری شکل میں ہونا ناگزیر ہے ورنہ وہ لوک ساہتیہ (ادب) یعنی ''Folk Literature'' ہو جائیگا اسی طرح متن ہونے کے لئے قلیل یا کثیر ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔

## متنی تنقید میں ''تنقید'' کیا ہے؟

یہاں پر ''Criticism'' کو تنقید سے تعبیر کیا گیا ہے مگر تنقید یہاں تحقیق کے معنی میں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ''Textual Criticism'' کی اصطلاح کو گیان چند اور تنویر احمد علوی نے ''تدوینِ متن'' یا ''تنقیدِ متن'' سے تعبیر کیا ہے جبکہ خلیق انجم نے ''متنی تنقید'' کا نام اسے دیا ہے گو کہ سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ بقول گیان چند: ''متنی تنقید'' سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی دوسرے دبستانِ تنقید (جمالیاتی تنقید، عملی تنقید وغیرہ) کی طرح کوئی دبستان ہو جبکہ یہ ایسا نہیں ہے۔

راقم الحروف کے مطابق ''Textual Criticism'' کی صحیح تعبیر ''متنی تنقید'' ہی ہوسکتی ہے جیسا کہ انگریزی گرام کاRule ہے مگر شبہہ سے بچنے کے لئے ''تدوینِ متن'' کہا جا سکتا ہے۔

کیا تحقیق اور تدوین ایک ہی ہے؟ حقائق کی بازیافت صداقت کی تلاش حقائق کا تعین اور ان سے نتائج کا استخراج ادبی تحقیق کا مقصد ہوتا ہے یا ہونا چاہیے۔ تدوین یعنی متن کی تصحیح وترتیب اس سے الگ چیز ہے جس کے اپنے مسائل ومطالبات ہیں۔ تحقیق اور تدوین بجائے خود دو مستقل موضوع ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی حدیں کہیں کہیں مل جاتی ہیں جبکہ عبدالرزاق قریشی کے نزد تحقیق کی ہی ایک شاخ کسی مخطوطہ کی تصحیح وترتیب ہے یہی گیان چند کا بھی ماننا ہے اور یہی راقم الحروف کی بھی رائے ہے۔

## تدوینِ متن کیا ہے؟

تدوینِ متن یا متنی تحقیق (متنی تنقید) میں کسی متن کے مختلف نسخوں کی فراہمی ان کا باہم موازنہ، صحیح متن کی ترتیب، متن کے زمانۂ تصنیف وتالیف کا تعین اور مصنف کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے خالص غیر الحاقی متن مرتب کرنا، تدوین متن (متنی تنقید) کے ضمن میں آتا ہے اس حوالے سے گیان چند لکھتے ہیں کہ ''تدوینِ متن'' مختلف نسخوں، شاذ وحید نسخ کا مطالعہ کر کے مصنف کے اصل متن کی بازیافت کو کہتے ہیں۔''

## متنی تنقید کی تعریف؟

انسائیکلو پیڈیا امریکانا نے ''متنی تنقید'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''متن کے اصل الفاظ کے تعین، اسے مکمل کرنے اور واقعیت واصلیت تلاش کرنے کی غرض سے پرانی تحریروں کے سائنٹفک مطالعے کو ''متنی تنقید'' کہتے ہیں۔'' اس سے ملتی جلتی تعریف Standard Urdu English Dictionary ص:1208 پر کی گئی ہے

## متنی تنقید کا مقصد

فریڈسن باورس نے متنی تنقید کا مقصد مصنف کے متن کی اولین خالصیت (Purity) اور

بعد کی نظر ثانی کی بازیافت قرار دیا ہے حالانکہ بعد کے ایڈیشنوں میں مسخ واقع ہوئی ہو۔

## متنی تنقید کی ضرورت کیوں؟

اس سے منشائے مصنف کا صحیح طور پر علم حاصل ہوتا ہے

## متنی تنقید اہمیت

ایک ایک لفظ اور ایک ایک مصرعہ پر بحث (Discussion) کر کے اس کا تجزیہ کرنا اور اصل متن کی تعین کی کوشش کرنا متنی نقاد کا کام ہے

یہ بات اہل تحقیق پر مخفی نہیں کہ متنی تنقید ہی وہ آلہ ہے جس سے کسی کے صحیح مقام و مرتبہ کا تعین ہوتا ہے یا یوں کہا جائے کہ اعلی کلام یا اعلیٰ شخصیت ادنیٰ کلام یا ادنیٰ شخصیت کے درمیان خطِ فاصل کھینچنے کا کام ''متنی تنقید'' کرتی ہے

## متنی تنقید اور ادبی تنقید میں فرق

جس طرح ادبی تاریخ اور سیاسی تاریخ میں فرق ہے ٹھیک اسی طرح یہاں بھی واضح فرق ہے جیسا کہ اس کے ''Textual Criticism'' کے اصطلاحی نام سے ظاہر ہے۔ اپنی نوعیت اور مقصد کے اعتبار سے اُس تنقید سے مختلف ہے جسے ''Literary Criticism'' کہا جاتا ہے۔

ادبی تنقید میں ادب اور مقصد ادب سے متعلق زاویۂ نگاہ کے تحت کسی شعری یا ادبی تصنیف کی فکری اور فنی قدر و قیمت کے تعین کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کے خوب و ناخوب کے بارے میں فیصلہ دیا جاتا ہے لیکن تنقید متن یا متنی تنقید کی صورت میں کسی غیر تحقیقی نقطۂ نظر کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ذاتی یا جماعتی پسند و ناپسند سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ یہاں تو متن سے متعلق خارجی و داخلی حقائق سے گفتگو کی جاتی ہے اور اس متن کی تحقیقی اہمیت اور ترتیب متن کے نقطۂ نظر سے اس کی افادیت پر کوئی فیصلہ دیا جاتا ہے۔

ادبی تنقید کے اصول زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے لیکن متنی تنقید کے اصول نہیں بدلتے۔ متنی نقاد کو اس سے بحث نہیں کہ جو متن اس نے تیار کیا ہے وہ دل کش ہے یا غیر دلکش، وہ ادبی معیار پر پورا اترتا بھی ہے یا نہیں؟ متن کی ادبی خوبیاں یا خرابیاں کیا ہیں؟ اگرچہ متنی نقاد کو ادبی تنقیدی صلاحیتوں سے پورا پورا کام لینا ہوتا ہے۔

مختصر طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ادبی تنقید و تحقیق میں اچھا یا برا ہونے کے متعلق واضح رائے دی جاتی ہے یعنی معیار کا تعین اور رائے دہی کے مجموعے کا نام ادبی تنقید ہے جبکہ متنی تنقید میں نہ تو معیار کا تعین مقصود ہوتا ہے اور نہ رائے دینی ہوتی ہے صرف یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ متن کی ایسی بازیافت ہو جو منشائے مصنف تھا۔

## متن کی تقسیم

بعض اوقات متن دو حصّوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ (1) اصل متن (2) اضافی متن

اس کے علاوہ کچھ املائی متن بھی ہوتے ہیں جس میں ایک شخص بولتا جاتا ہے اور دوسرا اسے لکھتا جاتا ہے اب اگر لکھنے والا، وہی لکھ رہا ہے جو لکھایا جا رہا ہے تو اسے ''تقلیدی متن'' کہتے ہیں اور اگر لکھنے والا اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق، لکھائے ہوئے متن میں کمی و بیشی، تقدیم و تاخیر کر رہا ہے تو وہ ''نیم تقلیدی متن'' کہلائیگا۔ یہ صورت کبھی مصنف کی کسی معذوری کے باعث پیش آتی ہے اور کبھی متن کو براہِ راست ترجمہ یا ترجمانی کی شکل میں، کسی دوسری زبان میں پیش کیا جاتا ہے لیکن مصنف اس کام میں شریک ہوتا ہے مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ''India Wins Freedom'' اسی نوعیت کی کتاب ہے جسے پروفیسر ہمایوں کبیر نے ترتیب دیا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ بعض متون ''سماعی متن'' ہوتے ہیں اور کبھی کبھی صدیوں تک سینہ بہ سینہ اور زبان بہ زبان ہوتے ہوتے ہوئے تحریری شکل میں سامنے آتے ہیں۔ رگ وید اس کی ایک معروف مثال ہے۔

## مواد کی فراہمی کے لیے تیاری

جس عہد کا متن مرتب کرنا چاہتے ہیں اس سے پہلے اور بعد کی تمام تحریروں کو پڑھنا چاہئے پھر اس عہد کی تحریروں کو پڑھنا چاہئے بعد میں مطلوبہ شخصیت کے کلام کو پڑھنا چاہئے اس کے علاوہ اس عہد کی ادبی تحریکات کی پوری جانکاری ہونی چاہئے جس کے متن کو مدون کرنا چاہتے ہیں اس کے عہد کی ادبی تاریخ پر بھی پورا عبور حاصل ہونا چاہئے۔ ایک تو اس لیے کہ کہیں دوسرے شاعر کا کلام اِس کلام میں شامل نہ ہو گیا ہو دوسرے مخطوطہ نقل کرتے ہوئے کاتب جو تحریف کرتا ہے اسے سمجھنے کے لیے اس عہد کی ادبی اور لسانی تحریکیں سمجھنا بہت ضروری ہیں اس کے علاوہ اس عہد کی سیاسی سماجی اور مذہبی تاریخ کا مطالعہ بھی ضروری ہے

## مواد کی فراہمی

متن کے مستند اور غیر مستند تک مُدوِن کی رسائی ہو جس لائبریریوں کا کٹیلاگ چھپا ہے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ ذاتی لائبریریاں جیسے مصنف کا راجا یا مہاراجا کا اگر قدرت میں ہو تو وہاں جانا بہتر ہے۔ اسی طرح مصنف کے رشتہ دار شاگرد وغیرہ سے ملنا چاہئے اور اس معاملے میں پرانی کتابوں کے بک سیلر سے دوستی بھی اہم ہو سکتی ہے

## دو مختلف بنیادوں پر: مواد کی دو قسمیں

(1) اولین اور ثانوی (2) داخلی اور خارجی

ان تمام کا اطلاق زیادہ تر ایک مفرد ادیب پر تحقیق کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ اولین مواد زیرِ تحقیق ادیب کی جملہ تخلیقات اور دوسری تحریریں مثلاً مسودہ ڈائری خطوط وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ تاریخی دستاویزات قانونی دستاویزات طبی ریکارڈ تعلیمی ریکارڈ ملازمت کا ریکارڈ ٹیپ ریکارڈ وغیرہ بھی اولین ماخذ ہیں بقیہ مواد ثانوی ہے۔ داخلی اور خارجی مواد یا شہادت کا تعلق کسی ''متن'' سے ہوتا ہے۔ داخلی مواد کسی مصنف کی نگار

شات کے مشمولات ہیں بقیہ سب خارجی مواد ہے

## مواد اکٹھا کرنے کا طریقہ

مواد اکٹھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو دیوان ہے اس کے تمام نُسخ جمع کرنا چاہیے مگر ایسا کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک نسخہ میں کوئی کمی آ گئی ہوگی تو اسے دور کرنے میں مدد ملے گی۔ کمیاں کئی طرح کی آسکتی ہیں (1) کوئی لفظ غائب ہو (2) مٹ گیا ہو (3) روشنائی پھیل گئی ہو وغیرہ وغیرہ

لہٰذا متعلقہ مصنف کی کتابیں بھی حاصل کریں اسی طرح کتابیات یا فہرستِ کتب سے بھی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے جب مواد حاصل ہو جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسے ''اساسی نسخہ'' (Exempler) ''یا نسخۂ مادر'' (یہ اصطلاح ''اساسی نسخہ'' کے لیے ''ایران'' میں استعمال کی جاتی ہے) بنایا جائے؟

## اساسی حیثیت کسے دیں؟

اگر کوئی کتاب مصنف کی زندگی میں ایک بار سے زائد چھپی ہو تو اس کی صحیح شکل وہ ہے جو آخری بار چھپی ہے بشرطیکہ اس میں اگر تغیرات ہوئے ہیں تو اس کا ذمے دار خود مصنف ہو۔

## اساسی متن کسے سمجھا جائے؟

اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ معلومہ قلمی نسخوں میں سب سے اہم وہ قلمی نسخے ہو سکتے ہیں جو خود مصنف کے اپنے دست و قلم کے مرہون منت ہوں اور جن کے بارے میں اس امر کی کافی وشافی شہادت (داخلی یا خارجی سطح پر) موجود ہو کہ یہ صاحب تصنیف کا اپنا خطی نسخہ ہے ایسے نسخے میں موجود متن کو ''اساسی متن'' قرار دینا چاہیے دوسرے درجہ پر ایسے قلمی نسخے آسکتے ہیں جو مصنف کی نظر سے گزر چکے ہوں۔

مصنف کا دستخطی نسخہ (Autograph) بھی ''اساسی متن'' قرار پا سکتا ہے اگر مصنف کا اپنے قلم سے لکھا ہوا نسخہ نہ مل سکے تو اِسے 'اساسی متن' بنایا جائے گا یا پھر ایسا نسخہ' جو مصنف کے ایماء سے بڑے اہتمام کے ساتھ تیار کیے گئے ہوں یا جن کی تیاری میں اس کے کسی عزیز شاگرد مرید یا دوست کا ہاتھ رہا ہو اس کی بہترین مثال بہادر شاہ ظفر اور ذوق کا درمیانی تعلیمی لین دین ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے ایسے قلمی نسخوں کے متن کو جنھیں مستند قرار دیا جائے اسے ''استشہادی متن'' کہنا مناسب ہوگا

## اساس/ماخذ کی ضرورت کیوں؟

ہر متن ایک مستقل وجود ہے اور اپنی مختلف روایتوں کی شکل میں اپنے میں ایک سے زیادہ ذیلی وجود رکھتا ہے ایسی صورت میں متنوں کی صحیح ہیئت اور حدودِ روایت کا تعین ایک نہایت اہم مشکل مگر نتیجہ خیز کام ہے۔ جس کے لیے غیر معمولی سطح پر ذہنی کاوش اور اہتمام تلاش جزئیات ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر حقیقت تک رسائی ممکن نہیں

ترتیبِ متن کا کام سائنسی نہ ہوتے ہوئے بھی ایک سائنسی طریقۂ کار کا تقاضا کرتا ہے جس سے ماخذ کی جستجو اور معیار بندی ہو سکے

## اساسی متن سے فائدہ؟

اس سے فائدہ یہ ہے کہ تدوین اور ترتیب دینے میں ملتی ہے۔

## تصحیح

''تصحیح'' کی دو قسمیں ہیں (1) تصحیح (2) قیاسی تصحیح

جب اساسی نسخہ بنا لیا جائے تو پھر موازنہ کا نمبر آتا ہے تا کہ تصحیح کی جا سکے اگر اساسی نسخے ایک سے زیادہ ہوں تو نسخوں کی گروہ بندی کرنی ہوگی۔

یہ بھی واضح رہے کہ ''تصحیح'' وہیں ہو سکتی ہے جہاں ایک سے زیادہ نسخہ مصنف کا موجود

ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہاں جو تصحیح ہوگی وہ قیاسی تصحیح کہلائے گی۔

## نسخوں کی گروہ بندی

ایک سے زیادہ نسخے موجود ہوں تو ان میں اولیت اور استناد طے کیا جائے۔ اگر زیادہ نسخے ہوں تو ان کی گروہ بندی کر کے شجرہ بنایئے۔ ان میں مخطوطات کے ساتھ مطبوعات بھی شامل کیے جا سکتے ہیں۔ کاترے نے نسخوں کی گروہ بندی کا مفصل طریقہ بیان کیا ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک متن کے آٹھ نسخے ''اب ج د ھ و ز ح'' موجود ہیں اگر مقابلہ و موازنہ کرنے سے معلوم ہو کہ مشمولات، حذف و اضافہ اور قرأتوں کی خصوصیات کے لحاظ سے سات نسخے ایک طرح کے ہیں اور آٹھواں مختلف ہے تو یہ دو گروہ ہوئے واضح رہے کہ دو نسخوں یا نسخوں کے گروہوں میں یکساں چیزوں کا حذف، ان کے خاندانی قرب کی واضح دلیل ہے۔ ایک گروہ کے سات نسخوں میں بھی اشتراک و اختلاف کے ذریعے ذیلی گروہ اور پھر ان میں تحت ذیلی گروہ قائم کیے جا سکتے ہیں۔ ذیلی گروہوں کا مشترک ماخذی نسخہ ناموجود اور محض فرضی ہو سکتا ہے۔ ہم اسے کوئی نشان دیں گے یا نام دیں گے۔ اس طرح ذیل کا شجرہ بنا سکتے ہیں؛

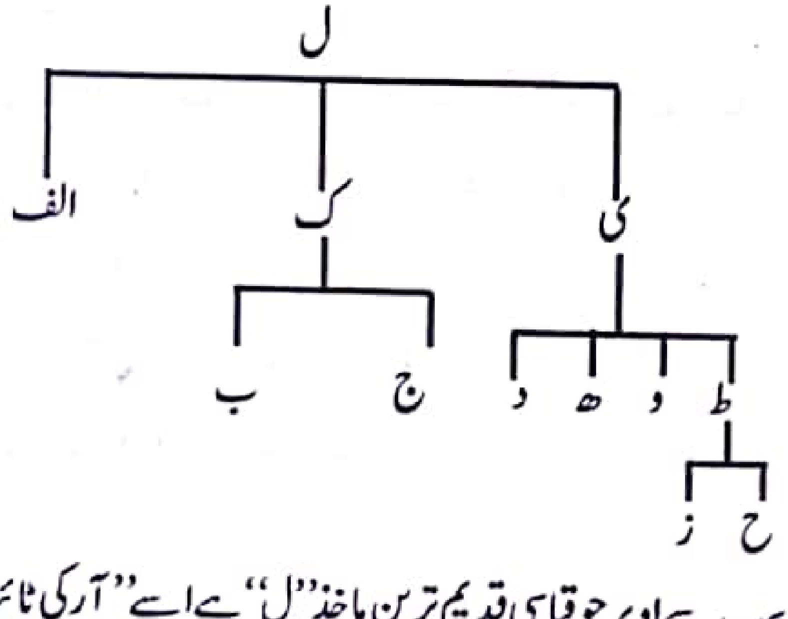


سب سے اوپر جو قیاسی قدیم ترین ماخذ ''ل'' ہے اسے ''آرکی ٹائپ'' کہتے ہیں۔ یہ

نسخہ مصنف کے نسخے کی نقل درنقل ہوسکتا ہے۔ اِسے ہی ''آرکی ٹائپ'' قرار دیا جائیگا باقی کو "Recension"۔

## نسخوں کے خاندانی گروہ بندی کا فائدہ؟ نسخے کے تقابل میں مدد ملتی ہے۔

## قیاسی تصحیح

مدون مختلف نسخوں کی مدد سے جو متن یا نسخہ تیار کرتا ہے اسے ''Critical Recension'' کہتے ہیں بعض اوقات وہ ایسی صورتِ حال سے دوچار ہوتا ہے کہ کوئی بھی قرأت تشفی بخش نہیں ہوتی تب قیاسی تصحیح کی طرف آئیں جہاں لفظ بالکل بے محل ہو وہاں قیاسی تصحیح کیجئے لیکن کم از کم صورتوں میں قیاسی تصحیح کرنا چاہئے۔ واٹسن کی کتاب میں 'چیپ مین' نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ ''قیاسی تصحیح'' مدون کا پہلا نہیں، آخری فرض ہے۔ محض اس وقت قیاسی تصحیح کریں جب موجودہ متن کی کوئی سائنسی تشریح نہ کی جا سکے۔ بقول رشید حسن خاں ''قیاسی تصحیح کا دائرہ محدود رہنا چاہئے اور وہیں آزمانا چاہئے جہاں حق الیقین ہو ورنہ متن میں دس پندرہ فی صدی ہمارا حصہ ہوگا، مصنف کا نہیں۔'' بقول گریگ ''قرأت کو مصنف کا منشاء پیش کرنا چاہئے مدون کی پسند نہیں۔''

قیاسی اصول کے حوالے سے ایس۔ ایم۔ کاترے نے ایک اصول درج کیا ہے کہ سادہ مختصر نسخہ قدیم تر ہوگا۔ ہر مرصع و مفصل اس کے بعد کا لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس کے برخلاف کئی مثالیں موجود ہیں مثال کے طور پر ڈاکٹر محمود الہی نے فسانۂ عجائب کا بنیادی متن شائع کیا جو متداول متن کے مقابلے میں سادہ اور مختصر ہے لہذا کاترے کا یہ کہنا صحیح نہیں یہ بھی واضح ہے کہ قیاسی نوٹ، فٹ نوٹ میں دیا جائے۔ اختلافاتِ نسخہ سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی۔

## ماخذ ہو یا عملِ توازن: احتیاط برتیں

ڈاکٹر عندلیب شادانی اپنے مضمون ''تحقیق اور اس کا طریقۂ کار'' میں یوں رقم طراز ہیں کہ ماخذوں کے سلسلے میں یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ تمام ماخذ یکساں طور پر قابلِ اعتبار نہیں ہوتے بعض کا مستند اور معتبر ہونا مسلّم ہے اور بعض ساقط الاعتبار ہیں دونوں کے درمیان حدِ فاصل کھینچنے کے لیے پوری احتیاط لازم ہے

## مخطوطہ مرتب کرنے کا مقصد

کسی مخطوطہ کو مرتب کرنے کا مقصد محض ایک کتاب کو گمنامی سے نکال کر شائع کر دینا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد مصنف کے افکار، اندازِ تحریر اور زبان تک پہنچنا ہے یعنی ایک صحیح نسخہ تیار کرنا ہے اسی لیے ''Postage'' نے متن کی تصحیح کو انسانی ذہن کی باقاعدہ اور ماہرانہ مشق کہا ہے۔

خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ ''متنی تنقید'' ایک اہم مشکل مگر نتیجہ خیز کام ہے اس لیے پوری احتیاط برتنی چاہئے خواہ مواد کی فراہمی کی بات ہو یا پھر موازنہ کرنے کی، خاص طور پر قیاسی تصحیح کی صورت میں قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ منشائے مصنف حاصل نہیں ہوسکتا جو کہ متنی تنقید کا اصل مقصد اور اصل Goal ہے ساتھ ہی ساتھ ہماری ساری محنت کا لعدم ثابت ہوگی۔ اس لیے اس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

❏ ❏ ❏

# اعلیٰ تنقید کے مدارج

''اعلیٰ تنقید کے مدارج'' کے بیان سے قبل اس سے متعلق کچھ اہم باتیں پیش ہیں تاکہ موضوع پوری طرح نکھر کر سامنے آجائے۔

انگریزی محقق کا ترے نے لکھا ہے کہ تدوینِ عمل کو دو بڑے حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(1) مختلف متون کی تنقید جسے انگریزی میں ''Recension'' کہا جاتا ہے۔

(2) تصحیح جسے انگریزی میں ''Emendation'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی جو کچھ تحریری شکل میں دستیاب ہے اس میں کچھ اگر صریحاً غلط ہے تو اس کی تصحیح۔

بعد میں کا ترے نے 2 مرحلے سے بڑھا کر عملِ تدوین کے چار مراحل قرار دیئے:

(1) ''Heuristics'' یعنی مختلف ماخذ سے مواد کی تلاش

(2) ''Recension'' یعنی مختلف نسخوں کی تنقید کر کے قابلِ اعتماد مخطوطات کا انتخاب

(3) ''Emendation'' یعنی مختلف مخطوطات جہاں مصنف کے اصل لفظ کو فراہم نہیں کر سکتے وہاں ''تصحیح'' کے ذریعے بازیافت

(4) ''Higher Criticism'' یعنی ''اعلیٰ تنقید'' اس میں مصنف کے ماخذ وغیرہ کو دریافت کیا جاتا ہے

آخری بیان کردہ تقسیم ''ادبی تحقیق'' کے تحت آتی ہے اور یہاں بھی یہی مقصود ہے۔

اردو میں تحقیق کا سب سے پہلا اور بنیادی مسئلہ ''تحقیقِ متن'' اور ''تصحیح متن'' کا

ہے۔ تصحیح متن سے مراد یہ کہ متداولہ کلیات یا تصانیف میں جو الحاقی یا غیر مستند حصے شامل ہو گئے ہیں ان کی نشان دہی کی جائے اور جو حصے شامل ہونے سے رہ گئے ہیں انھیں شامل کیا جائے۔ تحقیقِ متن سے مراد یہ ہے کہ اصل مصنف نے جس طرح لکھا ہے اسی شکل میں متن کو پیش کر دیا جائے۔

دوسرے لفظوں میں تدوین متن یا تحقیق متن کا اصل مقصد یہ ہے کہ مصنف کی عبارت یا متن مصنف کے منشاء کے مطابق پیش کیا جائے۔ تدوینِ متن کا کام اگرچہ مشکل اور صبر آزما ہے مگر ادبی تحقیق میں اس کے بغیر نہ تحقیق کا قدم آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ تنقید کو صحیح جہت میسر آسکتی ہے اس لیے کہ تحقیق و تنقید کی اساس بہر حال ان متون پر ہے۔

اسلام میں حدیث شریف کی جانچ کے لئے جو اصول بنائے گئے تھے وہ تحقیقی صحت طے کرنے کے لیے اور متن کے استناد کو Check کرنے کے لیے بھی مثالی کسوٹی مانے جاسکتے ہیں اس کے متعلق ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں لکھتے ہیں "روایت کے بارے میں ان کے حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ "مغازی" تو بہت بڑی چیز ہے وہ عام خلق یا سلاطین کے حالات اس وقت تک بیان نہیں کرتے جب تک کہ ان کے پاس آخری راوی سے لے کر چشم دید گواہ تک تسلسل کے ساتھ روایت موجود نہ ہو یعنی جو واقعہ لیا جائے وہ اس شخص کی زبانی ہو جو خود شریکِ واقعہ رہا ہو اور اگر وہ شریکِ واقعہ نہیں تھا تو اس واقعہ تک تمام راویوں کے نام ترتیب کے ساتھ بیان کئے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی تحقیق کی جائے کہ وہ لوگ کون تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا کردار کیسا تھا؟ ان کی سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ کہاں تک تھے؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس، عالم تھے یا جاہل؟ لیکن ایسی نگہ داشت اور اتنا احتیاط تحقیقِ ادب کے حوالے سے ممکن نہیں۔"

## اعلیٰ تنقید کی پہلی کڑی 'متن مُستند ہے یا غیر مُستند'

اب سوال یہ ہے کہ متن مستند رہے یا نہ رہے اس سے تحقیق میں کیا فرق پڑتا ہے جیسے

آبِ حیات مطبوعہ 1899ء ص:151 پر یہ شعر لکھا ہے ؎

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی وہ روتے روتے سو گیا ہے

جبکہ کلیاتِ میر کے نسخۂ آسی ص:207 پر اس طرح ہے ؎

سرہانے میر کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

متن کے حوالے سے تحقیق میں فرق پڑتا ہے چنانچہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر تنویر احمد علوی رقم طراز ہیں کہ ''اب اگر یہ متنی وسائل باوثوق سطح پر قابلِ استناد نہ ہوں تو اخذ کردہ نتائج کے عمل کو کیسے مبنی بر حقیقت قرار دیا جا سکتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ادبی مقام متعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔اعلیٰ تنقید کے حوالے سے مندرجہ ذیل امور اساسی حیثیت رکھتے ہیں؛

(1) متن کی ہیئت (حدود) کا تعیّن
(2) الحاق و اضافات کی نشان دہی جس کے ذیل میں تصرفات کا معاملہ بھی آتا ہے
(3) متن کے گم شدہ سلسلوں کی بازیافت
(4) متنی حقائق کی جستجو اور چھان بین

متن کے استناد کی جب بات آتی ہے تو متن کے اندر یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ ایا متن بالکل آلائش سے پاک ہے یا اس میں اخذ سرقہ الحاق تواردجعل غلط بیانی یا کوئی اور کیفیت جس سے متن دوچار ہے، یہ پتا کرنا پڑتا ہے۔

الحاق کا مطلب یہ ہے کہ تخلیق ایک مصنف کی ہو لیکن کسی اور مصنف کے نام سے مشہور ہو گئی ہو یا کر دی گئی ہو اور یہ اکثر و بیشتر 'تخلص' کے التباس سے پیدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ غالبؔ نے اپنا تخلص 'اسد' چھوڑ دیا کیونکہ ان کے ایک ہم عصر شاعر اسدؔ کی غزل ان سے منسوب کر دی گئی تھی اس کی مثال یہ بھی ہے کہ 'محی' نامی شاعر کا ایک مختصر سا دیوان

حضرت غوث الاعظم جن کا لقب ''محی الدین'' تھا کے نام سے بار بار شائع ہو چکا ہے۔

الحاق کے متعلق بعض دلچسپ مثالیں قاضی عبدالودود نے بھی پیش کی ہیں

''کلیاتِ انوری'' طبع ہند میں ایک ہندوستانی شاعر کے قصائد داخل ہو گئے ہیں اس کے اشعار اس کے ہندوستانی ہونے پر مُشعر ہیں اور اس بنا پر الحاق کے امکان کو نظر انداز کرتے ہوئے ظفر علی خاں نے انوری کے ہندوستانی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح ظہیر فاریابی کے دیوان کے جو نسخے ایران میں چھپے ہیں الحاقی کلام سے خالی نہیں اور نول کشوری نسخے کے آخر میں جو دیوانِ غزلیات ہے وہ یک قلم ہند کے ایک شاعر ظہیر اصفہانی کا ہے۔''

الحاق کے سلسلے میں یہ صورت بھی دیکھنے میں آئی کہ ایک شخص خود اپنی مرضی سے اپنی تصنیف دوسرے کسی فرد کے نام منسوب کر دیتا ہے۔ اس کا مقصد خوشنودیٔ مزاج کے لئے یا ادبی نذرانہ پیش کرنا ہوتا ہے یا کوئی اور مصلحت پسِ پردہ کارفرما ہوتی ہے مثال کے طور پر مصحفی کو پیش کیا جا سکتا ہے کیوں کہ انھوں نے مالی منفعت کے خاطر بارہا ایسا کیا ہے جیسا کہ محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کبھی ''در مدح خودمی گویم'' یعنی اپنی زبان سے اپنی تعریف مقصود ہوتی ہے۔ کبھی مذہبی رجحان، کبھی کسی فرقے کے معتقدات اور رایوں کو مقبولِ عام بنانے کی کوشش کی جاتی ہے کبھی مذہبی اختلاف کے بناء پر بعض مشہور لوگوں کے نام سے کچھ کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جسے فریدالدین عطاؔر سے منسوب ''مظہرالعجائب'' ہے۔ کبھی کبھی بزرگوں اور خاص طور سے مذہبی رہنماؤں سے عقیدت کی بنا پر کم معروف مصنف لکھ کر ان کے نام اپنی کتاب منسوب کر دیتا ہے مثال کے طور پر ابوسعید ابوالخیر کو پیش کیا جا سکتا ہے چنانچہ ان سے مختلف شاعروں کی رباعیات منسوب کر دی گئی ہیں۔ کبھی بادشاہ کی خصوصی توجہ مبذول کرانے کے لئے بھی ایسا کیا جاتا ہے جیسے مہربان خاں رندؔ کو میر سوز کا غزلیں دینا۔ بہادر شاہ ظفرؔ اور ذوقؔ کا نام بھی اسی قبیل سے لیا جاتا ہے کبھی سیاسی اغراض کے حصول کے لئے بھی مجہول تصانیف پیدا کی جاتی ہیں اس کے علاوہ بعض لوگ اپنا کلام دیگر مشاہیر کی طرف منسوب کر کے عام طور پر زبان زد دیکھنا چاہتے ہیں کبھی کبھی تصانیف کے ہم نام

ہونے کی وجہ سے الحاق ہو جاتا ہے یا ہو سکتا ہے جیسے مرزا علی لطفؔ اور حیدر بخش حیدریؔ دونوں کے تذکرے کا نام ''تذکرۂ گلشنِ ہند'' ہے اس کا بھی خیال رکھنا متنی نقاد کے لیے ضروری ہے بعض مرتبہ اشعار عطا ہوتے ہیں جیسے میر دردؔ کے عطا فرمودہ تقریباً 200/اشعار میر اثرؔ کی مثنوی ''خواب وخیال'' میں موجود ہیں۔

جعلی اور الحاقی تحریروں میں بہت کم فرق ہے۔ اگر کسی مصنف کی کوئی تحریر کسی اور نام سے مشہور ہو جائے تو اسے الحاق کہا جائے گا اور اگر جان بوجھ کر کسی خاص مقصد اور نام سے کوئی تحریر لکھی جائے تو اسے جعل سازی کہا جائے گا۔ جعل سازی کی ایک دو مثال پیش ہے

اسماعیل رسا ہمدانی نے ''نادر خطوط غالب'' کے نام سے اپنے جدِّ اعلیٰ کرامت حسین کرامتؔ کے نام سے غالب کے 23/خطوط کا مجموعہ شائع کیا تھا جس کے متعلق تحقیق سے پتا چلا کہ انھوں نے جعل سازی سے کام لیا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور مثال عباس علی لمعہ کے نام علامہ اقبالؔ کے خطوط ہیں جو شیخ عطاالله کے مرتب کئے ہوئے ''اقبال نامے'' کی پہلی جلد میں شامل ہیں چنانچہ ماسٹر اختر نے ان کی جعل سازی کا نہ صرف پردہ فاش کیا بلکہ یہ ثابت بھی کر دیا کہ حقیقت کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں۔

الحاقی واضافی صورتوں کا جو گونا گوں اور متنوع ہوتی ہیں تحقیقی اور تقابلی مطالعے کے ذریعہ پتا چلانے کے بعد جہاں کسی متن سے ان اجزاء کو الگ کیا جا سکتا ہے جو صاحبِ متن کے اپنے رشحاتِ قلم کے مرہون منت یا فکر فرمائیوں کے نتائج نہیں ہوتے وہاں متعلقہ متن کے اجزا کی بازیابی و یکجائی بھی کم وبیش ممکن ہو جاتی ہے۔

غرض کہ تصنیف میں کوئی الحاقی کلام شامل تو نہیں ہو گیا ہے اس کا پتا لگانا چاہئے اس کے لئے داخلی اور خارجی شواہد سے کام لینا چاہئے۔

الحاق کی ایک صورت ''سرقہ'' یا ''تصرف'' بھی ہو سکتی ہے جسے انگریزی میں ''Plagiarism'' کہتے ہیں یعنی دوسروں کے خیالات الفاظ یا تحریروں کو اپنا ظاہر کر کے چلانا 'سیرس' نے سرقے کی تین قسمیں کی ہیں؛

(1) لفظ بہ لفظ چوری

(2) جا بجا دوسرے کے جملے کو چپکا دینا

(3) دوسروں کی دریافت کا اپنے الفاظ میں خلاصہ کر دینا

سرقہ کی متعدد مثالیں علم و ادب کی تاریخ میں مل جاتی ہیں۔ مصحفی نے شاہ حسین حقیقت کے ترجمے میں اس کی مثال پیش کی ہے جیسا کہ تذکرۂ ہندص:86 تا 88 پر لکھا ہے ویسے سرقہ کی روایت بہت پرانی ہے خدائے سخن میر تقی میر پر بھی سرقہ کا الزام محمد بقاء اللہ بقا نے لگایا اتنا ہی نہیں بلکہ دونوں ہاتھ اٹھا کر میر کو کوسا ہے۔

سرقہ کبھی کچھ حصے کا ہوتا ہے اور کبھی کبھی پوری کتاب کا، چنانچہ غلام حسین بخشی کی ایک مثنوی ''معدنِ یاقوت'' ہے جو 1221ھ کی تصنیف ہے محمد ناصر خاں رام پوری نے پوری کتاب کا سرقہ کرلیا اور اس کا نام ''نسخۂ یاقوت'' رکھ دیا یہ سرقہ شدہ کتاب رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔

سرقہ کے برعکس ''توارد'' ہے اس کے لغوی معنی ہیں'' دو شخصوں کو ایک ہی مضمون سوجھنا''، لیکن اصطلاح میں یوں کہا جائے گا کہ اگر دوسرے شاعر کو پہلے شاعر کے شعر کا علم نہیں تھا تو یہ ''توارد'' ہے اور اگر اس نے پہلے شاعر کے مضمون کو اپنے الفاظ میں باندھا ہے تو یہ ''اخذ'' یا ''سرقہ'' ہے۔

سرقہ دانستہ ہوتا ہے جب کہ توارد نادانستہ جس شعر میں توارد ہو جائے وہ اس بیٹے کی طرح ہے جو عقد کرنے والے کے گلے پڑ جاتا ہے۔

اخذ مضامین کا مطلب یہ ہے کہ ایک شاعر کو دوسرے شاعر کا مضمون پسند آ گیا اور اسے اپنی زبان میں کچھ تبدیلی کے ساتھ بیان کر دیتا ہے یہ بھی سرقہ ہے۔

کبھی کبھی سرقہ اخذ الحاق کے علاوہ غلط بیانی کی وجہ کر بھی متن کے استناد کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے مثال کے طور پر امام الہند ابوالکلام آزاد نے اشعار میں بکثرت غلط متن پیش کیا ہے گو کہ قصداً نہ تھا اس کی وجہ قوتِ حافظہ پر مکمل انحصار ہے اور یہ بھی غلط بیانی کی ایک وجہ ہے۔

غلط بیانی کی دوسری وجہ ''تعصب'' ہے جیسے آزاد نے آبِ حیات میں یہ تأثر دینا چاہا کہ مرزا مظہر جانِ جاناں کو قتل کرنے والا سُنّی تھا حالاں کہ وہ شیعہ تھا۔اسی طرح مباحثۂ گلزارِ نسیم میں کسی نے کہا کہ یہ ''گلزارِ نسیم'' دیا شنکر نسیم کی نہیں، آتش کی تصنیف ہے اسی طرح مسعود حسن رضوی ادیب نے ناکافی دلیل کے ساتھ شاہ حاتم کو نظرانداز کر کے فائز دہلوی کو شمالی ہند کا اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر قرار دیا ہے کبھی یہ تعصب علاقائی بھی ہوسکتا ہے جیسے حامد حسن قادری سید اشرف جہانگیر سمنانی'' کے موہوم و معدوم ''رسالۂ نثر'' کا ذکر کر کے اطمینان کی سانس لیتے ہیں۔

غرض کہ متن مستند ہے یا نہیں، اس کی عالمانہ تحقیق ہونی چاہئے۔متن کے استناد کے سلسلے میں یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ 'متن' ملنے کے بعد ہمیں یہ پتا کرنا چاہئے کہ اس میں توارد سرقہ اخذ جعل سازی یا الحاق وغیرہ کا مسئلہ تو درپیش نہیں ہے اگر ان تمام قباحتوں کو دور کر دیا تب جا کر متن کے استناد کے حوالے سے مثبت جواب مل سکتا ہے۔

## اعلیٰ تنقید کی دوسری کڑی 'متن کے سنۂ تصنیف کا تعین'

سنین کے حوالے سے عام طور پر دو باتیں پیش کی جاتی ہیں؛

(1) مادّۂ تاریخ

(2) ہجری و عیسوی سنین

اس سلسلے میں قاضی عبدالودود صاحب نے مناسب ہدایت کی ہے کہ

> ''مادّۂ تاریخ کے ساتھ سنۂ مطلوب درج بھی ہو تو اس پر اعتبار کرنا ٹھیک نہیں بطورِ خود حساب کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ مادے سے عددِ مطلوب نکلتا بھی ہے یا نہیں۔''

اردو ادب کی تاریخ میں اکثر واقعات کے ہجری سنین درج ہوتے ہیں ان کے متوازی عیسوی سنہ دینا ہو تو جب تک کہ مہینہ اور بعض اوقات تاریخ بھی معلوم نہ ہو دو عیسوی

سنہ دیئے ہوں گے۔ ہجری سنہ کے ایک عیسوی سنہ کے تطابق کی غلطی رشید حسن خاں کی دی ہوئی ایک مثال سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے علی گڑھ تاریخ ادبِ اردو میں ص: 400 ر پر مرزا مظہر جانِ جاناں کا سنۂ وفات 1195ھ/1780ء دیا ہے جب کہ 1195ھ مطابق ہے 81-1780ء کے اور مظہر کی وفات 10 ر محرم 1195ھ کو ہوئی اور یہ مطابق ہے 6 ر جنوری 1781ء کے، اس طرح عیسوی سنہ غلط ہو گیا۔

کبھی کبھی سنین کے متعلق لکھتے ہوئے قیاس کو یقین میں بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے عطا پالوی نے شوق لکھنوی کی مثنوی ''فریبِ عشق'' کی تاریخ طے کرنا چاہی انھوں نے دیکھا کہ اس مثنوی کی ابتدا میں کسی بادشاہ کی مدح نہیں ان کے خیال میں واجد علی شاہ کے دور میں بغیر مدحِ سلطان کے مثنوی نہیں لکھی جا سکتی تھی اس لیے یہ مثنوی جلوسِ واجد علی شاہ 1263ھ سے پہلے کی ہونی چاہئے چوں کہ اس مثنوی پر مومن کی مثنویوں کا اثر ہے اور بقول گارساں دتاسی ''دیوانِ مومن'' پہلی بار 1261ھ میں شائع ہوا اس لیے مثنوی کی تاریخِ تصنیف 1261ھ اور 1263ھ کے درمیان ہونی چاہئے آگے چل کر پالوی صاحب نے ظن کو یقین میں بدل دیا کہ مثنوی 1263ھ کی تصنیف ہے اس لیے سنۂ تصنیف یا تاریخِ تصنیف کے تعین کے وقت ہوشیار اور بیدار رہنا چاہئے۔

متن کے سنۂ تصنیف کے تعین کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ متنی نقاد جس متن کو ترتیب دے رہا ہے اس پر سنہ تصنیف نہ دیا ہو اور اس سلسلے میں کسی اور بیرونی ذریعہ سے بھی متنی نقاد کی رہنمائی نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں چند ہدایات درج ذیل ہیں:

☆ اکثر و بیشتر متن میں اس عہد کے اہم تاریخی یا ادبی واقعات کا کہیں صراحتاً اور کہیں کہیں ضمناً تذکرہ آتا ہی ہے، اگر متنی نقاد ان واقعات کے سنین دریافت کر لے تو زمانۂ تصنیف کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

☆ اسی طرح کتابوں کے آخر میں اکثر ''قطعۂ تاریخ'' دیا رہتا ہے جس سے سنۂ تصنیف

نکلتا ہے

سنۂ تصنیف کے حوالے سے خلیق انجم لکھتے ہیں کہ ''متن کے سنہ کتابت کا تعین قدرے مشکل کام ہے کیوں کہ ضروری نہیں کہ جو نسخہ ہمیں ملا ہے وہ مصنف کے عہد کا ہو، اس کے لیے:

(1) متنی نقاد کو اردو رسم الخط سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے خاص طور سے اسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ط ڈ اور ڑ کے مختلف عہد کے رسم خط میں کیا کیا شکلیں رہی ہیں

(2) متن کے کاغذ کا کیمیاوی تجزیہ بھی اس کی عمر ثابت کرنے میں ہماری مدد کر سکتا ہے

(3) اس طرح متن میں استعمال کی گئی سیاہی کا بھی کیمیاوی تجزیہ کرایا جا سکتا ہے

## اعلیٰ تنقید کی تیسری کڑی 'ماخذ کی نشان دہی'

تحقیق کی ایک مشکل یہ ہے کہ اس میں معتبر ماخذ کے بغیر کچھ بھی قابلِ قبول نہیں ہوتا ماخذ کی بنیادی حیثیت ہے۔ اگر ماخذ معتبر و مستند ہے تو تحقیق بھی معتبر ہوگی اگر مشکوک ماخذ سے کام لیا تو تحقیق بھی مشکوک قرار پائے گی اور غیر مستند سے کام لیا تو تحقیق پایۂ اعتبار سے گر جائے گی اس بات پر زور دیتے ہوئے رشید حسن خاں لکھتے ہیں کہ ''جن امور پر استدلال کی بنیاد رکھی جائے وہ اس وقت تک کی معلومات کے مطابق بظاہر حالات شک سے بری ہوں اور جن ماخذ سے کام لیا جائے وہ قابلِ اعتماد ہوں۔ غیر متعین مشکوک اور قیاس پر مبنی خیالات کا مصرف جو بھی ہو ان کی بنیاد پر تحقیقی نقطۂ نظر سے قابلِ قبول نتائج نہیں نکالے جا سکتے اسی طرح معتبر اور غیر معتبر ماخذ کے امتیاز کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ''حوالے کا قابلِ قبول ہونا متعدد باتوں پر منحصر ہوتا ہے مثلاً یہ کہ واقعے اور روایت کے درمیان ایسا زمانی فصل نہ ہو کہ روایت کا تسلسل ٹوٹ جائے، روایت اگر ذاتی معلومات پر مبنی ہے اور راوی غیر معتبر بھی نہیں تو اس صورت میں امکان کی حد تک یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ غلط فہمی جانب داری یا ایسے ہی محرک کے اثرات تو کار فرما نہیں رہے ہیں۔ راوی اگر مؤخر ہے تو ضروری ہے کہ

روایت ایسے ماخذ پر مبنی ہو جس کو اولین ماخذ کہا جا سکے۔''

اگر مصنف نے کچھ کتابوں سے استفادہ کیا ہے تو متنی نقاد کو ان کی نشان دہی کرنی چاہیے، یہ استفادہ کئی طرح کا ہوتا ہے؛

ممکن ہے جو متن ہم مرتب کر رہے ہیں وہ کسی دوسری زبان سے ترجمہ ہو ایسی صورت میں متنی نقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اصل کتاب سے متن کا مقابلہ کرے اگر ہمارے مصنف نے ترجمے میں کچھ عبارت بڑھا دی ہو یا کم کر دی ہو کچھ غلطیاں کی ہوں تو ان پر حاشیے لکھنے چاہئیں۔ بعض اوقات متن میں کچھ الفاظ نہیں پڑھے جاتے یا ایسے متروک الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو عام طور سے لغتوں میں نہیں ملتے تو ایسے موقعوں پر اصل کتاب ہماری مدد کرتی ہے مثلاً فضل علی فضلی کی ''کربل کتھا'' کے متنی نقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اصل کتاب یعنی ملا واعظ حسین کاشفی کی ''روضۃ الشہداء'' کو پیش نظر رکھے اسی طرح 'باغ و بہار' مرتب کرتے وقت 'قصہ چہار درویش' اور 'نوطرز مرصع' رکھنے سے فائدہ ہو سکتا ہے۔

بعض اوقات مصنف خود بتاتا ہے کہ اس نے اپنی تصنیف میں کس کتاب سے استفادہ کیا ہے جیسے لچھمی نرائن شفیق نے 'چمنستانِ شعراء' میں ''نکات اشعراء'' اور ''تذکرۂ ریختہ گویاں'' کا ذکر کیا ہے لہٰذا مرتب اگر ''چمنستانِ شعراء'' مرتب کرنا چاہے تو ترتیب کے وقت ان دونوں کو پیش نظر رکھے۔

کبھی کبھی مصنف جن کتابوں سے استفادہ کرتا ہے ان میں بیان کے لیے بعض اوقات اپنی مرضی کے مطابق توڑ مروڑ کر کے پیش کرتا ہے اس کی بہترین مثال محمد حسین آزاد کا کارنامہ ہے۔ وہ یوں ہے کہ انھوں نے آبِ حیات میں مرزا مظہر جانِ جاناں کے قتل کا ذکر کرتے ہوئے اپنی باتوں کو زوردار بنانے کے لیے حکیم قدرت اللہ قاسم کا سہارا لیکر کچھ توڑ مروڑ کر حقیقت پیش کرنے کی کوشش کی ہے لہٰذا متنی نقاد کو ایسے تمام وضع کردہ واقعات پر حاشیے لگانے چاہئیں۔

اگر مرتب کو کتاب میں کہیں اقتباس نظر آئے تو اس کے ''Original Text Book''

سے اُس اقتباس کا موازنہ کرنا چاہئے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ مرتب نے اپنے مفاد کے خاطر اس میں کتر و بیونت سے کام لیا ہو۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصنف جن کتابوں سے استفادہ کرتا ہے، ان کا ذکر نہیں کرتا خواہ اس کے پیچھے کوئی بھی مصلحت ہو، اس لیے متنی نقاد کو وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے بقول عرشی ''شاہ محمد حمزہ نے فصص الکمات'' میں دو چار جگہ نکات الشعراء اور دو چار جگہ اپنی معلومات سے کچھ لکھا ہے بقیہ حالات گردیزی کے تذکرے سے خود، اسی کے لفظوں میں نقل کر دیا ہے۔

اردو ادب کی تاریخ میں بعض کتابیں بعض کتابوں کے جواب میں لکھی جاتی ہیں جیسے میر امن دہلوی کی شاہکار تصنیف ''باغ و بہار'' کے جواب میں رجب علی بیگ سرور نے ''فسانۂ عجائب'' رقم کی۔ اسی طرح قطب الدین باطن نے اپنا تذکرہ ''گلستانِ بے خزاں'' شیفتہ کے تذکرے ''گلشنِ بے خار'' کے جواب میں لکھا تھا لہٰذا تذکرۂ باطن مرتب کرتے وقت ''گلشنِ بے خار'' کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

جو کتابیں عام طور سے بطورِ ماخذ استعمال میں آتی رہتی ہیں ان کو صحیح طور پر مرتب کرنا چاہئے اور اگر کتاب کے کئی نسخے ہیں مطبوعہ یا غیر مطبوعہ تو ان میں سے جتنے نسخے مل سکتے ہوں ان کو بھی ضرور دیکھ لینا چاہئے اس احتیاط کے بغیر کبھی بعض صورتوں میں اور کبھی اکثر صورتوں میں غلط فہمی اور غلط آفرینی کے امکانات کارفرما رہیں گے۔

یادرہے کہ مشکوک کا دائرہ بہت وسیع ہے کہیں انتساب کا مسئلہ ہے کہیں الحاقی کلام کا مسئلہ ہے اور کہیں کچھ اور، ایسے مجموعے حوالے کے طور پر قابلِ قبول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے جب تک انتساب سے لیکر صحتِ متن اور الحاقِ کلام تک ہر بات قابلِ قبول حد تک معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک ان کو ماخذ کا درجہ نہیں دیا جانا چاہئے۔

ماخذ اور حوالوں کے تعلق سے ''ایلٹک'' کی بات سدا یاد رہنی چاہئے وہ کہتا ہے کہ ''واپس جاؤ ماخذ، روایات اور اشخاص تک جن سے مواد ملا ہے۔''

انگریزی مصنف ''اسپلر'' نے کہا ہے کہ '' ثانوی ماخذ پر تبھی بھروسا کیجیے جب کہ اصل ماخذ تک پہنچنے میں عملی دشواریاں ہوں اور ثانوی راویوں کا پایۂ اعتبار مستند ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ثانوی ماخذ پر اصل ماخذ کو ترجیح دیں بعض اوقات ثانوی حوالے میں کوئی معلومات غلط ہوسکتی ہے الغرض ماخذ کے حوالے سے بھی تحقیق میں کوتاہی نہ برتیں۔

## اعلیٰ تنقید کی آخری اور چوتھی کڑی 'متن کا مقدمہ'

''متن'' کے تنقیدی ایڈیشن کی تیاری کے بعد اس کا مقدمہ لکھنا چاہئے لیکن یہ بات بھی خاطر نشاں رہنی چاہئے کہ 'مقدمہ' کا لغوی معنی پیش کیا ہوا آگے کیا ہوا ہوتا ہے اس واسطے اس کی جگہ کسی بھی کتاب میں ابتدا ہی میں ہونی چاہئے مگر عام طور سے مقدمہ میں کتاب کے کئی پہلو پر روشنی ڈالنی پڑتی ہے بایں وجوہ بعد میں لکھنا زیادہ مناسب ہے۔

متن کے مقدمہ میں مندرجہ ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالی جانی چاہئے بقول نامور اسکالر خلیق انجم۔

(i) متن اور کتاب کا موضوع کیا ہے؟

(ii) اس موضوع پر کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ان تمام کتابوں کا اجمالی جائزہ

(iii) اگر متن میں مصنف یا کسی مشہور عبقری شخصیت پر روشنی پڑتی ہے تو اس کا ذکر

(iv) تنقیدی ایڈیشن تیار کرنے میں جتنے متون استعمال کئے ہیں۔ان کا بھی اجمالی ذکر ضروری ہے۔

(v) جو متون استعمال کئے گئے ہیں ان کی املا کی خصوصیات کیا کیا ہیں؟ وہ بتانا بھی ضروری ہے

(vi) اگر کوئی ادبی کتاب ہے اور قدیم ہے تو اس کی لسانی خصوصیات پر روشنی ڈالنی چاہئے

(vii) اگر مخطوطہ ہے تو وہ کہاں ملا؟ کیسے ملا؟ یہ دینا چاہئے

(viii) مخطوطہ کو مرتب کرنے میں جو کتابیں استعمال ہوئی ہیں وہ کہاں کہاں دستیاب

ہوئیں؟ اسے بھی دینا چاہئے

(ix) اگر متروک الفاظ ہوتو اس کی نشان دہی معانی کے ساتھ مقدمہ ہی میں کرنی چاہئے، جن الفاظ کا مفہوم بدل گیا ہے، اس کی بھی نشان دہی ضروری ہے مثال کے طور پر رنڈی پہلے عورت کے معنی میں مستعمل تھا اب یہ دشنام کے قبیل کا لفظ سمجھا جاتا ہے

(x) جن الفاظ کا تلفظ بدل دیا گیا ہوتو اسے بھی دینا چاہئے جیسے ''جِدُّ وجُہد'' وغیرہ، اب جدُّ جُہد بولا جاتا ہے اور اس کا تلفظ یہی ہوگیا ہے

(xi) اس مخطوطے کی مخصوص ضرورت جیسے اس کے متعلق کوئی جعلی نسخہ تھا یا الحاقی کلام تھا جسے دور کیا گیا، اس کی بھی صراحت یہاں مناسب ہے

(xii) متن کی فرہنگ جو دراصل 'مقدمہ' ہی کا حصہ ہے اس میں ایسے الفاظ جن کی املا تبدیل ہوگئی ہو، اسے بھی ظاہر کرنا ضروری ہے، جیسے ''لئیے''، ''باغ و بہار'' میں ''لیے'' کی جگہ ہے یعنی پہلے وہ لفظ اسی طرح لکھا جاتا ہے مگر اب اس کی املا تبدیل ہوگئی ہے اسی طرح اعلیٰ اب اعلاً پتہ پتا لکھا جاتا ہے اس کی بھی وضاحت ضروری ہے

مختصر یہ کہ ایسے وہ تمام نکات جو تنقیدی ایڈیشن کے افہام وتفہیم میں معاون ہوں ضرور دینے چاہئیں تاکہ مطلوب پوری طرح برآئے

غرض کہ جہاں تک ممکن ہو تحقیق کے کسی بھی مرحلے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے ورنہ ذراسی بے احتیاطی ساری محنتوں اور کاوشوں پر پانی پھیر سکتی ہے ع

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

تب جا کر ''اعلیٰ تنقید کے مدارج'' کے حوالے سے ہماری بات پایۂ استناد تک پہنچ پائے گی۔

□ □ □

# حافظ محمود شیرانی بہ حیثیت محقق

محمود شیرانی 5/اکتوبر 1880 میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کئی اصنافِ ادب کی خدمت کی ہے۔ وہ ہندستان میں 24رسال زندگی گزار کر 4/اکتوبر 1904ء کو لندن پہنچ گئے اور مارچ 1905ء میں انہوں نے Royal ایشیاٹک سوسائٹی کی رکنیت حاصل کی اسی دوران فوجی تربیت بھی حاصل کی 1905ء ہی میں ان کی ایک نظم ''نخلستان'' شائع ہوئی آگے چل کر 1922ء میں وہ اسلامیہ کالج لاہور میں لکچرر ہو گئے تب ان کا شوق جو سیر و شکار کا تھا وہ بھی پورا ہونے لگا۔

مظہر محمود شیرانی کے مطابق ''ان کے تحقیقی اور تنقیدی مضامین رسالہ 'مخزن' میں شائع ہونے لگے۔''

اس کے بعد رسالہ ''اردو'' میں انہوں نے حقیقی قابوس نامہ، فردوسی اور شاہنامہ پر اس زمانے میں گراں قدر مضامین لکھے۔

تب ہی ''شعرالعجم'' کی تنقید شروع کی اور ینٹل کالج میگزین میں مضامین لکھنے کا سلسلہ 1925ء میں شروع کیا۔ 1928ء میں اپنی مشہور کتاب ''پنجاب میں اردو'' اسلامیہ کالج کی انجمن اردو کی جانب سے شائع کروایا۔ 1929ء میں پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی نے انہیں اس کتاب پر ایک ہزار روپے انعام دیا اور 1933ء میں میر قدرت اللہ قاسم کی ''مجموعۂ نغز'' کو مرتب کر کے شائع کیا ان کی کتاب ''فردوسی پر چار مقالے'' بے حد اہم ثابت ہوئی ان کے موضوعات میں اردو زبان و ادب، فارسی ادب، اسلامی تاریخ، عروض اور رسم الخط تھے انہوں نے 1936ء میں گجری پر تحقیق شروع کی تھی اس زمانے میں ان کا ایک مضمون ''دائرہ کے

مہدیوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ" شائع ہوا۔

شیرانی تحقیقات کے ماہر ہو چکے تھے اور پرانی چیزوں کو جمع کرنے کا ایک شوق اور خاص شعور پیدا ہو چکا تھا۔ ان کے خزانے میں چند سال کے اندر فارسی اور عربی کے نادر علمی نسخے جمع ہو گئے تھے اتنا ہی بلکہ وہ پُرانے سکے بھی اکٹھا کرتے تھے۔ تیز ہتھیار، برتن، مورتیاں کتبے اور فرامین جمع کرنے میں انہیں خاصا درک تھا۔

شیرانی کی بعض کتابوں میں "پرتھوی راجا داسا"، "خالق باری" بھی اہم ہیں۔ محمد حسین آزاد اور دیوانِ ذوق پر ان کے مضامین رسالہ 'ہندستان' میں قسط وار چھپتے رہے۔ 1944ء میں تین بار ملیریا میں مبتلا ہوئے اور آخر کار 1966ء میں کوچ کر گئے۔

شیرانی کی تنقیدی اور تحقیقی کارکردگی کے اعتراف میں سید عبداللہ نے یوں لکھا ہے

"پروفیسر شیرانی ہمارے دور کے بہت بڑے نقاد مورخ تھے، وہ واقعات کی صداقت پر جان دیتے تھے اور اس معاملے میں کسی غلطی اور غلط بیانی کو معاف نہ کر سکتے تھے۔ سچائی کی تلاش ان کا ایمان تھا جس کے خاطر انہوں نے بڑی بڑی شخصیتوں کی پروانہ کی۔ انہوں نے تاریخ وادب کی بڑی بڑی غلطیوں کی اصلاح کی۔"

عملی اور تحقیقی اعتبار سے ان کا درجہ قاضی عبدالودود سے کم نہیں ہے بلکہ تحریر کی شگفتگی اور اسلوب کی روانی کی بنیاد پر ان کی تحریریں زیادہ پڑھی جاتی ہیں۔

مجلسِ ادب لاہور نے "مقالاتِ حافظ شیرانی" کے عنوان سے ان کے مضامین شائع کر دیئے ہیں جس کو مظہر محمود شیرانی نے مرتب کیا ہے۔

الغرض حافظ محمود شیرانی کے احسانات سے اردو زبان وادب گراں بار ہے۔

□ □ □

# نایاب تحفہ

(ایم فل ر پی ایچ ڈی کے طلبہ وطالبات کے لیے)

## ادبی تنقید کیسے کریں؟

## ادبی تنقید کے دو پہلو

(1) کیا (مواد)      (2) کیسے (ہیئت)

'کیا' اور 'کیسے' شعر و نظم میں الگ نہیں ہوتے۔ فن کی ایک وحدت اکائی ہے مگر تدریس سہولت اور عام قاری کو سمجھانے کے لیے 'مواد' اور 'ہیئت' کی اصطلاحیں وضع کی گئی ہیں ورنہ شعر میں 'کیا' اور 'کیسے' گھل مل جاتے ہیں۔

شاعر کیا کہتا ہے اور کیسے کہتا ہے یہ کسی بھی نظم کے دو رُخ ہیں۔ تجزیہ کے لیے دونوں کو علاحدہ علاحدہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

☆ 'کیا' کو 'داخلیت' اور 'مضمون' بھی کہہ سکتے ہیں۔

☆ 'کیسے' کو 'خارجیت' اور 'اسلوب' بھی کہہ سکتے ہیں۔

یاد رکھیں: شعر کے دو حصے ہوتے ہیں:

(1) 'کیا' یعنی مضمون (2) 'کیسے' یعنی اسلوب

## (1) 'کیا' (مضمون)

پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ شاعر کیا کہتا ہے؟ جو کہہ رہا ہے اس کی قدر و قیمت کیا ہے؟ جو

بات کہی گئی ہے وہ نئی ہے، کام کی ہے یا معمولی، یا پہلے سے جانی ہوئی۔ جو تجربہ ہے وہ رنگین وزریں ہے یا سپاٹ و بے رنگ، اسی طرح وہ تجربہ زندگی کی نئی رونق کا سبب ہے یا اس کی بے لطفی اور بے رونقی کو بڑھاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ 'کیا' (مضمون) کے حوالے سے مذکورہ بالا چیزیں دیکھنی ہوتی ہیں

## (2) 'کیسے' (اسلوب): 'کیسے' میں کئی اجزاء ہوتے ہیں؛

(a) نقوش (b) الفاظ (c) آہنگ (وزن) (d) لب ولہجہ

(a) نقوش: یہ بذات خود بھی اہم ہو سکتے ہیں اور اُن کی اہمیت اس لیے بھی ہو سکتی ہے کہ ان سے کوئی خاص کام لیا گیا ہے۔ میر کا شعر ؂

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

اس شعر میں 'کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے' یہ نقوش ہے اور باکار ہے لیکن کبھی کبھی نقوش بیکار بھی ہوتے ہیں جیسے داغ دہلوی کا یہ شعر ؂

جھکی ہی جاتی ہے کچھ خود بخود حیا سے وہ آنکھ
گری جاتی ہے بیمارِ ناتواں کی طرح

اس شعر میں دوسرا مصرعہ بھرتی کا ہے کیوں کہ آنکھ خود بخود حیا سے جھک جاتی ہے پھر اُسے بیمار ناتواں کی طرح گرنے کی ضرورت ہی نہیں

(b) الفاظ: الفاظ کے حوالے سے دو بات یاد رکھیں (1) شعر خاص لفظوں کا مجموعہ ہوتا ہے (2) لفظوں کا ہر مجموعہ شعر نہیں ہوتا۔

الفاظ کو صحیح طور پر سمجھانے کے لیے اِسے تین حصوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے؛

(i) پہلی قسم (ii) دوسری قسم (iii) تیسری قسم

(i) پہلی قسم: لفظی تیزی دکھانے والے شعر کو شعر نہیں کہتے

مثال کے طور پر جلیل کا یہ شعر ؂

آشوب جہاں آفتِ جاں فتنۂ دوراں
دیکھے وہ تجھے جس نے قیامت نہیں دیکھی

جلیلؔ کے شعر میں صرف الفاظ کا الٹ پھیر ہے جس سے مراد صرف قیامت ہے لہٰذا یہ اچھا شعر نہیں ہے

(ii) دوسری قسم: الفاظ کا ایسا مجموعہ جن میں فصاحت روانی صفائی اور محاورات کے بدلے صرف شاندار الفاظ اکھٹے ہو جاتے ہیں ایسے شعر میں سب کچھ ہوتا ہے لیکن شعریت نہیں ہوتی جیسے جوشؔ کی ایک غزل کا مطلع دیکھیں ۔

صبح بالیں پہ یہ کہتا ہوا غمخوار آیا
اٹھ کہ فریادرس عاشق بیمار آیا

(iii) تیسری قسم: جہاں لفظی شعبدہ بازی ہو شاعری نہیں۔ مثال کے طور پر آتشؔ کے شعر کو دیکھئے ۔

بوسہ اُس لب کا ہے قوت بخش روحِ ناتواں
ایسی یاقوتی ہو تو کھایا چاہئے

یہاں پر آتشؔ کی روحِ ناتواں کو قوت بخش یاقوتی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ لفظی شعبدہ بازی ہے، شاعری نہیں۔ اس لیے الفاظ کے حوالے سے یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ لفظی تیزی، شاندار الفاظ یا لفظی شعبدہ بازی سے کچھ اور ہو سکتا ہے مگر شاعری نہیں ہو سکتی۔

(c) وزن: بقول کولرج وزن کی ضرورتوں اور ردیف وقوافی کے التزام کی وجہ سے لفظوں کی ترتیب میں کچھ الٹ پھیر ہو جاتی ہے اور یہ بے ترتیبی فائدہ مند ہے کیوں کہ اس سے شعر میں جلا، رنگینی، انوکھا پن، اثر اور بہت ساری خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان خوبیوں میں بڑا ہاتھ وزن کا ہوتا ہے۔ وزن اور الفاظ کی نثری ترتیب میں ایک باہمی کھیل ہوتا ہے۔ وزن کا تقاضا گویا ایک چیلنج ہے فن کار اُسے قبول کرے۔ اسی طرح وزن اور لفظوں کی فطری ترتیب میں جو مخاصمت ہے اُسے دور کرے۔

## وزن سے فائدے

(1) لفظوں کی ترتیب بدل جاتی ہے لیکن نتیجہ پراگندہ نہیں ہوتا

(2) لفظوں میں جان آجاتی ہے

(3) الفاظ اُبھرتے ہیں اور شان سے اُبھرتے ہیں

(4) معانی جگمگا اُٹھتے ہیں

(5) بیان میں زور آجاتا ہے اور تاثیر بھی

## وزن کے حوالے سے چند باتوں کو یاد رکھیں

(1) وزن کی اہمیت، شعر میں کچھ زیادہ نہیں ہے

(2) وزن ایک ہوتے ہوئے بھی اثر جدا جدا ہوتا ہے

(3) وزن کا اثر نغمہ اور رقص دونوں لحاظ سے بدلتا رہتا ہے

## (d) لب ولہجہ (Tone)

شعر کے حوالے سے لہجہ کی بہت اہمیت ہے۔ شاعر جو کچھ کہتا ہے، اُس کے کہنے کا ایک خاص لہجہ ہوتا ہے ایک حد تک یہ شاعر کی شخصیت پر منحصر ہے۔

میرؔ کی شخصیت، سوداؔ کی شخصیت سے مختلف تھی اس لیے ان دونوں کے لہجوں میں مشابہت ممکن نہیں۔ ایک ہی مضمون کے بیان میں دونوں کا لہجہ الگ الگ اور اپنی انفرادی شان رکھتا ہے۔

مثال دیکھیے:

بقول میرؔ ؎

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

بقول سوداؔ

سودا کی جو بالیں پہ گیا شورِ قیامت
خدامِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

یاد رہے کہ 'لہجہ' کا فرق زیادہ اہم نہیں۔اسی طرح یہ بھی ملحوظِ نظر رہے کہ آہنگ (Rhythm) سے قطعِ نظر 'لہجہ' میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ وزن تو بدلتا نہیں لیکن لہجہ اور حرکت کے اتار چڑھاؤ سے Pattern بدلتا رہتا ہے۔اگر مندرجہ بالا اصول پیشِ نظر رہے تو کسی بھی شعر و نظم کی صحیح قدر و قیمت پیش کی جاسکتی ہے۔

□ □ □

محنت یقین عزم کو مت بھولیے نایابؔ
بلکہ حیات کا اِسے فارمولہ جانیے

Nayab Zaheer
(Gold Medalist)